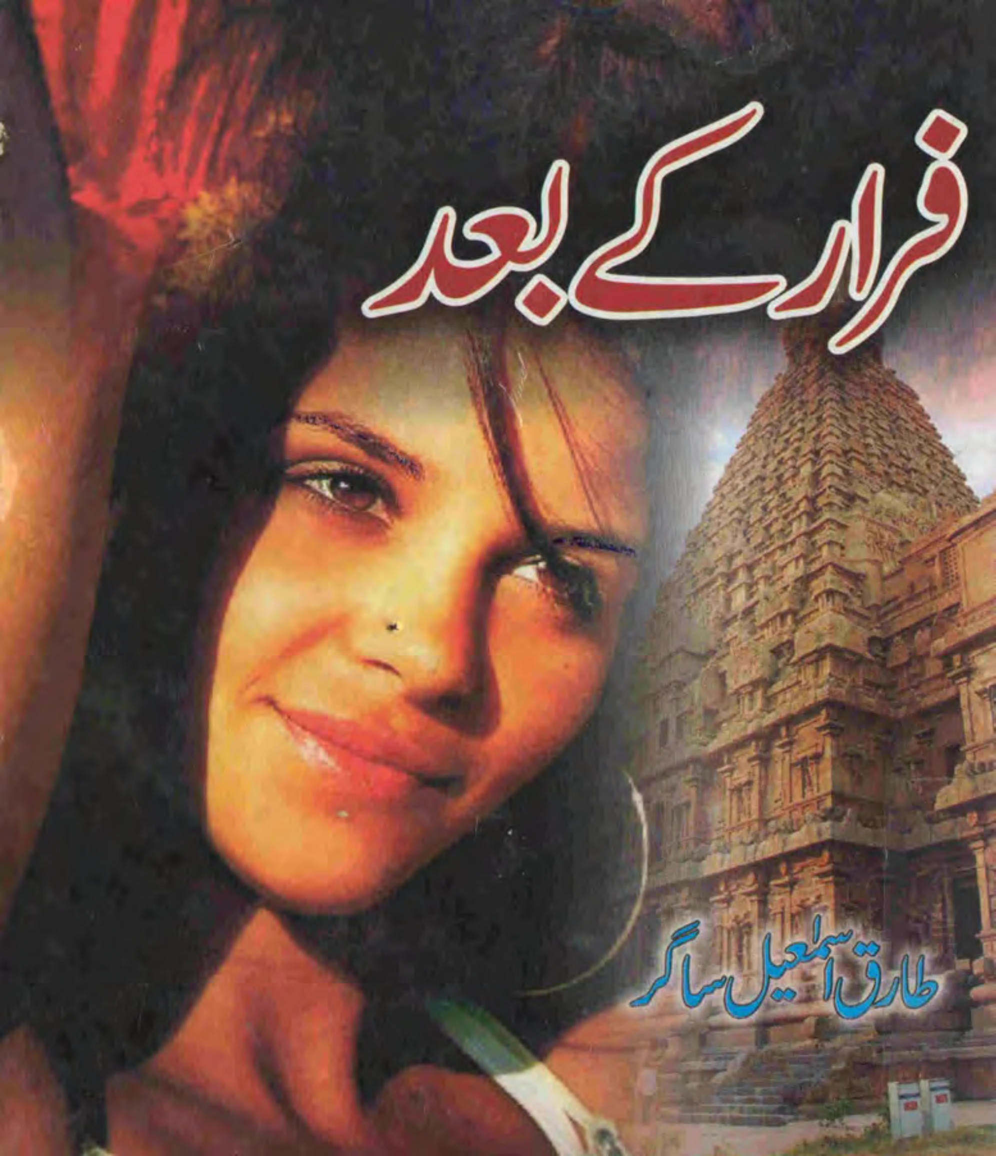
فرار کے بعد
طارق اسمٰعیل ساگر

فرار کے بعد

طارق اسمٰعیل ساگر

ساگر پبلی کیشنز

16-E ٹیمپل روڈ مہتہ سٹریٹ صفانوالہ چوک لاہور

Cell: 0300-9468248, Ph: 042-36361089

E-mail: ti_sagar@yahoo.com Web: www.nayajahan.com

پہلا باب

اندھیری رات کا قہر بڑھتا چلا جا رہا تھا۔

موسلا دھار بارش میں بادلوں کی گڑگڑاہٹ سے مسافروں کے دل دہل جاتے تھے۔ غنیمت تھا کہ ٹرین چل رہی تھی ورنہ ان حالات میں جب موسم کی عذابنا کی اور خوف سے زندگی سہم کر سمٹ کر رہ گئی تھی اس ایکسپریس ٹرین کا چلتے رہنا کسی معجزے سے کم دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

حوالدار اللہ وسایا کو رات کے اندھیرے میں موسلا دھار بارش کے درمیان کبھی کبھی ٹرین کے انجن کی زوردار وسل کی آواز بڑی عجیب سنائی دیتی۔ وہ سوچ رہا تھا جب بارش، طوفان، بادلوں اور بجلی کی گڑگڑاہٹ سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تو اس انجن سے نکلتی وسل کی آواز کون سنے گا؟

اللہ وسایا نے ساری زندگی سندھ کے ریگ زاروں کی نذر کر دی تھی! ہندوستان کی تقسیم پر وہ راجستھان کی سرحد عبور کر کے سندھ میں داخل ہوا تھا۔ تب اس کی عمر بمشکل سترہ اٹھارہ برس رہی ہوگی۔ سارے رشتہ دار سندھ میں لگے اس مہاجر کیمپ سے ایک ایک کر کے پنجاب کی طرف منتقل ہو گئے تھے۔

لیکن اللہ وسایا کے باپ کو جانے کیا پسند آ گیا کہ اس نے وہیں رہ جانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس بات کا علم تو اسے بعد میں ہوا تو اس کے باپ کو ٹی۔ بی کا موذی مرض لاحق تھا۔ اس نے سوچا کہ مرنا تو ہے ہی...... آج کیا اور کل کیا...... سندھ میں کیا اور پنجاب میں کیا۔

جہاں آباؤ اجداد کی جڑیں تھیں اس زمین نے تو ان سے ناطہ توڑ لیا تھا۔ اب انہیں نیا قبرستان آباد کرنا تھا۔

اللہ وسایا کے باپ نے بمشکل تین سال کاٹے، بے چارہ سسک سسک کر مر گیا۔ ابھی

برادری کے کچھ لوگ یہاں موجود تھے۔ سوکندھا دینے والے مل ہو گئے ورنہ اس نفسا نفسی کے عالم میں بڑے نصیبوں والے لوگوں کو ہی جنازہ نصیب ہوتا تھا۔

اللہ وسایا نے راجستھان میں آٹھ جماعتیں پاس کی تھیں، وہی اس کے کام آ گئیں اور ایک روز پولیس بھرتی کرنے والی ایک گشتی ٹیم نے اس کا انتخاب کر لیا۔

اسے حیدر آباد پولیس میں نوکری مل گئی اور اپنی ماں اور دو بہنوں کے ساتھ اللہ وسایا یہاں چلا آیا۔

اگلے چار پانچ سال میں اس نے دونوں بہنیں بیاہ دیں۔ دونوں پنجاب میں اپنی برادری میں بیٹھ گئیں اور اللہ وسایا نے مقامی عورت سے شادی کر لی۔ اس کی ماں زیادہ نہ جی سکی۔ جیسے ہی تینوں بچوں نے اپنے گھر بسائے بوڑھی نے عدم کی راہ اپنالی---!!

اللہ وسایا ترقی کر کے پولیس میں حوالدار ہو گیا تھا---لیکن---اس کی عزت کسی تھانیدار سے کم نہیں تھی---اس روز بھی جب وہ پنجاب سے ایک ملزم کو تفتیش کے لئے حیدر آباد لئے آ رہا تھا تو انسپکٹر محمد خان نے اسے کہا تھا۔

''اللہ وسایا! ذرا دھیان سے---بڑا خطرناک مجرم ہے۔ عالمے کا نام اس علاقے کے بچے بچے کی زبان پر ہے---پاکستان کا کون سا علاقہ ہے جہاں اس نے ڈکیتی نہیں کی۔ ہاتھ ذرا پکے رکھنا۔ پڑھا لکھا ڈکیت ہے۔ سالا! انٹیلی جنس میں کام کر چکا ہے۔ موت تو اس کے لئے بچوں کا کھلونا ہے---تمہارے ساتھ پانچ آدمیوں کی مسلح گارد ہونی چاہئے۔ بڑے چوکس اور تگڑے سپاہی لے کر جانا---!''

''صاحب جی! بڑے دیکھے ہیں، میں نے ایسے ڈکیت، اگر چوروں کی طرح باندھ کر نہ لے آیا تو میرا نام بدل دینا۔ آج تک اللہ کے فضل سے ناکامی کا منہ نہیں دیکھا۔ اب بھی مولا کریم میری عزت رکھے گا۔'' حوالدار اللہ وسایا نے تن کر جواب دیا تھا۔

''کل صبح کی گاڑی سے نکل جانا۔ پہلے لاہور میں پولیس ہیڈ کوارٹر کے ذریعے سمن کی تعمیل کروالینا اگلے روز کی ٹرین سے شیر عالم کو لے آنا۔'' انسپکٹر نے اسے کاغذات کا ایک پلندہ تھماتے ہوئے کہا۔

اگلے روز شام کی گاڑی سے اللہ وسایا چار جوان اپنے ساتھ لے کر لاہور آ گیا تھا۔ سارا

دن انہوں نے پولیس لائنز میں گزارا۔

دوسرے دن سرکاری چھٹی تھی۔ اللہ وسایا کے تین سپاہیوں نے پہلی مرتبہ لاہور دیکھا تھا۔

وہ تو سارا دن لاہور دیکھتے رہے۔ اللہ وسایا اپنی بہنوں کے گھر رہا۔ تیسرے دن عدالتی کارروائی پوری کرنے کے بعد انہوں نے لاہور کی جیل سے شیر عالم عرف عالمے کو وصول کیا اور دونوں ہاتھوں میں ہتھکڑی لگا کر پولیس لائن میں لے آئے۔

اللہ وسایا نے عالمے کو رات یہاں بند رکھا کیونکہ ٹرین اگلے دن دوپہر کے بعد چلنی تھی---ابھی تک عالمے نے بظاہر کوئی ایسا تاثر نہیں دیا تھا جو انسپکٹر محمد خان کے بیان کی تصدیق کرتا۔ وہ خاموشی سے ان کے ساتھ چلا آیا تھا۔

شاید اسے پہلے ہی سے اپنے چالان کا علم تھا۔

حیرت کی بات تو یہ تھی کہ اتنے مشہور اور بڑے ڈکیت کو الوداع کہنے کے لئے بھی کوئی موجود نہیں تھا۔

O

رات کا کھانا شیر عالم نے پولیس لائنز میں کھایا۔ اس نے ابھی تک کسی بات پر احتجاج نہیں کیا تھا۔ حالانکہ پولیس والوں نے اسے زچ کرنے کے لئے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی---!!

شیر عالم کا سندھ پولیس سے پہلی مرتبہ براہ راست واسطہ پڑا تھا---

وہ نہیں چاہتا تھا کہ اپنے میزبانوں کو اپنے متعلق شکایت کا کوئی موقعہ دے کر اپنے ہاتھوں کے ساتھ ساتھ پاؤں بھی بندھا لے۔

اگر اس کے پاؤں میں بیڑی لگ جاتی تو سارے کئے کرائے پر پانی پھر جاتا---!

صبح جب اللہ وسایا اور اس کے ساتھی عالمے کو ہتھکڑی لگا کر ریلوے سٹیشن کی طرف لے جا رہے تھے تو شیر عالم ان سے اس طرح بڑھ چڑھ کر تعاون کر رہا تھا کہ سندھ پولیس کے جوانوں کے دلوں میں موجود تمام خدشات ہوا ہو گئے تھے۔

وہ اسے عام سا مجرم سمجھ رہے تھے۔ اس بات کا تو انہیں بھی علم تھا کہ کسی شریف آدمی کو ڈاکو بنا دینا---یا کسی ڈاکو کو شریف شہری بنائے رکھنا پولیس کے دائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔

شاید اس بے چارے کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا تھا---!!

"بے چارہ"---حوالدار اللہ وسایا کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔ان کے ٹکٹ پہلے سے ریزور تھے۔

ریلوے پولیس کے تعاون سے حوالدار اللہ وسایا کو ایک ڈبے میں آمنے سامنے پانچ سیٹیں مل گئی تھیں۔موسم کے تیور کچھ دنوں سے بدل رہے تھے۔پنجاب میں تو خصوصاً بارشوں نے زور پکڑا ا تھا۔دریا بپھر رہے تھے---لیکن......سندھ میں ابھی امن تھا---

حوالدار اللہ وسایا کو امید تھی کہ بارشوں کا یہ زور جیسے جیسے وہ سندھ کی طرف بڑھیں گے ٹوٹنے لگے گا۔لیکن---ایسے بھیانک تجربے سے شاید زندگی میں پہلی مرتبہ گزر رہا تھا کہ بارش تھمنے ہی میں نہیں آ رہی تھی۔پنجاب کی ہریالی آہستہ آہستہ اب سندھ کے ریگ زاروں میں بدلنے لگی تھی۔مناظر بدل رہے تھے۔

شام کب اتری---؟ دن کب ڈھلا---؟

اس کا احساس حوالدار اللہ وسایا کو نہ ہو سکا۔

انہوں نے ملتان کے ریلوے سٹیشن سے کچھ پھل خرید کر ہمراہ کر لیا تھا اور وہی کھاتے یہاں تک آ گئے تھے۔عالمے نے ابھی تک ان کے ساتھ کوئی بات نہیں کی تھی۔کچھ کھانے کو نہیں مانگا تھا۔کوئی ایسی حرکت نہیں کی تھی۔جو ان کے لئے پریشانی کا باعث بنتی۔نجانے کیوں حوالدار اللہ وسایا کو اس کی حالت پہ رحم سا آنے لگا تھا۔وہ اس کے لئے اپنے دل میں ہمدردی کے جذبات محسوس کر رہا تھا۔ٹرین کی رفتار آہستہ آہستہ کم ہونے لگی تھی اور یہ کوئی اچھا شگون نہیں تھا۔ابھی وہ لوگ رحیم یار خان کے نزدیک ہی پہنچے تھے۔جب اچانک ٹرین کے بریک لگنے لگے بالآخر ایک معمولی سے جھٹکے سے ٹرین رُک گئی---!!

اللہ وسایا کا دل نجانے کیوں ایک مرتبہ زور سے دھڑک کر رہ گیا۔

بارش اتنی زوردار تھی کہ کھڑکی سے سر نکال کر باہر دیکھنے کی کسی کو ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ان کے بائیں ہاتھ بیٹھے مسافروں نے جب کھڑکی کھول کر دیکھنے کی کوشش کی تو اچانک ہی بارش کی بوچھاڑ نے ان کے منہ پھیر دیئے......

بے چاروں کے کپڑے بھیگنے لگے تھے۔

وہ چند لمحے جب ٹرین کے اس ڈبے کے مسافروں کی نظریں باہر کا جائزہ لے سکتی تھیں۔

حوالدار اللہ وسایا کو بھی نصیب آئے تھے۔دھار بارش کا شور......!

ڈبے کی کھڑکیوں سے سر پٹختی بارش کے قطروں میں لپٹی ہواؤں کے تھپیڑے تھے یا پھر ڈبے کی چھت پر آواز پیدا کرتی بارش کا شور---!!

جانے کہاں سے ایک چنے بیچنے والا اس ڈبے میں آ گیا تھا سارے مسافر امید بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے کہ شاید وہی ٹرین رکنے کا کوئی سبب انہیں بتائے۔

"آگے سگنل ڈاؤن ہے---" چنے بیچنے والے نے اپنی دانست میں بڑی اہم اطلاع مسافروں تک پہنچائی تھی۔

"فکر کی بات نہیں---لائن کلیئر ہے"۔دوبارہ اس نے گیلے کاغذ میں چنے لپیٹتے ہوئے ایک مسافر کے ہاتھ سے پانچ روپے کا نوٹ پکڑے ہوئے کہا۔

"او جی! اس میں گھبرانے والی بات ہوئی کیا؟ یہ کوئی نئی بات تو نہیں ہے۔بارش کا تو بہانہ ہے ورنہ عام حالات میں بھی ٹرین جگہ جگہ رک کر جاتی ہے"---ایک بزرگ نے جو اکثر اس لائن پر سفر کرتے رہتے تھے۔مسافروں کو مطلع کیا۔

"بھائی صاحب! یہ جو ڈاکے وغیرہ پڑتے ہیں ناں---بس توبہ ہی بھلی---" ایک ڈھلتی عمر کے مولوی صاحب نے مسافروں کی توجہ اچانک ہی اپنی طرف مبذول کر لی۔

"کیا مطلب ہے آپ کا"؟---اسی مسافر نے دریافت کیا جس نے اس سے پہلے مسافروں کو تسلی دی تھی۔

"میاں جی! میرا مطلب، بس جانے ہی دیجئے۔اتنے بچے آپ بھی نہیں ہیں۔آپ کو بھی میں گزشتہ چار پانچ سال سے اس لائن پر آتے جاتے دیکھ رہا ہوں---یہ سب ملی بھگت سے ہوتا ہے۔جہاں جی چاہا کوئی سا بہانہ کر کے ٹرین روک دی اور مسافروں کو قربانی کے بکرے بنا کر ڈاکوؤں کے سامنے پھینک دیا-

"مولوی صاحب! خدا کا خوف کریں۔ایک تو پہلے ہی ہم مصیبت میں گرفتار ہیں۔الٹا آپ نے افواہیں پھیلانا شروع کر دی ہیں۔"

ایک نوجوان نے جو شکل سے طالب علم دکھائی دے رہا تھا۔مولوی صاحب کو مزید خوف و ہراس پھیلانے سے روکنا چاہا۔

''برخوردار! ابھی تمہارے دودھ کے دانت مکمل نہیں ہوئے، ہم نے ساری زندگی انہی راستوں پہ سفر کرتے گزاری ہے''---مولوی صاحب خاصے جلال میں دکھائی دے رہے تھے۔

''چپ کر جاؤ مولوی صاحب خدا کا خوف کرو۔ یہاں عورتیں اور بچے بھی موجود ہیں۔ نوجوان نے کوئی غلط بات نہیں کی---ایسی افواہیں پھیلانا یوں بھی جرم ہے۔'' ایک پہلوان نما شخص نے مولوی صاحب کو للکارا۔

''صاحب! سچی بات کہنے کا زمانہ اب نہیں رہا۔ خدا ہمارے حال پر رحم فرمائے۔'' مولوی صاحب کو ایک ہی دھمکی نے ٹھنڈا کر دیا۔

ڈبے میں اب خاموشی چھانے لگی تھی۔

O

اللہ وسایا اور اس کے ساتھی خاموشی سے صورت حال کا جائزہ لے رہے تھے۔ جب اچانک انجن نے وسل دیا۔

یہ گاڑی چلنے کا اشارہ تھا---!! شاید ڈرائیور کو سگنل مل گیا تھا۔

''حوالدار صاحب اجازت دیں تو میں ٹائلٹ میں جانا چاہتا ہوں۔''

ملزم شیر عالم کی طرف سے حوالدار اللہ وسایا کو پہلی باضابطہ درخواست ملی۔

''کوئی بات نہیں یار اس میں ہمیں کیا اعتراض ہوگا بھئی---'' جس سپاہی نے اس کی ہتھکڑی اپنی پیٹی میں اڑس رکھی تھی کچھ مزاحیہ طبیعت کا معلوم ہوتا تھا۔

''اگر برا نہ منائیں تو برائے مہربانی کچھ دیر کے لئے میرا ایک ہاتھ کھول دیں---میرا مطلب ہے۔ طہارت کے لئے''---عالمے نے بڑے ملتجی انداز میں اللہ وسایا کی طرف دیکھا۔

''کھول دے بھئی اس کا ایک ہاتھ کھول دے---میاں ہمارے اختیار میں ہو تو تمہارے دونوں ہاتھ کھول دیں۔ ہم بھی تمہاری طرح بندھے ہوئے ہیں۔ تمہارے ہتھکڑیوں نے باندھ رکھے ہیں اور ہمارے قانون نے''---حوالدار اللہ وسایا نے اس کی طرف ترحم آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''اللہ آپ کو خوش رکھے حوالدار صاحب، آپ بڑے خدا ترس دکھائی دیتے ہیں---حالات ہی انسان کو مجرم یا محافظ بناتے ہیں---سارا قدرت کا کھیل ہے۔ بندہ تو اپنی

مرضی سے ایک قدم نہیں چل سکتا۔''---شیر عالم کی اس بات نے حوالدار اللہ وسایا کو مزید موم کر دیا۔

اس نے ہتھکڑی کا ایک سرا اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا تھا اور دونوں ٹائلٹ کی طرف چل دیئے۔ اس درمیان انجن نے دوسری وسل دے کر رینگنا شروع کر دیا۔

اللہ وسایا ہتھکڑی کا سرا تھامے راستے میں بکھرے سامان اور زمین پر کیڑے مکوڑوں کے طرح لیٹے مسافروں کے درمیان خالی جگہ میں پھونک پھونک کر قدم رکھتا چل رہا تھا۔ مبادا کسی کو ٹھوکر نہ لگے۔ تھرڈ کلاس کے اس ڈبے میں مسافر سامان کی طرح لدے تھے۔ بعض لوگ تو اس پوزیشن میں بیٹھے تھے کہ ان کے لئے پہلو بدلنے کے امکانات بھی باقی دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ حوالدار اللہ وسایا کے بنائے راستے پر قدم جما جما کر رکھتا شیر عالم عرف عالما ڈکیت اس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔

گاڑی آہستہ آہستہ رینگ رہی تھی---جو مسافر اپنی جگہوں سے اٹھ گئے تھے وہ دوبارہ اپنی اپنی جگہ فٹ ہو کر اونگھنے کی کوشش کرنے لگے۔

جب تک حوالدار اللہ وسایا گاڑی کے ٹائلٹ تک پہنچا۔ گاڑی سے بلند ہوتی آواز بدلنے لگی تھی۔ بالکل اس انداز میں جیسے گاڑی نے اب آہستہ آہستہ رفتار پکڑ لی ہو۔

عالمے کے ایک ہاتھ میں لگی ہتھکڑی کا سرا اُس نے لاپرواہی سے پکڑ رکھا تھا اور اب وہ یہ دیکھنے کے لئے کہ اندر کوئی موجود تو نہیں قدرے جھک کر بیت الخلاء کا دروازہ کھولنے لگا۔

اندر کوئی نہیں تھا---!

دروازہ کھول کر اس نے چاہا کہ ایک طرف ہٹ جائے اور عالمے کو راستہ دے دے کہ اچانک اس کے قدم زمین سے اکھڑ گئے۔ عالمے نے اس کی کمر پر اتنی طاقت سے ہاتھ مارا تھا کہ حوالدار اللہ وسایا سیدھا بیت الخلاء کے اندر جا گرا۔ ہتھکڑی کا ایک سرا جو اس نے تھام رکھا تھا اس کے ہاتھ سے گرنے سے پہلے ہی نکل چکا تھا۔ کیونکہ عالمے نے ایک ہاتھ سے اسے دھکیلا تھا اور دوسرے ہاتھ سے ہتھکڑی کو زوردار جھٹکا مارا تھا۔ اللہ وسایا کے تو وہم و گمان میں یہ بات نہیں تھی کہ ایسا سیدھا سادا اور قسمت کا مارا مجرم فرار ہونے کی کوشش بھی کرے گا۔ اسی لئے شاید وہ اس حملے کے لئے ذہنی طور پر تیار نہیں تھا۔

اس کا سر بیت الخلاء کی دیوار سے ٹکرایا اور ایک پاؤں کموڈ میں پھنس گیا---!

عالمے نے بجلی کی سی پھرتی سے دروازے کو باہر سے کنڈی لگادی تھی---!

یہ حادثہ چند سیکنڈ میں بیت گیا۔

شاید کسی کی نظر بھی اس طرف نہیں گئی تھی کیونکہ بیت الخلاء ڈبے کے دروازے سے ملحق تھا اور اس طرف سوائے ایک دو بھاری ٹرنکوں کے اور کچھ نہیں پڑا تھا---مسافروں کو تو اس حادثے کا علم اس وقت ہوا جب عالمے نے اچانک دروازہ کھول کر ہتھکڑی سمیت باہر چھلانگ لگادی تھی۔

گاڑی نے ابھی سپیڈ پکڑنی شروع کی تھی۔

بکے بکے مسافروں نے بمشکل اپنے کپڑے بھگونے کے بعد دروازہ بند کیا اور حوالدار اللہ وسایا کے ساتھیوں کو چیخ چلا کر اپنی طرف متوجہ کیا۔

سپاہیوں نے بمشکل راستہ بنا کر بیت الخلاء کا دروازہ کھولا۔اندر کا منظر ان کے لئے بہت تکلیف دہ تھا۔حوالدار اللہ وسایا کا ایک پاؤں کموڈ میں پھنسا تھا اور اس کے سر سے خون جاری تھا۔

بعد از خرابی بسیار انہوں نے اللہ وسایا کو باہر نکالا۔

گاڑی نے اس درمیان رفتار پکڑ لی اور ہوا سے باتیں کرنی شروع کر دی تھیں۔

حوالدار اللہ وسایا کے لئے تو یہ حادثہ جانکاہ تھا۔لیکن اس کے حواس ٹھکانے تھے---اس بات کا اسے شدت سے احساس تھا کہ یہ سب کچھ اس کی نرم پالیسی کا نتیجہ ہے جبکہ انسپکٹر محمد خاں نے دم رخصت اس سے کہہ دیا تھا کہ ملزم خطرناک ہے---!!

''زنجیر، کھینچ کر گاڑی روکو---کم بختو میری طرف کیا دیکھ رہے ہو؟'' اس نے اپنے ماتحتوں کو صورت حال کی نزاکت کا احساس دلانا چاہا جن کے ہاتھ پاؤں اس اچانک پیش آنے والے واقعے نے پھلا دیئے تھے۔

یہاں نزدیک کوئی خطرے کی زنجیر نصب نہیں تھی۔ بیت الخلاء کے نزدیک کھڑے مسافروں کے دہائی دینے پر بمشکل ایک مسافر نے ہمت کر کے اپنے سر پر موجود زنجیر کھینچ دی۔

ٹرین نے مکمل رفتار پکڑ لی تھی۔رُکتے رُکتے اس نے پانچ چھ میل کا مزید فاصلہ طے کر لیا ہوگا۔

حوالدار اللہ وسایا نے اندازہ کر لیا تھا کہ عالمے نے یہاں سے کم از کم دس میل پیچھے چھلانگ لگائی تھی۔

ٹرین رُک گئی---!لیکن کسی کو دروازہ کھولنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔بارش نے تو جیسے نہ تھمنے کی قسم کھائی تھی۔حوالدار اللہ وسایا کے ساتھیوں کو سب سے زیادہ فکر اس کے سر سے بہتے خون کی تھی اور وہ جلد از جلد اس کے لئے ابتدائی طبی امداد چاہتے تھے۔اس کے برعکس حوالدار اللہ وسایا کو صرف ایک ہی فکر کھائے جا رہی تھی کہ اس کی طویل ملازمت کے دوران زندگی میں پہلی مرتبہ کسی مجرم کے ہاتھوں اسے اس بُری طرح زک پہنچی تھی---!

جسم سے اٹھتی درد کی لہروں اور دل و دماغ سے اٹھتے غصے اور بے بسی کے احساسات کے ساتھ اس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔لیکن دوسرے ہی لمحے مسافروں نے گالیاں بکتے ہوئے دروازہ بند کر دیا---!

اس درمیان حوالدار اور اس کے ساتھیوں کے علاوہ یہاں کھڑے قریباً سب ہی مسافروں کے کپڑے بارش سے بھیگ گئے تھے۔زوردار پانی سے لبریز ہواؤں نے ڈبے کے اس حصے کو خاصا گیلا کر دیا تھا۔

''ذرا صبر کر لیں حوالدار صاحب اس سے آدھی پھرتی اگر آپ نے پہلے دکھائی ہوتی تو شاید یہ حادثہ پیش نہ آتا''---ایک دل جلے مسافر نے جس کے کپڑوں سے پانی نچڑ رہا تھا دل کے پھپھولے پھوڑے۔

''ان لوگوں کو ہوش ہمیشہ بعد میں آتی ہے---عموماً واردات کے بعد ہی ہماری بہادر پولیس موقع واردات پر پہنچتی ہے''---ایک اور مسافر نے پھبتی کسی۔''خاموش! خبردار اگر کسی نے بکواس کی'' حوالدار اللہ وسایا کے ایک ساتھی کو غصہ آ گیا۔

''ابے زبان سنبھال کر بات کر۔ہم کوئی چور اچکے نہیں۔شریف شہری ہیں۔'' پان کی گلوری منہ میں دبائے ایک بزرگ نے کہا۔

اس کے ساتھ ہی مسافروں اور پولیس والوں کے درمیان ٹھن گئی۔

جب تک ٹرین کا گارڈ اور ٹرین میں موجود ریلوے پولیس کے چار جوان اس ڈبے میں پہنچتے جہاں سے خطرے کی زنجیر کھینچی گئی تھی۔سارا ڈبہ گالی گلوچ کی آوازوں سے گونجنے لگا تھا۔

پولیس والے اگر کسی مسافر کو ایک گالی دیتے تو جواب میں وہ دس گالیاں دیتا۔جب تک ریلوے گارڈ اور پولیس کے جوانوں نے اس زبانی جنگ کو روکا صورت حال خاصی گھمبیر ہو چکی

تھی۔ڈبے کے باہر بارش کا طوفان تھا اور ڈبے کے اندر عوامی جوش کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر---!

ریلوے پولیس والوں کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اپنے پیٹی بند بھائیوں کی مدد کس طرح کریں؟

یہ بات تو ان کی سمجھ میں آ چکی تھی کہ کوئی خطرناک ملزم پولیس کو ہاتھ دکھا گیا ہے۔لیکن پولیس اور مسافروں کے درمیان گالی گلوچ کیوں ہو رہا ہے؟ ابھی تک انہیں اس بات کی سمجھ نہیں آتی تھی۔

دس منٹ کی مسلسل منت سماجت اور دھمکیوں کے بعد پولیس والوں نے معاملہ ٹھنڈا کیا۔

اب ایک نئی مصیبت کھڑی ہو گئی تھی۔حوالدار اللہ وسایا اسی وقت گاڑی روک کر نزدیکی مقام سے مقامی پولیس کو مجرم عالمے کے فرار کی خبر دینا چاہتا تھا جبکہ گاڑی کے مسافر مزید ایک لمحہ کے گاڑی کا یہاں ٹھہرنا برداشت نہیں کر سکتے تھے۔گاڑی میں کوئی وائرلیس نہیں تھا کہ مقامی پولیس یا ذمہ داروں تک اس حادثہ کی اطلاع پہنچ سکتی۔

بالآخر بات اس طرح ختم ہوئی کہ ریلوے پولیس نے ضابطے کی کارروائی پوری کرنے کے لئے رپٹ درج کی اور اللہ وسایا کو طبی امداد بہم پہنچا کر اس طفل تسلی کے بعد گاڑی چلائی کہ یہاں سے نزدیک ہی قریباً پانچ چھ میل دور ایک سٹیشن پر گاڑی کا سٹاپ ہے جہاں سے انہیں وائرلیس یا ٹیلی فون کی سہولت میسر آ جائے گی۔

اس کارروائی میں آدھا گھنٹہ مزید ضائع ہو گیا---

پہلے تو جوش غضب میں حوالدار اللہ وسایا کو اس بات کا احساس نہ ہو سکا کہ اس کو چوٹ بھی لگی ہے۔اب ذرا صورت حال نارمل ہوئی تو اس کے سر سے درد کی ٹیسیں پٹھوں اور کمر کی طرف سفر کرنے لگیں۔

اگلا سٹیشن آنے تک اس کا جسم دکھتا ہوا پھوڑا بن گیا تھا---! ستم ظریفی حالات بُری طرح اس کے آڑے آ رہی تھی، رات دوپہر گزر چکی تھی---!

بارش اب قدرے تھم گئی تھی لیکن ختم نہیں ہوئی تھی۔اس کے ہاتھوں سے ایک خطرناک مجرم کو نکلے قریباً پون گھنٹہ ہونے کو آ رہا تھا اور ابھی تک وہ لوگ مجرم کے فرار کی اطلاع بھی مقامی پولیس کو نہیں دے سکتے تھے۔

موسم کی سختی بُری طرح آڑے آ رہی تھی۔حوالدار اللہ وسایا اور اس کے ساتھی قطعاً اس پوزیشن میں نہیں تھے کہ شیر عالم کا تعاقب کر سکتے---!!

حوالدار اللہ وسایا کو زندگی میں جتنا غصہ آج اپنے محکمے کی بے سروسامانی اور اپنی بے بسی پر آیا تھا اس سے پہلے کبھی نہیں آیا تھا---!!

یہ معمولی سا سٹیشن تھا--- جہاں دور دور تک کوئی مدد میسر آنے کے امکانات دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

ٹرین کے مسافر الگ عذاب بنے ہوئے تھے۔انہیں قانونی ضابطوں سے کیا لینا دینا۔انہیں اس بات سے بھی کوئی تعلق نہیں تھا کہ ایک خطرناک مجرم فرار ہو گیا ہے۔انہیں تو جلد از جلد اپنی منزل پر پہنچنے کی فکر کھائے جا رہی تھی۔

بادل نخواستہ حوالدار اللہ وسایا نے وہیں رکنے اور مدد میسر آنے تک خود کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑنے کا فیصلہ کیا تھا۔

ٹرین اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئی۔

بارش تھم گئی---!!

اللہ وسایا نے شدید تکلیف کی حالت میں علی الصبح ایک ٹانگے کے ذریعے مقامی پولیس سٹیشن کا رُخ کیا۔یہاں سے انہوں نے پندرہ بیس منٹ کے بعد ٹیلی فون کی لائن پر اعلیٰ حکام کو اس حادثے کی خبر دی۔

حوالدار اللہ وسایا اب نڈھال ہو کر مقامی تھانے ہی کے بینچ پر لیٹ گیا۔اسے تیز بخار نے آ لیا تھا اور اب مقامی پولیس کے جوان اس کو ہسپتال پہنچانے کے لئے تھانے کی واحد جیپ کو سٹارٹ کرنے کی کوشش کر رہے تھے جس کی بیٹری جانے کب سے ڈاؤن تھی اور اب وہ دھکے سے کام چلا رہے تھے۔

O

شیر عالمنے جب گاڑی سے چھلانگ لگائی تھی تو اس کی رفتار بہت آہستہ تھی۔اس کی مزید خوش قسمتی کہ وہ گرا بھی گیلی اور قدرے ریتلی زمین پر تھا۔یہ صورت حال اس کے لئے گھبرا دینے والی نہیں تھی۔اس کی زندگی ایسے انوکھے اور جان لیوا واقعات سے لبریز تھی۔اس نے اپنی مختصر مجرمانہ زندگی میں پولیس کو نچا کر رکھ دیا تھا۔

اس کے لئے کوئی صورت حال کبھی غیر یقینی نہیں رہی تھی۔موت کے منہ میں وہ اتنی مرتبہ

گیا اور موت کی سرحد کو چھو کر اتنی مرتبہ واپس لوٹا تھا کہ اب اس کے لئے زندگی اور موت کا مفہوم ہی بدل کر رہ گیا تھا۔ نہ اسے جینے کا شوق رہا تھا---نہ موت کا ڈر---!!

وہ گزشتہ تین ماہ سے جیل میں بند تھا---!! اس درمیان میں اس نے اپنی زندگی کا صرف ایک ہی مقصد بنا لیا تھا۔ اس کا ایک ہی ٹارگٹ تھا۔ نورے کا قتل---!! پھیکو وال کے نمبردار چوہدری نوردین نے اس کے ساتھ غداری کی تھی۔ اس کی آستین کا سانپ بن کر اسے ڈسا تھا۔ اس کا برابر کا حصہ دار ہونے کے باوجود اس کو مخبری کر کے پکڑوا دیا تھا اور سارے مال پر قبضہ جما کر اب گلچھرے اڑا رہا تھا۔ اسے رہ رہ کر بشیرے کی یاد آ رہی تھی۔ بشیرے نے اس روز جب دونوں آخری مرتبہ اکٹھے ہوئے تھے۔ شیر عالم سے کہا تھا۔

''عالمے! ذرا بچ کے چلنا--- مجھے نورے کی آنکھ میں سور کا بال نظر آ رہا ہے۔ عالمے میری ساری زندگی باڈر کے آر پار آتے جاتے گزری ہے--- میں میلوں دور سے قدموں کی چاپ سن لیتا ہوں--- میں نے تلوار کی دھار پر سفر کیا ہے۔ مجھے یہ بندہ مشکوک لگتا ہے''

لیکن اس نے اپنے دیرینہ ساتھی بشیرے کی بات کو ہنس کو ٹال دیا تھا ''بس یار جانے دے، تجھے تو اب جھاڑی بھی سانپ دکھائی دینے لگی ہے'' اس نے بشیرے کو مطمئن کرنا چاہا۔

''نہیں عالمے--- میرا دل نہیں مانتا''--- بشیرا سنجیدہ رہا۔

''بشیرے تیرا دماغ چل گیا ہے کیا؟'' عالمے نے قدرے غصے سے کہا۔

''عالمے! میں بحث نہیں کرتا۔ تیرے ساتھ پرانا یارانہ ہے۔ بشیرے نے زندگی میں آج تک اپنے دل و دماغ کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہیں کیا لیکن تیری یاری کی خاطر آج اپنی مرضی کے خلاف تیرے ساتھ چل رہا ہوں---''

بشیرے نے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا۔

بشیر نے جو کہا تھا حرف بحرف سچ ثابت ہوا۔

O

عالمے کو اچھی طرح یاد تھا---!

اس روز جب وہ اپنے محفوظ ٹھکانے سے حسب معمول سرحد کی طرف جا رہے تھے۔ ایک سونے کی جیکٹ عالمے نے اور دوسری بشیرے نے پہن رکھی تھی۔ معمول کے مطابق عالما مطمئن تھا

کہ نورے نے ''ناکہ'' دیا ہوا ہے اور رینجرز اسے کچھ نہیں کہیں گے۔ جہاں تک مقامی پولیس کا تعلق تھا وہ تو اس کے پانڈیوں کی طرح اس کے ساتھ چلا کرتی تھی۔

دونوں شام کے ملگجے اندھیرے میں گھر سے نکلے تھے اور معمول کے راستے پر سفر کر رہے تھے۔ عموماً وہ اس راستے پر سرحد تک جایا کرتے تھے۔ محفوظ رستہ ''ناکہ دینے'' کے بعد متعلقہ حکام بتایا کرتے تھے۔ سمگلنگ کے لئے عالمے نے بڑا آسان اور محفوظ راستہ اپنایا تھا۔ اس نے اپنی زندگی کے دس سال انٹیلی جنس کی خدمت کی تھی۔ اس درمیان درجنوں مرتبہ وہ سرحد کے آر پار آیا گیا تھا۔ اسے سرحد کا کیڑا سمجھا جاتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ سمگلنگ کا سب سے محفوظ طریقہ کون سا ہے۔ دونوں طرف سے سمگلنگ کرنے والی پارٹیاں اپنی اپنی سرحد پر موجود سرحدی پہرے داروں کو خرید لیا کرتی تھیں اور سرحد پر ہی کسی محفوظ مقام پر اپنے مال کا آپس میں تبادلہ کر لیا کرتے تھے---!!

نورے کے ساتھ اس کا تعارف بھارت میں ہوا تھا۔ جس کے بعد سے انہوں نے آپس میں مل کر کام کرنا شروع کیا تھا کیونکہ اس علاقے میں نورے کا اچھا اثر و رسوخ تھا اور مقامی بدمعاش اس کا دم بھرتے تھے۔ سرکار دربار میں اس کا آنا جانا لگا رہتا تھا---!!

اس لئے مقامی سیاست میں چوہدری نوردین کا کردار کوئی نظر انداز نہیں کر سکتا تھا---!! سیاست اور پولیس پر اس کا خاصا ہولڈ تھا۔ یوں بھی عالمے کو اب کسی موٹی پارٹی کی تلاش تھی۔ وہ بھی روز روز کے چکروں سے تنگ آ گیا تھا اور اب کوئی لمبا ہاتھ مارنے کی فکر کر رہا تھا۔ نورے نے اس مرتبہ ان کے ساتھ سونے کی سمگلنگ میں حصہ ڈالا تھا۔ ایک ہی چکر میں ان کے وارے نیارے ہو جاتے۔ ابھی عالما اور بشیر سرحد سے دور ہی تھے جب اچانک ''ہینڈز اَپ'' کی آوازوں نے انہیں چونکا دیا۔

''دھوکہ''--- شیر عالم کے ذہن نے چیخ کر کہا۔

دونوں نے بے بسی سے ہاتھ اٹھا دیئے تھے۔ کئی ٹارچوں کی روشنیاں ان کی طرف لپک رہی تھیں۔

رائفلیں تانے رینجرز کے جوان ان کی طرف بڑھ رہے تھے۔

''میں نے کہا تھا نا۔ عالمے کہ نورے کی آنکھ میں سور کا بال ہے---''

اس کی بات ابھی مکمل نہ ہوئی تھی کہ اچانک تین چار رائفلوں کے دہانوں نے شعلے اگلے اور بشیرے کو اگلا سانس لینے کی مہلت نصیب نہ ہوئی۔

عالما سہم کر رہ گیا---!

اس نے زندگی میں پہلی مرتبہ چند لمحے کے لئے موت کا خوف محسوس کیا تھا جس میں بے بسی کا عنصر نمایاں تھا۔

یہ بات تو وہ جان گیا تھا کہ نورے نے انہیں ڈسا ہے۔لیکن---اگر ان لوگوں نے اس کے ساتھ بھی بشیرے والا سلوک کیا تو وہ نورے سے انتقام کی حسرت ہی دل میں لے کر مر جائے گا۔

O

بشیرا اس کا جانثار ساتھی تھا---

دونوں نے زندگی کے بڑے اور اچھے دن اکٹھے گزارے تھے۔ بھارت کی جیل میں جب اس کی ملاقات بشیرے سے ہوئی تو اس کی طرح بشیرے پر بھی جاسوسی کا مقدمہ بنا ہوا تھا---! جس طرح وہ پاکستان انٹیلی جنس کے لئے کام کرتا تھا۔اسی طرح بشیرا بھی کرتا تھا۔حسن اتفاق تھا کہ دونوں قریباً ایک ہی علاقے سے سرحد عبور کیا کرتے تھے۔لیکن الگ الگ ایجنسیوں سے منسلک ہونے کی وجہ سے آج تک دونوں کا ایک دوسرے سے آمنا سامنا بھی نہیں ہوا تھا۔

بشیرا عمر میں اس سے دس بارہ سال بڑا تھا جبکہ شیر عالم اس سے زیادہ پڑھا لکھا تھا۔بشیر نے بمشکل میٹرک پاس کیا تھا جبکہ شیر عالم نے گریجوایشن کر رکھی تھی---!!

دونوں ایک ہی جیل میں اکٹھے ہوئے تھے اور دوسرے پاکستانی قیدیوں کے برعکس ایک دوسرے کے لئے نیک جذبات رکھتے تھے۔

دو مہینے تک دونوں ایک دوسرے کے ساتھ اپنے تجربات شیئر کرتے رہے---شیر عالم نے بشیرے کے لئے اپنے دل میں پہلی مرتبہ محبت کے ساتھ ساتھ عقیدت کے جذبات بھی محسوس کئے تھے۔بشیرے نے پاکستان انٹیلی جنس کے لئے بہت کام کیا تھا اور ملکی سلامتی کے لئے بڑے بڑے خطرات سے کھیلا تھا۔دونوں نے ایک روز یہاں سے فرار ہونے کے امکانات پر بھی غور کرنا شروع کر دیا تھا۔اس جیل میں پاکستانی قیدیوں پر خصوصاً وہ قیدی جن کے خلاف جاسوسی کے مقدمات درج تھے بطور خاص نظر رکھی جاتی تھی۔کافی عرصہ تک دونوں نے مختلف فرار کی ترکیبوں کا جائزہ لیا لیکن یہاں نہ تو وہ سرنگ کھود سکتے تھے اور نہ ہی کسی کی آنکھوں میں دھول جھونک سکتے تھے۔

دونوں کے جیل سے باہر مقامی دوست موجود تھے لیکن دونوں اس حقیقت سے آگاہ تھے

کہ وہ ایک حد تک ہی ان کی مدد کر سکتے تھے۔یہ لوگ ان کے لئے تھوڑے بہت پیسوں کا بندوبست کر سکتے تھے یا پھر انہیں کھانے پینے کی چیزیں پہنچا سکتے تھے۔

جیل میں ان کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر رکھا جاتا تھا اور جب وہ تاریخ بھگتنے کے لئے عدالت میں جاتے تو ان کے دونوں ہاتھوں میں ہتھکڑیاں بھی لگائی جاتی تھیں---!!

ان ہتھکڑیوں کو کھولنے کی ترکیب دونوں کو معلوم تھی---!! لیکن دونوں جانتے تھے کہ ہتھکڑیوں سے زیادہ عذاب ناک یہ پاؤں کی بیڑیاں تھیں جنہیں کاٹنا کارے وارد تھا۔

جب تک پاؤں کی بیڑیاں کٹتیں پولیس ان تک پہنچ جاتی---!

صرف ایک موقعہ ایسا تھا کہ جب ان کے پاؤں بیڑیوں سے بے نیاز کر دیئے جاتے تھے۔یہ وہ وقت تھا جب وہ کسی مقدمے میں سزایافتہ ہونے کے بعد حوالاتی سے سزایافتہ مجرم کی شکل میں کسی دوسری جیل کو منتقل کئے جاتے تھے اور یہ جیل عموماً کوئی سنٹرل جیل ہوتی تھی جہاں ان کا چالان پولیس گارڈ لے کر جاتی تھی۔طویل سفر کی وجہ سے ایک جیل سے دوسری جیل تک پہنچنے تک ان کے پاؤں سے بیڑیاں اتار لی جاتی تھیں۔

صرف ان قیدیوں کو بیڑیاں پہنائی جاتی تھیں جنہیں جیل کے قوانین کے مطابق خطرناک قیدی سمجھا جاتا تھا اور جیل حکام کو ان کے فرار کا خطرہ درپیش رہتا تھا۔

اس زمرے میں عموماً وہ قیدی آتے تھے جو ایک آدھ مرتبہ اس سے پہلے فرار ہونے کی کوشش کر چکے ہوں۔دونوں کا چال چلن جیل میں خاصا شریفانہ تھا۔

دونوں نے اپنے طرز عمل سے جیل حکام کو یقین دلا دیا تھا کہ ان پر جاسوسی کے جھوٹے مقدمات درج کئے گئے ہیں۔وہ صرف سمگلنگ کرتے ہیں۔یہ الگ بات ہے۔چار جماعتیں پڑھنے کی وجہ سے ان پر یہ الزام لگ گیا ہے---!!

دونوں نے بالآخر سزایافتہ ہو کر اس جیل سے دوسری جیل میں تبادلے کے دوران قسمت آزمائی کا فیصلہ کیا تھا۔

O

اس روز جب بشیرا اپنی تاریخ بھگتنے کے لئے کچہری میں گیا تو اچانک ہی اسے گورمیل سنگھ نظر آ گیا۔گورمیل سنگھ اس کی جیل کے ایک دوسرے سکھ ملزم کے مقدمے کی پیروی کر رہا تھا جو

گورمیل کا نزدیکی رشتہ دار تھا۔ گورمیل سنگھ بشیرے کا پرانا ساتھی تھا۔

بشیرے نے اسے پاکستانی انٹیلی جنس کے لئے کام پر رضامند کیا تھا۔ سابقہ فوجی حوالدار ہونے کے ناطے گورمیل سنگھ پاکستانی انٹیلی جنس کے لئے کام کا آدمی تھا---اس نے بشیرے کے ساتھ مل کر سمگلنگ کی آڑ میں جاسوسی کا دھندہ شروع کر رکھا تھا---!!

ایک آدھ سرکاری کاغذ یا فوجی نقل وحرکت کی اطلاع کے عوض اسے پاکستانی علاقے میں محفوظ سفر کی اجازت مل جایا کرتی تھی۔ یہ کام اس کے بہت سے بھائی بند کر رہے تھے۔ اس لئے گورمیل نے بھی اسی میں کوئی جھجک محسوس نہ کی۔

پاکستانی انٹیلی جنس کے لئے اطلاعات جمع کرنے میں اسے کمال حاصل تھا۔ یہ اطلاعات عموماً بشیرے کے ذریعے ہی پاکستان منتقل ہوا کرتی تھیں۔ بشیرے نے اس کے عوض اسے دوسری بہت سی سہولیات دلا دی تھیں۔

آج جب اچانک اس کی نظر گورمیل سنگھ پر پڑی تو بشیرے کے لئے بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا---!

پولیس گارد کے لوگ ملزموں سے بے خبر ایک کونے میں بیٹھے اس ''من وسلویٰ'' پر ٹوٹے ہوئے تھے جو ملزموں کے لواحقین ان کے لئے لایا کرتے تھے---!!

گورمیل سنگھ نے اس کے ساتھ نظریں ملتے ہی آنکھ دبا دی۔

بشیرا اس کی بات سمجھ گیا تھا۔ لیکن وہ شکار اور موقعہ ہاتھ سے گنوانا نہیں چاہتا تھا۔

گورمیل سنگھ بظاہر اپنے رشتہ دار سے باتیں کرتا اس کے نزدیک آ گیا تھا۔ یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔ پاکستانی ملزمان جہاں بھی تاریخ بھگتنے کے لئے جاتے ان کے ساتھ پیشی بھگتنے کے لئے جانے والے مقامی ملزمان کے لواحقین جو عدالت کے احاطے میں اپنے پیاروں کے منتظر ہوتے اپنے عزیزوں سے بڑھ کر پاکستانیوں کی خدمت کیا کرتے تھے۔

یہ بات ان کے دھرم کا حصہ بننے لگی تھی کہ پاکستانی چونکہ پردیسی ہیں اور دشمن کی قید میں ہیں۔ اس لئے ان کی خدمت کرنے سے جو دعا ان مظلوموں کے دل سے نکلے گی۔ وہ ضرور رنگ لائے گی اور ان کے عزیز رشتہ دار ملزموں کے حق میں بہتر ثابت ہوگی۔

گورمیل سنگھ کے وہاں پہنچنے سے پہلے اس کے ایک ساتھی ملزم کی ماں بشیرے کے لئے

چائے اور پکوڑے لے آئی تھی اور اس کے نزدیک بیٹھ کر اس کا حوصلہ بڑھا رہی تھی۔ پھر گورمیل سنگھ کو نزدیک آتے دیکھا کہ وہ اپنے ملزم بیٹے کے پاس جا بیٹھی۔

''گورمیل یہاں! میرے پاس زیادہ وقت نہیں، مجھے اس بات کا علم ہے کہ تجھے میری گرفتاری کی اطلاع مل چکی ہے---اگر میں چاہتا تو آسانی سے تیرا نام دے کر ساری زندگی کے لئے تجھے بھی اپنے ساتھ جیل میں لے آتا۔ لیکن میں نے اپنے یاروں سے غداری کرنا نہیں سیکھا---سیدھی سی بات ہے۔ گورمیل سنگھ یہاں تجھے میرے لئے کچھ چیزوں کا بندوبست کرنا ہوگا۔ میں زیادہ دیر جیل میں نہیں گزارنا چاہتا---اگلی تاریخ پیشی پر میں غیر قانونی سرحد عبور کرنے کا الزام تسلیم کر لوں گا اور مجھے سزا ہو جائے گی۔ جس کے بعد میرا چالان یہاں سے دوسری سنٹرل جیل میں بھیجا جائے گا---میرا ایک ساتھی بھی میرے ساتھ ہے---ہم دونوں کے لئے فرار کا صرف یہی ایک موقعہ ہوگا---گارد جو ہمیں پولیس لائنز سے لے کر جائے گی ہمارے لئے اجنبی ہے---اس کے بعد کا معاملہ تمہیں سنبھالنا ہے---میں تمہیں صرف ایک بات کا یقین دلا سکتا ہوں کہ خدانخواستہ کسی بھر مرحلے پر گرفتاری کی صورت میں میری زبان پر تمہارا نام ہرگز نہیں آئے گا---! اور ہاں---ایک بات کا بطور خاص دھیان رکھنا کہ میں نے تمہیں کنگال سے لکھ پتی بنایا ہے۔ اس لئے نہیں کہ تم گلچھرے اڑاؤ اور میں اپنی ہڈیاں جیل میں چٹخاتا رہوں---گورمیل سنگھ سیہاں تم میرا مطلب سمجھ رہے ہو ناں---'' اس نے سرگوشی میں لگی لپٹی رکھے بغیر گورمیل سنگھ کو سب کچھ بتا دیا۔

''بشیرے ہم یاروں کے یار ہیں---قسم گوروکی۔ میرے علم میں تمہاری گرفتاری ہی چند روز پہلے آئی ہے---میں دہلی گیا ہوا تھا۔ وہ تو جیتے نے مجھے بتایا وہ پار گیا تھا جہاں سے اسے چوہدریوں نے تمہاری گرفتاری کے متعلق بتایا---تم تگڑے رہو---میں تمہارے ساتھ ہوں۔ جس طرح کی مدد چاہو گے ہوگی---'' گورمیل سنگھ نے اسے تسلی دی۔

بشیرا جانتا تھا کہ گورمیل سنگھ اتنا سیدھا سادا بھی نہیں کہ اس طرح اس کی مدد کو تیار ہو جاتا اس کی گفتگو کے آخری فقرے نے کام دکھایا تھا۔

اس نے گورمیل سنگھ کو بتا دیا تھا کہ اگر اس نے بشیرے کی مدد نہ کی تو پھر وہ بھی بشیرے کے ساتھ ہی جاسوسی کے الزام میں قید کاٹے گا---

بشیرا جانتا تھا کہ وہ مر بھی جائے تو بھی کسی ایسے شخص کا نام اس کی زبان پر نہیں آئے گا جو پاکستانی انٹیلی جنس کے لئے کام کر رہا ہو لیکن مرتا کیا نہ کرتا کہ مصداق اس کے لئے گورمیل سنگھ کو ایسا تاثر دینا ضروری تھا۔ بصورت دیگر وہ شاید اتنی سنجیدگی سے اس کی ہاں میں ہاں نہ ملاتا---!!

دوسری طرف گورمیل سنگھ آج اپنے رشتہ دار کی ملاقات کو آنے کے اپنے فیصلے پر لعنت ملامت کر رہا تھا۔

اگر اسے علم ہوتا کہ وہاں بشیرا موجود ہے تو شاید وہ بھول کر بھی ادھر کا رُخ نہ کرتا۔ اس نے تو بشیرے کی گرفتاری کے بعد نہ صرف اپنا ٹھکانہ بدل لیا تھا بلکہ اپنا دھندہ بھی بدل لیا تھا اور اب بظاہر شہر کے ایک ماڈرن علاقے میں اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ ایک رئیس آدمی کی زندگی گزار رہا تھا---!!! اب اس کے لئے فرار کی کوئی راہ نہیں بچی تھی---!

جس نوجوان کی ملاقات کے لئے وہ آیا تھا وہ گورمیل سنگھ کا سالا تھا۔ جس کے ذریعے بھارتی انٹیلی جنس بہرصورت اس تک پہنچ جاتی۔ اب وہ کتنے ہی ٹھکانے بدل لیتا لیکن ایک مرتبہ اگر بشیرا اس کے متعلق انٹیلی جنس کو باخبر کر دیتا تو وہ لوگ گورمیل سنگھ کے سالے کی مدد سے اسے زمین کی ساتویں تہہ سے بھی باہر نکال لاتے---!

گورمیل سنگھ نے واقعی بشیرے کی مدد سے لاکھوں روپے کمائے تھے---

اب یہ لاکھوں روپے کروڑوں میں منتقل ہوتے جا رہے تھے---!

اس کے لئے اس مصیبت سے چھٹکارے کی صرف ایک ہی راہ تھی کہ جس طرح بھی ممکن ہے۔ بشیرے کو فرار کروایا جائے۔

''پرسوں جیل سے پولیس جن ملزموں کو تاریخ پیشی بھگتانے کے لئے لا رہی ہے۔ ان میں میرا ساتھی عالما بھی شامل ہے---اسی جگہ اس سے ملاقات کر لینا۔ وہ تمہیں سارا منصوبہ سمجھا دے گا۔ جس پر عمل کرنا تمہاری ذمہ داری ہے---مجھے امید ہے کہ ہم ماضی کی طرح مستقبل میں بھی اچھے دوست ثابت ہوں گے''---

''تم بے فکر ہو جاؤ بشیرے! اب یہ میری ذمہ داری ہے۔''---

اتنا کہتے ہوئے اس نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر جتنے نوٹ بھی اس کے ہاتھ میں آئے بشیرے کو تھما دیئے تھے جو بشیرے نے بڑی اطمینان سے اپنی قمیض کے نیچے پہنی بنیان کی خفیہ

جیب میں منتقل کر لئے تھے۔

یہ ان کی نارمل پریکٹس تھی---

جیل کی ڈیوڑھی میں ان کی تلاشی نہیں ہوتی تھی۔ جیل حکام کو علم تھا کہ ان پر رحم کھا کر لوگ دو چار روپے یا بیڑیوں کے دو چار بنڈل انہیں دے جاتے ہیں۔

O

بشیرے نے اسی روز مجسٹریٹ کے سامنے غیر قانونی سرحد عبور کرنے کا الزام تسلیم کر لیا۔

اسے ایک سال قید کی سزا کا حکم سنا دیا گیا---!

جیل میں پہنچ کر اس نے ساری رام کہانی شیر عالم کو سنا دی۔

''ویل ڈن'' شیر عالم کے منہ سے بے ساختہ نکلا ''بڑا معرکہ مارا ہے یار! میرے خیال سے قدرت کو بھی ہماری حالت پر رحم آ ہی گیا ہے اور وہ بھی ہماری مدد کرنے پر تیار ہے''۔

کیوں نہیں---کیوں نہیں---عالمے! اب انشاءاللہ جلدی ہم آزاد فضاؤں میں اپنے پاکستان میں ایک دوسرے سے ملیں گے۔ اگلا سارا دن دونوں مختلف منصوبوں پر غور کرتے رہے۔ انہیں کوئی ایسی ترکیب نکالنی تھی جس سے وہ گورمیل سنگھ کو استعمال کر کے اپنے حق میں بہتر نتائج حاصل کر سکیں---

دونوں چونکہ ایک ہی جیل میں بند تھے۔ اس لئے رات بھی ان کی اپنی ہی تھی۔ رات دیر گئے تک دونوں مختلف تجاویز ایک دوسرے کو پیش کرنے کے بعد اس کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لے کر انہیں رد کرتے رہے۔ پھر دونوں کی آنکھ لگ گئی۔ یوں بھی اب رات کا پہرہ بدلنے والا تھا اور نئے آنے والے پہرے داروں نے معمول کے مطابق قیدیوں کی گنتی کرنی تھی۔ جس کے لئے انہوں نے یہاں آ کر صورتحال کا جائزہ لیا تھا---!

عین ممکن تھا کہ اتنی رات گئے تک دونوں کو جاگتے دیکھ کر انہیں کوئی شک گزرتا جس کے بعد انہیں علیحدہ علیحدہ بند کر دیا جاتا۔

دشمن سے زیادہ انہیں اپنے بزدل ساتھیوں سے ہوشیار رہنا تھا۔ ذرا سی بھنک بھی اگر ان کے منصوبے کی ان کے ساتھیوں کے کانوں میں پڑ جاتی تو ان کے لئے ایک نیا عذاب کھڑا ہو جاتا......

دن کے اوقات بھی انہوں نے نارمل گزارے سہ پہر کے بعد انہیں معمول کے مطابق پھر سیلوں میں بند کر دیا گیا۔

مغرب کی نماز دونوں نے اپنے سیل میں اکٹھے ادا کی جس کے بعد دونوں بالآخر ایک منصوبے پر متفق ہو گئے۔ وہ رات بھارتی جیل میں ان کے لئے سکون کی پہلی رات تھی۔ دونوں ساری رات خدا کے حضور گڑگڑا کر اپنے گناہوں کی معافی اور مقصد میں کامیابی کی دعائیں مانگتے رہے۔

علی الصبح جب جیل کے لنگر سے ان کے لئے کھانا آیا تو شیر عالم کو بتا دیا گیا کہ آج اس کی تاریخ پیشی ہے وہ تیاری کر لے---! اس مرتبہ جو گارد انہیں لینے آئی تھی ان کے ساتھ پہلے تعارف ہی میں شیر عالم نے خود کو سونے کا سمگلر بتایا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ بھارتی پنجاب پولیس کے جوان سمگلروں کی بہت عزت کرتے ہیں۔

آج وہ جان بوجھ کر گارد کے ایک ایک سپاہی کو الگ الگ اپنی گرفتاری کی من گھڑت کہانی سنا رہا تھا۔ جس میں بنیادی بات یہی تھی کہ اس کا دس کلو سونا، ہضم کرنے کے لئے بارڈر سیکورٹی فورس (بی ایس ایف) نے اس پر جاسوسی کا الزام لگا دیا۔

''ویر جی! وہ تو قسمت اچھی تھی شاید ابھی چند روز کی زندگی باقی تھی کہ مجھے گولی مارنے کی طرف ان کا خیال نہیں گیا۔ ورنہ وہ ثبوت مٹانے کے لئے مجھے جان سے بھی مار سکتے تھے---''

اس نے گارد کے انچارج حوالدار سے کہا۔

''اوئے میاں! تجھے پتہ نہیں۔ سالوں کو اگر علم ہو جائے کہ سمگلر کی گرفتاری کی اطلاع مقامی تھانے کو ہو گئی ہے تو اس کی جان بچ جاتی ہے ورنہ اتنا سونا ہضم کرنے کے بعد وہ تمہیں زندہ چھوڑ سکتے تھے'' --- ایک بوڑھے سپاہی نے کہا۔

''تجربہ بڑی چیز ہے بزرگو! واقعی آپ نے صحیح بات کی۔ تھانے والوں نے مجھے بتایا تھا کہ انہی مجرموں نے میرے گاؤں سے گرفتاری کی اطلاع کر دی تھی---'' عالمے نے ان کی ہاں میں ہاں ملائی۔

''میاں! عدالت کو سونے کی بات بتا دوں۔ سالوں کو آٹے دال کا بھاؤ معلوم پڑ جائے گا'' --- گارد حوالدار نے مشورہ دیا۔

''مہاراج جان سے قیمتی کیا شے ہے--- آپ تو جانتے ہی ہیں کہ اگر میں نے سچ بتا دیا۔ ان کا تو کچھ بگڑے نہ بگڑے میں کم از کم دس سال کی سزا کھا جاؤں گا--- اب بارڈر کراس میں زیادہ سے زیادہ ایک سال ہی سزا ہوگی'' --- عالمے نے کہا۔

''سالے بڑا چالاک ہے تو--- واقعی تو صحیح سمگلر ہے'' --- گارد حوالدار نے گالی دے کر اسے خراج تحسین پیش کیا۔

O

وہ مرحلہ تو گارد حوالدار کے لئے بڑا ہی چونکا دینے والا تھا۔ جب اچانک شیر عالم نے اپنی خفیہ جیب سے سو سو کے دو نوٹ نکال کر اس کی مٹھی میں تھما دیئے۔

''آج رات ہماری طرف سے موج میلہ کرنا مہاراج جی!---'' اس نے آنکھ دباتے ہوئے کہا۔

گارد کے انچارج حوالدار نے ہاتھ ایک طرف کر کے جب چوری چھپے سو سو کے دو نوٹ دیکھے تو اس کی باچھیں کھل گئیں---

''میاں بڑی شے ہو---کوئی سیوا کروانی ہے کیا؟'' اس نے بے تابی سے دونوں نوٹ اپنی جیب میں منتقل کرتے ہوئے کہا۔

اتنی بڑی رشوت اس ڈیوٹی میں اسے آج تک کسی نے نہیں دی تھی---

''بس مہاراج دل ملے کا میلہ ہے--- آپ سے اپنا من لگ گیا ہے--- پردیس میں جو سجن ہمیں معمولی سی سہولت دے۔ ہم اس کے لئے جان بھی دے سکتے ہیں--- حوالدار صاحب یہ دولت تو آنی جانی چیز ہے۔ کہیں آپ سے آزادی میں ملاقات ہوئی ہوتی تو آپ کو پتہ لگتا کہ عالما کیا ہے؟--- مہاراج جی! ہمارا چالان جلدی ہی سنٹرل جیل جانے والا ہے--- آپ کوشش کر کے اپنی ڈیوٹی لگا لینا--- ایسا موج میلہ کروائیں گے کہ یاد رکھو گے، کسی مسلمان سے واسطہ پڑا تھا'' عالمے نے اس کے غبارے میں اچھی طرح ہوا بھر دی۔

حوالدار گیان سنگھ کے دماغ میں رم کی بوتلیں گھومنے لگی تھیں---

پولیس لائنز میں اس کا تبادلہ بطور سزا ہی ہوا تھا۔ اس بات کا علم تو عالمے کو بھی تھا کہ تھانوں سے پولیس لائنز میں عموماً وہی پولیس والے آتے ہیں جن کے خلاف کوئی انکوائری وغیرہ چل رہی

ہو---کیونکہ پولیس لائنز کی ڈیوٹی ان کے لئے عذاب سے کم نہیں ہوتی تھی۔

ملزمان کو تاریخ پر لے جانا اور جیل واپس پہنچانا---ہنگامی مدد کی اپیل پر مقامی پولیس کی مدد کرنا یا پھر ایک ضلع کی جیل سے دوسرے ضلع کی جیل تک قیدیوں کو لانا لے جانا---

اس سارے کھیل میں ان کے لئے کوئی دلچسپی نہیں تھی---!

بس زیادہ سے زیادہ یہی تھا کہ ملزموں کی ملاقات کو آنے والے ان کے لواحقین ہی ان کی تھوڑی بہت سیوا کر دیا کرتے تھے۔ یہ بے چارے پہلے ہی مصیبت کے مارے ہوتے تھے اور مقدمات کی پیروی کرتے کرتے عاجز آ چکے تھے۔ اس لئے ان سے پانچ دس مل جانا ہی پولیس والوں کے لئے غنیمت تھا۔ آج جب حوالدار گیان سنگھ کو اکٹھے دوسو روپے ملے تو اس کی آنکھیں پھٹنے کو آ گئیں، اسے نور پور تھانے کے وہ سنہرے دن یاد آ گئے جب وہ محرر کی ڈیوٹی کیا کرتا تھا۔

O

حوالدار گیان سنگھ کو ایمان کی حد تک اس بات کا یقین ہو چلا تھا کہ عالما ضرور کوئی بڑا سمگلر ہے اور اس کی معمولی سی خدمت کا بھی اسے توقع سے بڑھ کر انعام مل سکتا ہے---!!

یوں بھی اس کی نوکری زیادہ تر سرحدی علاقوں کے تھانوں میں ہی لگا کرتی تھی۔ اگر ایک آدھ پھیرا بھی ایسے لوگوں کا لگوا دیا جائے تو اس کے وارے نیارے ہو سکتے تھے۔ اس کی شدید خواہش تھی کہ شیر عالم جیسی سونے کی مرغی پر قبضہ جمائے رکھے---کبھی نہ کبھی یہ شخص ضرور اس کی قسمت بدل دے گا۔

شیر عالم نے بھی دیکھ لیا تھا کہ تیر عین نشانے پر لگا ہے---کیونکہ دوران سفر حوالدار اس کے ساتھ ہی بیٹھا تھا اور اس نے بطور خاص بس کی اگلی سیٹ اس کے لئے خالی کروائی تھی۔ تمام راستے وہ اسے جعلی خود ساختہ عمر رواں کی کہانیاں سناتا آیا۔ ان کہانیوں کا مرکزی خیال یہ تھا کہ جس پولیس آفیسر نے اس کی مدد کی اس کے وارے نیارے ہو گئے۔ یہ ایک طرح کا گیان سنگھ کے لئے پیغام بھی تھا---!

''حوالدار صاحب! اگر یہاں پولیس کا کوئی کام ہو تو ہمیں ایک مرتبہ ضرور بتا دینا۔ اپنے بندے ابھی زندہ ہیں، جس تھانے میں چاہو تبادلہ کروا دوں گا۔ ہمارا کیا ہے ہم نے تو کسی سجن دوست اشارہ ہی کرنا ہے۔'' اس نے کچہری میں پہنچتے ہی حوالدار کی آتش ہوس بھڑکا دی۔

''میاں ساری زندگی تمہارا تابعدار رہوں گا۔ بس ایک مرتبہ میرا تبادلہ پولیس لائنز سے کروا دو---'' حوالدار گیان سنگھ کی رال ٹپکنے لگی۔

''بس بے فکر ہو جاؤ۔ ہماری صرف ایک ہی شرط ہے کہ اس جیل سے سنٹرل جیل تک جو تین سو میل کا ٹرین کا سفر ہے وہ اچھا کٹ جائے۔ ایک آدھ گھونٹ لگوا دینا---تمہارے وارے نیارے کروا دوں گا---اپنے بندے ساتھ جائیں گے سارے راستے موج میلہ کرتے جانا گیان سیہاں---!''

چلتے چلتے عالمے نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔

''میاں جی! کسی سالے کی یہاں پولیس لائن میں جرأت نہیں کہ اپنی بات ٹالے۔ جس روز بھی آپ کے سمن آئے۔ آپ کا غلام خود گارد انچارج بن کر جائے گا اور بے فکر رہیں اپنے ساتھ بندے بھی اپنے ہی ہوں گے---آپ کہیں تو پورا ڈبہ اپنے لئے ریزرو کروا لیں---ہم بھی یاروں کے یار ہیں---یہ تو کبھی زندگی میں دوبارہ ملاقات ہو گی تو تمہیں علم ہو گا'' حوالدار کے غبارے میں مکمل ہوا بھر گئی تھی۔

اب کسی بھی لمحے یہ بکرا ان کی چھری تلے آنے پر تیار تھا۔

گورمیل سنگھ ان کی آمد سے پہلے ہی اس کا منتظر تھا---

اس نے دور ہی سے عالمے کو پہچان لیا تھا اور جیسے ہی حوالاتی کچہری کی گراؤنڈ میں بیٹھے وہ بہانے سے اسی کے نزدیک آ کر بیٹھ گیا۔

''کیا حال ہے میاں جی!''---اس نے سلسلہ گفتگو شروع کیا۔

''بس مہاراج اپنی قسمت کا کیا دھرا بھگت رہے ہیں'' عالمے نے معصوم لہجے میں کہا۔

گورمیل سنگھ کے ہاتھوں میں سونے کی بھاری انگوٹھیاں اور گلے میں لٹکے سونے کے لاکٹ کے ساتھ بائیں ہاتھ میں سونے کے کڑے نے حوالدار گیان سنگھ کی آنکھیں چندھیا دیں۔ اس نے بظاہر ایک ہمدرد بن کر عالمے اور حوالدار گیان سنگھ کے لئے کھانے کا بندوبست کیا تھا۔ لیکن گیان سنگھ بچہ نہیں تھا۔

اس نے اندازہ کر لیا تھا کہ یہ شخص ان کا ساتھی ہی ہو سکتا ہے۔

وہ بظاہر لاتعلق بنا کھانا کھانے میں مصروف رہا۔ اسی درمیان گورمیل سنگھ اور شیر عالم

باتیں کرتے رہے۔ شیر عالم نے اسے سارے منصوبے سے آگاہ کر دیا تھا---!! گورمیل سنگھ کو اس علاقے میں کوئی نہیں جانتا تھا۔ وہ تو دوسرے شہر سے یہاں منتقل ہوا تھا۔ جو منصوبہ شیر عالم نے اسے سمجھایا تھا۔ اس میں کچھ زیادہ خطرے والی بات نہیں تھی۔ اگر خطرے والی بات ہوتی تو بھی اس کے لئے ''ناں'' کی گنجائش نہیں تھی۔

اسے بہر صورت بشیرے اور اس کے ساتھی کو فرار کروانا تھا۔ ورنہ کسی بھی وقت مصیبت کا پھندہ بشیرے کی گردن سے اتر کر اس کے گلے میں پڑ جاتا۔

اس درمیان گیان سنگھ ان کے نزدیک آ گیا تھا۔

''کوئی سیوا میاں جی!''---اس نے بے شرمی سے دانت نکالے۔

''سنتا سیہاں حوالدار اپنا یار ہے۔ اس کا تبادلہ اس کی مرضی کے مطابق ہونا چاہئے۔ میں نے زبان دے دی ہے''---عالمے نے جان بوجھ کر گورمیل سنگھ کا غلط نام لیا اور اسے آنکھ دبا کر مخصوص اشارہ بھی کیا تھا۔ جس کا مطلب تھا کہ اسی حوالدار نے قربانی کا بکرا بننا ہے۔

''بابیو! بڑے دھن دان ہو۔ بہت بڑی ہستی نے تمہاری سفارش کی ہے۔ ہماری دوبارہ ملاقات ہوگی تو تمہارے سامنے ہی ایس ایس پی کو حکم دے کر تمہاری مرضی کے تھانے میں بھجواؤں گا---بس ہمارے میاں جی کا خیال رکھنا ہے۔ ہماری عزت کا معاملہ ہے۔ پانچ دس ہزار کی پرواہ کرنے والے ہم لوگ نہیں ہیں۔'' گورمیل سنگھ بھی کایاں آدمی تھا۔ آنکھ کا اشارہ اس سے زیادہ کون سمجھ پاتا۔ اس نے رہی سہی کسر پوری کر دی تھی۔

اگر حوالدار گیان سنگھ کا بس چلتا تو ابھی ہتھکڑی کھول کر اسے بھگا دیتا۔

تاریخ بھگتنے کے بعد جیل روانگی کے وقت گورمیل سنگھ نے جہاں اس کی مٹھی میں نوٹ تھمائے تھے۔ وہاں حوالدار کو بھی سو کا نوٹ تھما دیا تھا۔

حوالدار گیان سنگھ کے لئے زندگی کا سب سے شاندار دن آج تھا---!

وہ اپنے پورے محکمے میں اپنی بلانوشی کیلئے شہرت رکھتا تھا---!!

اس کی شراب نوشی نے ہی اسے یہ بڑے دن دکھائے تھے کہ وہ ہیڈ محرر کی ڈیوٹی دیتا، یہاں لائن حاضر ہو گیا تھا۔

گورمیل سنگھ کو اس بات کا علم تھا کہ جیل والے جس گارد انچارج کو ملزم سونپتے ہیں۔ اس

سے ہی پوچھتے ہیں کہ وہ ملزموں کو بیڑی لگا کر لے جانا چاہتا ہے یا بیڑی کے بغیر---

اگر واقعی گیان سنگھ نے اپنی ڈیوٹی لگوالی تو یہ اس کی صوابدید ہوگی کہ انہیں لگا کر لے جائے یا صرف ہتھکڑیوں سے کام چلا لے---!!

شیر عالم نے مجسٹریٹ کے سامنے پیشرو کی طرح غیر قانونی سرحد عبور کرنے کا الزام تسلیم کر لیا اور عدالت سے کہا کہ وہ لالچ میں آ گیا تھا اور کسی کا پانڈی بن کر سرحد عبور کر لی تھی اگر اسے معاف کر دیا جائے تو وہ آئندہ کبھی ایسی غلطی نہیں کرے گا---!

اس کی اداکاری نے سوائے مجسٹریٹ کے باقی سارے عدالتی عملے کو متاثر کر دیا تھا۔ لیکن مجسٹریٹ کے لئے اس کی بھولی بھالی صورت اور آنسو بہاتی آنکھوں سے زیادہ ضروری بات اس کا اقبال جرم تھا۔ اس نے ملزم شیر عالم کو غیر قانونی طور پر بھارت کی سرحد عبور کرنے کے جرم میں ایک سال قید بامشقت کی سزا سنا دی---جو ملزم نے بہترین اداکاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے آنسو بہاتی آنکھوں سے سنی اور عدالت سے باہر آ گیا---

حوالدار گیان سنگھ جان بوجھ کر اس کے ساتھ پیش نہیں ہوا تھا بلکہ دوسرے ملزم کو دوسری کسی عدالت میں پیشی بھگتانے لے گیا تھا۔ اس لئے وہ ''سونے کے اس سمگلر'' کی اداکاری سے محظوظ نہ ہو سکا۔

دونوں نے واپسی پر بھی اکٹھے ہی سفر کیا تھا اور ڈیوڑھی میں عالمے کو جیل حکام کو سونپتے ہوئے اس نے عالمے کی تعریف بھی کر دی تھی کہ اس کا برتاؤ پولیس کے ساتھ بڑا شریفانہ تھا۔

''یہ تو اللہ میاں کی گائے ہے---جانے اس دھندے میں کہاں سے آ گیا سالا''---اس نے ڈیوڑھی میں حوالدار کے سامنے عالمے کی ہتھکڑیاں کھولتے ہوئے کہا۔

''سب قسمت کا پھیر ہے بابیو!''---شیر عالم نے فلسفیانہ لہجے میں کہا ڈیوڑھی سے جب وہ اپنے سیل کی طرف جا رہا تھا تو بیڑیوں سے بھرا ایک لفافہ حوالدار گیان سنگھ نے اس کو تھما دیا۔

شیر عالم نے مظلوموں کی طرح پھٹی پھٹی نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور لفافہ ہاتھ میں پکڑے اپنے سیل میں واپس آ گیا۔

اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں بشیرے کو کامیابی کا مژدہ سنا دیا تھا۔

دو پاکستانی سزایافتہ قیدیوں کے جمع ہوتے ہی جیل والوں کو ان کے تبادلے کی فکر دامن گیر ہوئی---سزا ملنے کے بمشکل چوتھے دن ان کا ''چالان'' آ گیا---! انہیں سنٹرل جیل نابھہ بھیجا جا رہا تھا۔ جو مسلمان قیدیوں کا سنٹر تھا اور پنجاب کی کسی بھی جیل میں موجود کسی بھی پاکستانی قیدی کو جب عدالت کی طرف سے سزا ملتی تو اسے اسی جیل میں پہنچا دیا جاتا---!!

حوالدار گیان سنگھ شیر عالم اور گورمیل سنگھ کے پیش کردہ انعام کی شراب کے نشے میں دھت ہو گیا تھا۔ اسے یقین ہو چلا تھا کہ یہ مسلمان سونے کے سمگلر اس کی قسمت بدل دیں گے۔ اس نے پولیس لائنز کے منشی محررہ کو پہلے ہی سے اپنے کنٹرول میں لے لیا تھا اور اسے کہا تھا کہ اگر نابھے کا کوئی چالان آئے تو اس کی ڈیوٹی لگائی جائے کیونکہ واپسی میں وہ سنگرور رک کر اپنے سسرال کی خبر بھی لے لے گا---

اس نوعیت کی فرمائش اکثر یہاں آتی رہتی تھی، قیدیوں کے تبادلے کے دوران اس بات کا بطور خاص خیال رکھا جاتا تھا کہ جس جیل میں ان کا چالان جا رہا ہے وہاں کا رہنے والا کون ہے؟ یا راستے میں کس کا گھر آتا ہے پھر اسی کی ڈیوٹی لگا دی جاتی تھی۔

نابھے کی ڈیوٹی سے عموماً پولیس لائنز کی گارد پناہ مانگتی تھی کیونکہ عموماً پاکستانی مسلمانوں کے چالان نابھے جاتے تھے جن کو روٹی بھی پلے سے کھلانی پڑتی تھی یہی وجہ تھی کہ گیان سنگھ کی درخواست کو شرف قبولیت بخشا گیا اور اب وہ اپنے دیگر چار ساتھیوں کے ساتھ گورداسپور جیل سے چالان لئے جا رہا تھا۔ چاروں دل ہی دل میں گیان سنگھ کو گالیاں دے رہے تھے جس نے انہیں بھی اپنے ساتھ خوانخواہ مروایا۔

''اوئے کملیو! مجھے کسی نے بتایا ہے یہ کوئی بھکے ننگے پاکستانی نہیں۔ سونے کے سمگلر ہیں۔ سونے کے بڑے بڑے سرداران کی تاریخ پر آتے ہیں---موجیں کرو گے موجیں---کیا سمجھے''۔

اس نے راستے میں اپنے ساتھیوں کو مطمئن کرنا چاہا جنہوں نے بڑی بے یقینی کے انداز میں اس کی طرف دیکھا تھا۔

جیل کی ڈیوڑھی سے انہوں نے ملزموں کو وصول کیا اور پیدل باہر آ گئے۔ ابھی وہ بمشکل ایک فرلانگ ہی چلے ہوں گے جب گورمیل سنگھ اپنے ایک ساتھی کے ساتھ انہیں مل گیا۔

چاروں نے ایک دوسرے سے بڑی گرمجوشی سے مصافحہ کیا۔ انہیں یہاں سے ایک پسنجر

ٹرین کے ذریعے امرتسر جانا تھا جہاں سے پھر نابھے والی ٹرین میں سوار ہونا تھا۔ گیان سنگھ کے ساتھیوں کو گورمیل سنگھ اور اس کے ہمراہ آنے والے سردار کا ڈیل ڈول دیکھ کر اس بات کا یقین ہونے لگا تھا کہ واقعی حوالدار گیان سنگھ سچ کہتا ہے۔

گاڑی کی روانگی ساڑھے گیارہ بجے تھی اور گورمیل سنگھ انہیں ناشتہ کروانے کے لئے ''ڈھابے'' پر لے آیا تھا جہاں دیسی گھی کے حلوہ پوڑی اور مصالحے والی چائے کا ایسا ناشتہ کروایا کہ ان کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔ یہاں سے گورداسپور سٹیشن تک کا سفر انہوں نے گورمیل سنگھ کی بڑی وین میں کیا تھا۔ راستے میں اس نے ولایتی شراب کی بوتل خرید کر الگ سے بیگ میں رکھ لی تھی جس پر نظر پڑتے ہی گیان سنگھ اور اس کے ساتھیوں کی رال ٹپکنے لگی تھی۔

گورداسپور سٹیشن سے کچھ فاصلے پر سب وین سے اتر گئے اور گورمیل سنگھ کا ساتھی وین لے کر واپس چلا گیا۔ گورمیل سنگھ نے ان کے ساتھ امرتسر تک جانا تھا جہاں سے وہ واپس آ جاتا۔ گیان سنگھ اور اس کے ساتھیوں کو اس پر بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔

ان لوگوں کو علم تھا کہ نابھے عموماً پاکستانی مسلمانوں کا چالان جاتا ہے۔ جن سے کچھ ملنے کی تو کیا امید ہو گی الٹا راستے میں انہیں روٹی بھی سرکاری خرچ سے کھلانی پڑتی تھی۔

جس کسی کی نابھے کے لئے ڈیوٹی لگتی وہ بدقسمت سمجھا جاتا تھا کہ اس کی ''یاترا'' عموماً غیر منفعت بخش ہوتی تھی۔

انہوں نے گرداسپور سے اپنے سفر کا آغاز کیا۔ پہلے گرداسپور سے ایک پسنجر ٹرین کے ذریعے امرتسر جانا تھا۔ جہاں سے براستہ لدھیانہ سفر کرتے ہوئے نابھے پہنچنا تھا۔ اسی طرح انہیں امرتسر سے ٹرین بدلنی تھی

دوران کھانا اس نے بڑی ہوشیاری سے ان کی جیبیں بھی گرم کر دی تھیں جو ان کے لئے چونکا دینے والی بات تھی۔

''مہاراج ہم تو آپ کی سیوا کریں گے ہی۔ اپنی مرضی سے بھی اگر آپ کچھ کھانا پینا چاہیں تو---''

گورمیل سنگھ کی بات کے خاتمے پر گارد کے جوانوں نے بے شرمی سے دانت نکال دیئے۔

گورداسپور سے وہ جس پسنجر ٹرین پر سوار ہوئے تھے وہ قریباً خالی تھی۔ جس ڈبے میں وہ بیٹھے تھے

وہاں صرف ایک کونے میں کچھ غریب سے دیہاتی بیٹھے تھے۔جنہیں حوالدار گیان سنگھ نے ایک ہی دھمکی دے کر بھگا دیا تھا۔

ٹرین نے آہستہ آہستہ رینگنا شروع کیا اور جیسے ہی اس نے تھوڑی سی رفتار پکڑی۔ گورمیل سنگھ نے اپنے ہاتھ میں پکڑا چھوٹا بیگ کھولا اور انگریزی وسکی کی ایک بوتل نکال کر ان کے سامنے رکھ دی۔

''مہاراج جی ایک ایک پیگ یہاں لگا لیں۔باقی راستے میں کام آئے گی''---گورمیل سنگھ نے ان کے سامنے بوتل کی نمائش کرتے ہوئے کہا۔

ولایتی شراب کی بوتل پر نظر پڑتے ہی ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں---!!انہوں نے تو کبھی خواب میں بھی اس کے متعلق نہیں سوچا ہوگا۔

''کیوں! میں نے کہا تھا ناں کہ تمہاری موجیں کروا دوں گا۔ یہ معمولی مسلمان نہیں، سونے کے سمگلر ہیں---تم لوگوں نے کبھی زندگی میں ولایتی وسکی کی شکل نہیں دیکھی ہو گی---سالو تم گیان سنگھ کو کیا سمجھتے ہو---اپنے یار ہیں یہ---اور یہ بھی سن لو کہ میں بہت جلدی تھانے میں واپس جا رہا ہوں۔سردار سنتا سنگھ کا حکم ایس ایس پی بھی نہیں ٹال سکتا......''

حوالدار گیان سنگھ کو پینے سے پہلے ہی نشہ ہونے لگا تھا۔

گورمیل سنگھ نے شیر عالم کی ایک ایک ہدایت پر عمل کیا تھا بلکہ ضرورت سے زیادہ مستعد دکھائی دیا تھا۔

اس نے اپنے بیگ سے پلاسٹک کے چھوٹے چھوٹے گلاس نکالے اور وہیں ان کے لئے چھوٹا چھوٹا پیگ بنانے لگا۔

پانچوں ندیدے کتوں کی طرح گلاسوں پر نظریں گاڑھے بیٹھے تھے......!!

''لو مہاراج باقی بوتل ابھی......اپنے قبضے میں کر لو......''اس نے بقیہ شراب کی بوتل حوالدار گیان سنگھ کو تھما دی جس نے بجلی کی سی پھرتی سے بوتل اپنے بیگ میں رکھ لی۔اس کے ماتحتوں کا بس چلتا تو اس کی بوٹیاں نوچ لیتے۔وہ جانتے تھے۔اب یہ کمبخت اکیلا ہی ساری بوتل ہڑپ کر جائے گا۔

پانچوں نے پیگ تھام لئے تھے......

''مہاراج آپ بھی لگائیں''......حوالدار گیان سنگھ نے عالمے بشیرے اور گورمیل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''ابھی نہیں مہاراج ہمیں موقعہ ملا تو امرتسر سے ٹرین بدلنے کے بعد ایک آدھ پیگ لگا لیں گے''بشیرے نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے ٹھیک ہے، جتنی احتیاط کی جائے اتنی ہی بہتر ہے''......گیان سنگھ کے ہمراہی ایک سپاہی نے کہا جس نے ایک گھونٹ حلق میں انڈیل لیا تھا۔

پانچوں نے ایک دو گھونٹوں میں سارا زہر اپنے حلقوم کے راستے اپنے معدوں میں اتار لیا تھا۔

''مہاراج بڑی تیز ہے سالی''......حوالدار گیان سنگھ نے لڑکھڑاتی زبان میں کہا۔

اس گدھے کو اس بات کا احساس نہ ہو سکا کہ وسکی اتنی تیز نہیں جتنا اس میں شامل ایک خاص سفوف نے اسے کر دیا ہے۔

شراب ان کے معدے میں پہنچنے کی دیر تھی کہ ان کے اوسان خطا ہونے لگے۔بمشکل دو منٹ بعد وہ پانچوں بے سدھ پڑے تھے۔

بجلی کی سی پھرتی سے حوالدار کی جیب سے چابیاں نکال کر گورمیل نے ان کی ہتھکڑیاں کھولیں۔تینوں نے پانچوں کو اسی طرح سیٹوں پر بیٹھا دیا تھا کہ وہ سب اونگھتے دکھائی دے رہے تھے......

سارا ڈبہ خالی پڑا تھا......

یوں بھی وہ ٹرین اب خالی ہونے لگی تھی کیونکہ اپنا آدھا سفر اس نے طے کر لیا تھا......تینوں ایسے کمپیوٹر کی طرح جسے پہلے سے پروگرام فیڈ کر دیا گیا ہو تیزی اور ڈسپلن سے اپنے کام کر رہے تھے......

گورمیل سنگھ نے بیگ انہیں دے دیا تھا۔بشیر نے کھول کر دیکھا اس میں خاصی رقم اور کچھ کپڑے موجود تھے۔

تینوں کو یہیں سے الگ ہو جانا تھا......

گورمیل نے انہیں ''فتح'' بلائی اور ٹرین کے اندر ہی اندر انجن کی طرف سفر شروع کر دیا۔

جبکہ عالمے اور بشیر نے مخالف سمت، جلد ہی وہ ٹرین کے اندر ہی اندر اطمینان سے چلتے ہوئے آخری حصے میں آ گئے تھے۔ اب ٹرین ایک چھوٹے سے سٹیشن پر رکنے لگی تھی......

دونوں بڑے اطمینان سے ٹرین رکنے سے پہلے ہی چلتی ٹرین سے پلیٹ فارم پر اتر گئے تھے۔ یہ علاقہ ان کا دیکھا بھالا تھا......!!

شیر عالم کیلئے تو بعض مقامات اجنبی رہے تھے۔ لیکن بشیر کیلئے کچھ بھی اجنبی نہ تھا۔ وہ گزشتہ دس سال سے انہی راستوں پر آ جا رہا تھا۔ شیر عالم اس کے تعاقب میں تیز قدموں سے چل رہا تھا۔

سٹیشن پر ٹرین بمشکل دو تین منٹ کھڑی ہوئی تھی۔ انہیں امید تھی کہ ابھی تک ان کے شکار کسی کو نظر نہیں آئے ہوں گے۔ اگر ایسا ہوتا تو ٹرین یہاں رکتی اور کم از کم انہیں یہاں اتار کر طبی امداد ضرور دی جاتی۔

دونوں کھیتوں کے سلسلے میں داخل ہو گئے تھے۔ یہاں ایک جگہ رُک کر انہوں نے گورمیل سنگھ کے بیگ سے کپڑے نکال کر تبدیل کئے۔ اس میں موجود رقم دونوں نے قریباً آدھی آدھی کر کے اپنی اپنی جیبوں میں ٹھونسی اور بیگ کندھے پر لٹکا کر بے فکرے نوجوانوں کی طرح اپنی راہ لی۔

O

''گرداسپور سے سرحد محفوظ ہے۔ میرے خیال سے ادھر ہی سرحد پار کر جائیں!!......شیر عالم نے کہا۔

''نہیں عالمے......اس کا تصور بھی نہ کرنا۔ بھارتی پولیس تو ہمیں نہیں جانتی لیکن بھارتی انٹیلی جنس ہماری پوری خبر رکھتی ہے۔ ہمارے فرار کو وہ لوگ ٹھنڈے پیٹوں ہضم نہیں کریں گے۔ انہوں نے یہاں چپے چپے پر ناکے لگا رکھے ہوں گے۔ اتفاق سے تم بھی اسی علاقے سے سرحد عبور کرتے رہے ہو اور میں بھی......اور ہمارے کچھ جاننے والے بھی ان کی نظروں میں ہیں۔ ٹرین کے امرتسر پہنچتے ہی قیامت برپا ہو جائے گی اور یہ لوگ ہزاروں کی تعداد میں شکاری کتوں کی طرح ہماری تلاش میں نکل کھڑے ہوں گے......ہمیں نہ صرف یہ کہ اس طرف سے فی الحال سرحد عبور نہیں کرنی بلکہ اس علاقے سے بھی جلد از جلد نکلنا ہوگا''......

بشیرے نے شیر عالم کو حقائق کی دنیا میں واپس لاتے ہوئے کہا۔

''واقعی دوست! اس طرف تو میرا دھیان ہی نہیں گیا''......

''بہتر یہی ہے کہ ہم چند دن بھارت میں ہی چھپے رہیں اور پندرہ بیس روز کے بعد قسمت آزمائی کریں......جہاں تک سرحد کے محفوظ ہونے کا سوال ہے تو میرے خیال سے ہمارے لئے گورداسپور سے زیادہ محفوظ سرحد کوئی نہیں۔ یوں تو راجستھان کی طرف بھی نکل سکتے ہیں لیکن میں نے وہ علاقہ آج تک نہیں دیکھا''......بشیرے نے اپنا خیال ظاہر کیا۔ ''اگر کوئی چارہ نہ رہا اور ہمیں راجستھان ہی کا رُخ کرنا پڑا تو دیکھ لیں گے میں دو تین مرتبہ اس طرف سے گزرا ہوں......لیکن فی الحال ہمیں تمہاری پہلی بات پر ہی عمل کرنا چاہئے''......عالمے نے کہا۔

دونوں اب پیدل چلتے پکی سڑک تک آ گئے تھے۔ یہ سڑک انہیں فتح پور تک لے جاتی جس کے بعد وہ کسی بھی طرف اپنا سفر جاری رکھ سکتے تھے۔ اس بات پر دونوں متفق تھے کہ انہیں بہرحال ابھی سرحد عبور نہیں کرنی۔

یہاں کے کچھ دیہاتوں کے نام انہیں یاد تھے اور یہ سفر انہیں یادداشت کے سہارے ہی کاٹنا تھا۔ جیل میں قید کے دوران انہوں نے اپنی ڈاڑھیاں اور مونچھیں بڑھالی تھیں اور فی الوقت سکھوں کا روپ دھارنے کا فیصلہ ہی کیا تھا......

دونوں ایک ''ٹمپو'' میں بیٹھ کر نزدیکی قصبے کے بازار تک آ گئے تھے جہاں سے شیر عالم نے دو پگڑیاں باندھیں۔ اب وہ بادی النظر میں سکھ ہی دکھائی دیتے تھے۔

بازار ہی سے دو تھیلے خرید کر انہوں نے کچھ الم غلم ان تھیلوں میں ٹھونسا اور اپنے پاس موجود بیگ کو نالے میں پھینک دیا۔

اب دونوں لاری اڈے میں آ گئے تھے......!!

یہاں سے بس کے ذریعے انہیں فتح پور جانا تھا۔ جہاں سے وہ صورتحال کا اندازہ کرنے کے بعد کوئی اور لائحہ عمل طے کرتے۔

بس میں سوار ہونے کے لئے انہوں نے الگ الگ ٹکٹ خریدے تھے اور الگ الگ سیٹوں پر بیٹھے تھے۔ بظاہر وہ ایک دوسرے سے اجنبی بن کر سفر کرنا چاہتے تھے تاکہ ایک کی گرفتاری کی صورت میں کم از کم دوسرا تو محفوظ رہے۔

بس میں سوار ہونے کے بعد انہیں جو ''خبر'' سننے کو ملی وہ پسنجر ٹرین سے دو خطرناک پاکستانی

جاسوسوں کے فرار کی خبر تھی۔ بس کی تمام سواریوں کا موضوع گفتگو یہی تھا۔ ہر شخص اس واقعے کو الگ الگ انداز سے پیش کر رہا تھا۔ لیکن سب کی تان بالآخر اس بات پر ٹوٹی تھی کہ دونوں بڑے خطرناک جاسوس ہیں اور پولیس والوں کو زہریلی دوا سے بیہوش کرنے کے بعد فرار ہو گئے ہیں...... بس کے مسافروں نے ہی یہ انکشاف بھی کر دیا تھا کہ ''بی ایس ایف'' (بھارتی سرحدی پولیس) کے مختلف ٹرک کمپنی ہیڈ کوارٹروں سے سرحدی علاقوں کی طرف چلے گئے ہیں۔

اس علاقے میں موجود ''سی آر پی'' کو بھی سارے علاقے میں پھیلا دیا گیا ہے۔ پولیس بھی بڑی سرگرمی سے دونوں جاسوسوں کو تلاش کر رہی ہے۔ سرحدی دیہاتوں کے سرپنچوں کو اس صورت حال سے باخبر کر دیا گیا ہے۔

عالمے نے اب تک دل ہی دل میں نجانے کتنی مرتبہ بشیرے کی عقل مندی کی داد دی تھی جس نے اسے سرحد کے نزدیک بھی نہ پھٹکنے کا مشورہ دے کر بچا لیا تھا اگر وہ اکیلا ہوتا تو تمام خطرات کو بالائے طاق رکھ کر سیدھا سرحد کا رُخ کرتا۔

دونوں اپنی بساط کے مطابق لاری کے مسافروں کے ساتھ گفتگو میں اپنا حصہ بھی ڈال رہے تھے اور بادل نخواستہ ان کی ہاں میں ہاں بھی ملاتے جا رہے تھے۔

خیریت گزری کہ فتح پور تک لاری کو کسی ناکے پر نہیں روکا گیا ورنہ عین ممکن تھا کہ ان کی تازہ تصاویر جیل سے پولیس تک پہنچا دی گئی ہوتیں اور وہ دھر لئے جاتے۔

فتح پور آ گیا تھا......!! دونوں لاری کے مختلف دروازوں سے باہر نکلے تھے اور اب پھر پہلے سے طے شدہ منصوبے کے مطابق عالما بشیرے کے تعاقب میں چل رہا تھا۔

O

اس سفر کا اختتام قصبے کے ایک ویران سے حصے پر ہوا۔ جہاں دونوں کھیتوں کی سمت جاتی ایک پگڈنڈی کے کنارے لگے درخت پر اکٹھے ہو گئے تھے۔

''میرے خیال سے ہمیں فوراً موجودہ حلیئے سے نجات حاصل کرنی چاہئے''۔ عالمے نے تجویز پیش کی۔

''بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو...... میں بھی یہی سوچ رہا تھا۔ ہماری بڑھی ہوئی داڑھیوں کے ساتھ تصاویر پولیس اور انٹیلی جنس ریکارڈ میں موجود ہیں...... میرے خیال سے کم از کم میری تو کلین

شیو تصویر ان کے پاس نہیں ہے''...... بشیرے نے جواب دیا۔

''تم سامنے والی سمادھ کے نزدیک میرا انتظار کرو۔ میں زیادہ سے زیادہ پندرہ منٹ میں واپس آ جاؤں گا۔ اگر دیر ہو جائے تو آگے پیچھے ہو جانا۔ اگر میں وقت سے پہلے بھی آ جاؤں تو اس بات کا بطور خاص خیال رکھنا کہ میرے ساتھ کوئی اور نہ ہو...... نہ کوئی میرا تعاقب کر رہا ہو!!...... بشیرے نے کہا۔

''ٹھیک ہے...... شیر عالم نے جواب دیا۔

بشیر بازار کی طرف چلا گیا اور شیر عالم کھیتوں کے کونے میں درختوں کے جھنڈ تلے ہی ایک ''سمادھ'' کے نزدیک بازار سے اس طرف آنے والے راستے پر نظریں جما کر بیٹھ گیا۔

وہ دل ہی دل میں بشیرے کی کامیاب واپسی کے لئے خدا کے حضور گڑگڑا کر التجائیں کر رہا تھا کیونکہ یہ عام گزرگاہ نہیں تھی۔ صرف نزدیکی دو تین دیہاتوں ہی سے راستہ اس طرف آتا تھا۔ اس لئے اِکا دُکا لوگ ہی اس طرف آتے تھے۔ یوں بھی یہ وقت ایسا نہیں تھا۔ شام ہونے کو آئی تھی اور کسی بھی لمحے اب سورج غروب ہونے جا رہا تھا۔

دس بارہ منٹ گزر چکے تھے...... ایک ایک پل ایک ایک صدی پر محیط تھا۔

انتظار کے کرب سے اس کے اعصاب تڑخنے لگے تھے۔

ایسا جان لیوا انتظار زندگی میں اس سے پہلے اس نے نہیں کیا تھا۔ اس کے پاس گھڑی بھی نہیں تھی کہ وہ وقت کا صحیح اندازہ کر سکے۔

خدا خدا کر کے اذیت کے ان لمحات سے اسے نجات ملی اور اس نے بشیرے کو واپس آتے دیکھا۔ بشرے نے جان بوجھ کر دو مرتبہ رُک کر گرد و پیش کا جائزہ لیا تھا۔ اس طرح وہ جہاں خود مطمئن ہو رہا تھا۔ وہاں شیر عالم کو بھی اس بات کی تسلی دے رہا تھا کہ اس کا تعاقب نہیں کیا جا رہا۔

''خدایا تیرا شکر ہے۔ کسی کا میری طرف دھیان نہیں گیا حالانکہ اسی بس کے مسافر نے یہاں بھی جاسوسوں کے فرار کی خبر سنا دی ہوگی اور تم جانتے ہو یہاں منہ سے نکلی بات کس طرح آسمان پر چڑھتی ہے''...... بشیرے نے لمبا سانس لے کر کہا۔

''شکر ہے یار تم آ گئے ورنہ تھوڑی دیر بعد میرے دماغ کی کوئی نس پھٹ جاتی اور میں انتظار کی اس اذیت کے ہاتھوں مر جاتا''...... شیر عالم نے کہا۔

''لو پہلے یہ کھالو۔تمہارا دل ذرا سنبھل جائے گا''۔بشیرے نے اس کے سامنے فروٹ کے دولفافے رکھتے ہوئے کہا۔

''میرے خیال سے ''سمادھ'' کی دوسری طرف چلتے ہیں۔وہاں ایک پرانا مندر ہے۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے میں اس راستے سے دوتین مرتبہ گزرا ہوں۔شاید ایک دفعہ یہاں سے کسی دوست کو وصول کر کے پاکستان واپس پہنچانا تھا......''شیر عالم نے اپنی یادداشت پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ہمیں یوں بھی اب کسی محفوظ جگہ پر پہنچنا ہے''۔بشیرے نے جواب دیا۔

O

ایک طرف ''بھجن کیرتن'' ہورہا تھا اور دوسری طرف ''شبد کیرتن'' لیکن دونوں میں سے کسی کی کوئی بات سننے والے کے پلے نہیں پڑتی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے شام کا ملگجا اندھیرا چاروں طرف پھیلنے لگا۔

سرخی مائل اجالے والے درخت آسیب زدہ سایوں کی طرح دکھائی دینے لگے تھے۔ نزدیکی دیہاتوں میں مکانوں کی چمنیوں سے دھواں نکل کر اندھیرے کا حصہ بننے لگا تھا۔ بلب روشن ہورہے تھے۔

مندروں اور گوردواروں پر رنگ دار روشنیوں کا جال چمکنے لگا اور دیکھتے ہی دیکھتے دن کے جالے نے رات کی سیاہ چادر تان لی۔

دونوں مندر کی بوسیدہ سیڑھیوں پر سنبھل سنبھل کر پاؤں رکھتے ،اب مندر کی چھت پر آ گئے تھے۔اب شیر عالم کو اس بات کی سمجھ بھی آ گئی تھی کہ بشیرا اپنے ساتھ مٹی کے لوٹے میں پانی کیوں بھر کر لایا ہے۔

اس نے اپنے تھیلے سے وہ سامان باہر نکالنا شروع کر دیا تھا جو وہ فتح پور کے بازار سے خرید کر لایا تھا۔سب سے پہلے اس نے علم شیر کو سامنے بٹھا کر قینچی سے اس کی داڑھی کترنا شروع کی پھر ایک سیفٹی ریزر میں بلیڈ لگانے کے بعد اس نے ماہر نائیوں کی طرح اس کی شیو بنا دی۔

پانچ سات منٹ ہی میں اس نے شیر عالم کو داڑھی مونچھ سے مکمل بے نیاز کر کے اس کے

گلے میں ''جنیئو'' (ایک دھاگہ جو براہمن اپنے گلے میں ڈالتے ہیں) ڈال دیا تھا۔

''اب تم یہی سلوک اتنی ہی ہوشیاری کے ساتھ میرے ساتھ کرو۔جس طرح میں نے تمہارے چہرے پر کوئی نشان نہیں لگایا۔اس طرح تم بھی میرے چہرے پر کوئی نشان نہ لگنے دینا۔ باقی حلیہ بعد میں تبدیل ہوگا......''

یہ کہتے ہوئے بشیرے نے سیفٹی ریزر میں نیا بلیڈ لگا کر قینچی اور سیفٹی اس کو تھما دی۔

''کوشش کرتا ہوں''۔شیر عالم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

وہ لوگ جیلوں میں ایک دوسرے کی داڑھی پرانے بلیڈوں کو مسواک میں پھنسا کر مونڈا کرتے تھے۔یہ تو بڑا شہنشاہی طریقہ تھا۔

اس نے بھی کمال مہارت سے اگلے سات آٹھ منٹ میں بشیرے کی شکل اپنے جیسی بنا دی۔

''ویل ڈن''۔بشیرے نے اپنے منہ پر ہاتھ پھیر کر کہا۔

دونوں نے لوٹے کے بچے کچے پانی سے اپنے منہ دھوئے۔

اب دوسرا مرحلہ شروع ہوا جب بشیرے نے اس کے ماتھے پر بڑا سا تلک لگا کر اس کے اوپر ایک سفید سی لکیر کھینچ دی۔یہی کچھ اس نے اپنے ماتھے کے ساتھ کیا۔جس کے بعد انہوں نے بازار سے خرید کردہ لمبے لمبے کرتے اور تنگ پائجامے پہن لئے۔انٹیلی جنس والوں کی تربیت آج کام آرہی تھی ان کا حلیہ بالکل براہمنوں والا ہوگیا تھا۔

''اب ہم چاہیں تو رات آسانی سے کسی بھی آشرم سرائے میں بسر کر سکتے ہیں''۔بشیرے نے رائے دی۔

''شاید اس کی ضرورت پیش نہ آئے۔قدرت نے اس مشکل کا بھی بڑا شاندار حل نکال دیا......شاید اللہ تعالیٰ کو ہم گناہگاروں کی حالت پر رحم آ گیا ہے اور اس نے ہماری مصیبت کا سامان کر دیا ہے''۔شیر عالم نے کہا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟''......بشیرے نے حیرانگی سے پوچھا۔

''تمہاری غیر موجودگی میں سوائے تمہارا انتظار کرنے کے اور کوئی کام تو مجھے تھا نہیں......اس اذیت سے بچنے کے لئے میں نے مندروں کے سپیکروں سے برآمد ہوتی آوازوں پر

کان لگانے شروع کئے اور یہ مشورہ سننے کو ملا کہ فتح پور سے کوئی ''سوامی مہاراج'' یاتریوں کا ایک جھتہ لے کر ''بملا دیودی'' کی یاترا کے لئے ہی ہماچل پردیش جا رہے ہیں''......اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''سوامی جی کے یاتری وہاں موجود ان کے آشرم میں قیام کریں گے۔ جہاں سے پھر اگلے ماہ شروع ہونے والے ''بملا ماتا'' کے میلے کی تقریبات میں شرکت کریں گے۔ اس درمیان سوامی بھی اپنے چیلوں کے ساتھ مل کر صبح شام ''سوسی واچن'' کیا کریں گے''......

شیر عالم نے اسے بتایا۔

اس کی بات کا مطلب بشیرے سے زیادہ کون سمجھ سکتا تھا۔

''واہ میرے مولا! اب مجھے یقین ہو چلا ہے کہ ہم ضرور انشاء اللہ اپنے وطن کی آزاد فضاؤں میں سانس لیں گے......جلدی......بہت جلدی......'' بشیرے نے احساس تشکر سے ڈوبی آواز میں کہا۔

''انشاء اللہ''......شیر عالم نے اس کا ساتھ دیا۔

O

دوسرا باب

تھوڑی دیر بعد دونوں بازار میں موجود تھے۔ ایک ''ڈھابے'' سے انہوں نے کھانا کھایا اور وہیں ہوٹل میں ''سوامی مہاراج'' کا ایڈریس پوچھنا شروع کر دیا۔

''ہم مہاراج کی شہرت سن کر امرتسر سے ان کی سیوا میں آئے ہیں''۔ وہ اپنا تعارف اس طرح لوگوں سے کرواتے تھے۔

سوامی مہاراج نے جس مندر میں قیام کر رکھا تھا وہ فتح پور کا سب سے بڑا مندر تھا۔ دونوں ''سوامی مہاراج کی جے'' کے جیکارے (نعرے) لگاتے اور ''رام نام'' کا جاپ کرتے مندر کی طرف چل دیئے جہاں پہلے سے سوامی مہاراج کی بھگتوں کی بھیڑ لگی تھی......سوامی مہاراج کے بھگتوں میں زیادہ تعداد عورتوں کی تھی۔ ان میں بیشتر وہ نوجوان لڑکیاں تھیں جو ہماچل سے سوامی مہاراج کے ساتھ ہی آئیں تھیں۔

یہ ان کی خاص سیوادار تھی......ان کا کام سوامی مہاراج کے روزمرہ معمول کا خیال رکھنا اور ان کے نئے بھگتوں کو مہاراج کے درشن کروانا تھا۔

دونوں نے بطور خاص یہ بات محسوس کی تھی کہ اس جھتے میں شامل ہونے والے ہر یاتری کا سوامی مہاراج کی ایک خوبصورت سیکرٹری اپنے پاس موجود رجسٹر میں اندراج کرتی تھی وہی ہر نئے آنے والے کو یہاں کے آداب محفل سے آگاہ کرتی تھی۔

عالما اور بشیر دونوں اس قطار میں کھڑے ہو گئے جو نئے آنے والوں کی قطار تھی۔ یہ قطار ایک چھوٹے سے کمرے کے سامنے لگی تھی جس کا دروازہ بند تھا۔ ایک ''بھگت'' اندر جاتا اور دوسرے دروازے سے باہر آتا تھا۔

شیر عالم آگے تھا اور بشیر اس کے پیچھے۔ شیر عالم کے آگے ایک موٹی سی عورت کھڑی تھی جو شاید اسی شہر سے یاتریوں کے جتھے میں شامل ہونے آئی تھی۔ اس کے جسم سے اٹھتی ایک گھٹیا سی خوشبو کی لپٹوں نے شیر عالم کا دماغ چکرا کر رکھ دیا تھا اور وہ دل ہی دل میں دعا مانگ رہا تھا کہ یہ مصیبت جلدی ٹل جائے......

شیر عالم کی کوشش اس بلا سے دور رہنے کی تھی۔ جس کا موٹی عورت نے کچھ اور مطلب لے لیا وہ جب بھی گردن موڑ کی شیر عالم کی طرف دیکھتی اسے بادل نخواستہ مسکرانا پڑتا۔ موٹی عورت نے اس مسکراہٹ کو غنیمت جان کر بار بار گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھنا شروع کیا۔ یہ نئی مصیبت آ گئی تھی......

شیر عالم کے لئے سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا کہ وہ اپنی توجہ اس سے ہٹا کر بشیرے پر مبذول کر لے...... اس نے بشیرے سے سوامی مہاراج کے متعلق باتیں شروع کر دی تھیں۔

''آپ لوگ کہاں سے آئے ہیں'' موٹی نے محسوس کیا کہ شکار ہاتھ سے نکل رہا ہے۔

''امرتسر سے''......شیر عالم نے کڑوا گھونٹ بھرا۔

''میرا نام کوشلیا ہے۔ میں فتح پور کی رہنے والی ہوں۔ سوامی مہاراج کے میں نے کئی مرتبہ درشن کئے ہیں۔ ان کی سیوا میں بھی رہی ہوں''۔ اس نے اپنا تعارف کرواتے ہوئے ان پر رعب گانٹھنا چاہا۔

''میرا نام گگن دیپ ہے اور یہ میرا دوست راج ہے۔ ہم دونوں بھی مہاراج کے چرنوں میں بیٹھ کر من کی شانتی حاصل کرنے آئے ہیں''......شیر عالم کے لئے اس کے سوال کا جواب دیئے بغیر کوئی چارہ باقی نہیں رہا تھا۔

''آپ لوگ یاترا پر جا رہے ہیں''......موٹی کوشلیا نے دوبارہ دریافت کیا۔

''ہاں......بملا ماں کی یاترا مہاراج سوامی کے سنگ کریں گے تو زیادہ آنند آئے گا''۔

شیر عالم کے بجائے بشیرے نے جواب دیا۔

''آپ دونوں رشتہ دار ہیں؟''

''نہیں۔ ہمارا تعارف دو تین روز پہلے ہی ہوا تھا......ہم امرتسر میں جوگی بابا کے آشرم

میں ملے تھے......جس کے بعد سے ہم نے اکٹھے ہی یاترا کا فیصلہ کیا ہے''......بشیرے نے کہا۔

''دراصل میں نے منت مانی تھی ماتا نے کرپا کی اور میرا کام ہو گیا۔ اب میں ماتا کے درشنوں کو جا رہا ہوں تا کہ اسے ''ماتھا ٹیک'' کر اپنی منت پوری کر سکوں''......شیر عالم نے اپنا کیس بیان کیا......

''میری گھر والی مجھے دغا دے کر بھاگ گئی ہے......میرا من بہت خراب ہو رہا تھا۔ میں تو من کی شانتی ڈھونڈنے نکلا ہوں''......بشیرے نے اپنا مسئلہ بیان کر دیا۔

دونوں کے لئے موٹی کوشلیا کی اس بات میں دلچسپی پیدا ہو گئی تھی کہ وہ مہاراج کی پرانی بھگت ہے اور ان کی بھگتی میں بھی رہ چکی ہے۔

دونوں سمجھتے تھے کہ اس طرح کے سوامیوں اور مہاراجوں کی ''سیوا'' میں رہنے کا شرف بہت کم بھگتوں کو نصیب ہوتا تھا......اس عورت کو قابو کر کے وہ کچھ اچھا اور محفوظ وقت گزار سکتے تھے۔

شیر عالم نے دو تین باتوں میں ہی محسوس کر لیا تھا کہ موٹی کوشلیا کو بشیرے سے ہمدردی ہونے لگی ہے۔ کیونکہ اس بے چارے کی گھر والی کسی کے ساتھ اسے دغا دے کر بھاگ گئی تھی۔ شاید موٹی کوشلیا کا گھر والا اسے دغا دے کر کسی کے ساتھ بھاگ گیا ہو گا۔ اس نے سوچا۔ اس نے بشیرے کی کر طرف منہ کر کے اپنی بائیں آنکھ دبا کر اسے اشارہ بھی کر دیا تھا کہ اس شکار کو قابو کر لے......اس کے ساتھ ہی بڑے نامحسوس طریقے سے آپس میں باتیں کرتے ہوئے انہوں نے جگہ بدل لی اور اب بشیر اس کی بجائے کوشلیا کے نزدیک ہو گیا تھا۔

O

تین چار منٹ میں بشیر نے کوشلیا کو اپنی دردناک کہانی گھڑ کی سنا دی۔ کوشلیا اداکاری کر رہی تھی یا حقیقت میں ایسا ہی تھا۔ اس کا اندازہ تو شیر عالم کو نہ ہو سکا لیکن اس نے کوشلیا کے چہرے پر بدلتے رنگوں سے اس بات کا اندازہ ضرور لگا لیا تھا کہ تیر نشانے پر لگا ہے۔ انہیں یاتریوں کے اس جتھے میں کم از کم ایک ہمدرد خاتون ضرور میسر آ گئی تھی۔ جس کی آڑ میں وہ اپنا کھیل آسانی سے کھیل سکتے تھے......!!

کوشلیا کی باری آ گئی تھی......!!

اس نے کمرے میں داخل ہونے سے پہلے بشیر اور عالم کو اندر پیش آنے والی صورتحال

سے آگاہ کر دیا تھا اب کم از کم کمرے میں وہ ایک اعتماد کے ساتھ ضرور داخل ہو سکتے تھے۔

بشیر پہلے اندر گیا تھا۔ اس کے بعد عالم کی باری تھی۔ بشیر نے یہاں بھی اپنی گھر والی کا قصہ سنا دیا اور یہی سبب دنیا داری تیاگنے کا بتا کر اپنا جعلی نام پتہ لکھوا دیا۔

عالم اندر داخل ہوا تو سامنے لگی میز کے پیچھے ایک آرام دہ کرسی پر اس نے گیروی رنگ کے چولے میں ملبوس جس ساحرہ کو موجود پایا اس کی شکل پہ نظر پڑتے ہی اسے اپنا دل بے قابو ہوتا محسوس ہوا۔ بھارت کے مختلف حصوں میں گھومتے اسے پانچ سال ہونے کو آئے تھے۔ اس نے اپنے شوق کی خاطر اس زمین کا چپہ چپہ دیکھا تھا۔ پنجاب سے چین کی سرحد تک جاسوسی معرکے سر کئے تھے۔ راس کماری سے کنیا کماری تک کی خاک چھانی تھی۔ بھارت کے ہر بڑے شہر کے بازار حسن سے گزرا تھا۔ لیکن حسن کا جو مجسمہ اس کی آنکھوں میں جم گیا تھا۔ ایسا نظارہ اس نے اس سے پہلے کبھی نہیں کیا تھا۔ سانولے رنگ کی گہری سیاہ آنکھوں والی یہ ناگن جس کے لانبے بال اس کی کمر تک پھیلتے چلے گئے تھے۔ گیروی رنگ کے کپڑے پہنے اور گلے میں بڑی سی مالا ڈالے اپنے جسم سے بے نیاز بیٹھی تھی۔

اس نے جب ایک لمحے کے لئے رجسٹر سے آنکھیں اٹھا کر عالم کی طرف دیکھا تو عالم کو اپنے خون کا خمیر بدلتا محسوس ہوا۔

ایک سنسنی تھی جس نے اس کے جسم کے روئیں روئیں کو بیدار کر دیا۔ اسے اپنا آپ سنبھالنا مشکل دکھائی دے رہا تھا۔

اس پری جمال کی دائیں بائیں دو اور مہاراج سوامی کی چیلیاں بیٹھی تھیں۔ جو کسی بھی طرح حسن و جمال میں اس سے کم نہیں تھیں۔ لیکن عالم کو یوں دکھائی دے رہا تھا جیسے وہ راستہ بھول کر حسن کے ایک ایسے جزیرے میں آ گیا ہے جہاں خوبصورت عورتوں کی حکومت ہے اور اس جزیرے کی ملکہ اپنی دو خادماؤں کے ساتھ اس سے ہم کلام تھی۔

''آپ کا شبھ نام''؟...... حسن کی دیوی کے ہونٹوں نے جنبش کی۔

''گگن دیپ ورما''...... عالم نے عالم ہوش میں واپس لوٹتے ہوئے کہا۔

''براہمن ہو''......؟ دوسرا سوال ہوا۔

''جنم سے تو براہمن ہوں لیکن براہمنوں والے گن نہیں رکھتا''۔ وہ سنبھل چکا تھا۔

''مہاراج کے چرنوں میں آنے کے بعد ''گنی'' بن جاؤ گے...... تم صحیح ٹھکانے پر آ گئے

ہو۔ سوامی جی کے چرنوں کی دھول اپنے ماتھے پر لگا لو...... سارے روگ دُھل جائیں گے۔ من اس طرح دھلے گا کہ کرودھ اور لوبھ کی ساری دھول تمہارے بدن سے جھڑ جائے گی۔ تازہ جنم لینے والے بچے کی طرح تمہاری آتما پوتر ہو جائے گی''...... اسی سندری نے کہا۔

عالم اس کی باتوں کو اس طرح دل لگا کر سننے کی اداکاری کر رہا تھا جیسے اس پر سحر طاری ہو گیا ہو۔

''کیا ایڈریس ہے؟...... ساتھ بیٹھی دوسری کنیا نے پوچھا۔

''مہاراج سوامی کا بھگت ہوں سارا جیون ان کے چرنوں میں بتانے آیا ہوں۔ یہی میرا صحیح ایڈریس ہے۔ آج سے پہلے کے تمام ایڈریس میں نے بھلا دیئے...... یوں جانئے کہ میرا نیا جنم ہوا ہے۔ میں اپنے جیون کا آغاز آج کرنے جا رہا ہوں۔ آج جما ہوں میں...... بس اب یہی میرا پتہ ٹھکانہ ہے''...... عالم نے مدہوشی کی اداکاری کی۔

''ہرے رام ہرے رام''......

یہ کہتے ہوئے تینوں کنیاؤں نے قریباً جھومنا شروع کر دیا۔

''تمہاری مکتی ضرور ہو گی بھگت...... ہمارے سوامی جی ہمارے بھگوان ہیں۔ ان کے چرنوں کی دھول میں تمہیں جیون کا آنند پراپت ہو گا...... جیون کا صحیح ارتھ (مطلب) جان جاؤ گے...... پرسن (پر باش) ہو جاؤ گے''...... ساحرہ نے کہا جس کی آنکھوں میں عالم کو اپنا آپ ڈوبتا محسوس ہو رہا تھا۔

''آو شے...... آو شے...... (ضرور۔ ضرور) ہری اوم...... ہری اوم......''

عالم نے آوازوں کے تعاقب میں دائیں ہاتھ کھلنے والے دروازے کی طرف نظریں گھمائیں تو ایک لمبے تڑنگے اور قدرے فربہ شخص کو اندر داخل ہوتے دیکھا۔ اس کے دونوں ہاتھ قیمتی جواہرات اور نگینوں سے لبریز تھے۔ پہلی نظر میں شیر عالم ان انگوٹھیوں کو نہیں گن پایا۔

گیروی رنگ کا لمبا چولا اور سر پر اسی رنگ کی پگڑی باندھے گلے میں لمبی مالا لٹکائے اس نے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی مالا پکڑ رکھی تھی جس کے منکے چمک رہے تھے۔

''بھگوان آ گئے...... سوامی جی مہاراج آ گئے''...... کہتے ہوئے تینوں کنیائیں اس کے سامنے ڈنڈوت (کسی کے قدموں میں لوٹنا) کرنے لگیں۔

"بھگوان......سوامی جی مہاراج......" کا نعرہ بلند کر کے عالم بھی ان کی تقلید میں سوامی مہاراج کے قدموں سے لپٹ گیا۔

"ہری اوم......ہری اوم......" کا جاپ کرتا سوامی مہاراج اپنا ایک ہاتھ دعائیہ انداز میں ان کے سروں پر لہراتا دوسرے دروازے سے باہر نکل گیا۔

O

یہ شخص سوائے سوامی کے اور سب کچھ ہوسکتا ہے"۔ اس کی شکل پر نظر پڑتے ہی شیر عالم کے دل نے کہا۔

سوامی مہاراج کی آنکھوں میں اس وقت بھی شہوت اور شراب کا نشہ چمک رہا تھا۔ جسے ان کے بھولے بھگت ان کی شکتی کا چمتکار سمجھ رہے تھے۔ جس کنیا نے اس کا نام رجسٹر میں لکھا تھا اسے گیتا انجلی کہہ کر اس کی ساتھیوں نے مخاطب کیا تھا۔

واقعی وہ گیتا انجلی تھی......

نغمہ و شعر کی کتاب......جس کے ایک ایک لفظ سے سُر کے ساگر بہتے تھے جن میں کسی بھی بھگوان کے بھگت کا من بہتا چلا جاتا......!!

عالم کے جواب اور سوامی مہاراج کی اچانک آمد نے اس کی خانہ پُری مکمل کروادی تھی۔

خدا جانے اس نے ایڈریس والے خانے میں کیا لکھا ہوگا۔ بہرحال یہ ضرور تھا کہ دوبارہ اس نے عالم سے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔

یاتریوں کے لئے اس کمرے سے باہر نکلنے والے دروازے کے باہر مندر کے صحن میں عورتیں اور مرد مختلف ٹولیوں میں بٹے شاید روانگی کی تیاریاں کررہے تھے۔ عالم نے باہر نکلتے ہی بشیر کی تلاش میں نظریں دوڑائیں تو ایک کونے میں اسے کوشلیا کے ساتھ کھڑے پایا۔ شیر عالم سمجھ گیا کہ بشیر نے کوشلیا کو شیشے میں اتار لیا ہے۔

شیر عالم کے وہاں پہنچنے پر بشیر نے اسے پہلی اطلاع یہی دی تھی کہ کوشلیا ان کی ہم سفر ہوگی جس کا مطلب تھا کہ اُن کا سفر قدرے محفوظ گزرے گا۔

کسی عورت کے ہم سفر ہونے کا مطلب یہی تھا کہ یہ کوئی کنبہ ہے۔ بشیر نے اس دوران کوشلیا کو اس بات کا احساس دلا دیا تھا کہ اس کی بھاگ جانے والی "گھر والی" پر وہ لعنت بھیجتا ہے

اور اسے زندگی بھر کوشلیا جیسی ہمدرد اور سمجھدار خاتون کی تلاش رہی ہے جواب اسے مل گئی ہے۔

O

سارے یاتری مندر کے ہال میں اکٹھے ہورہے تھے۔ یہ مندر سوامی مہاراج کے آشرم سے منسلک تھا اور سال میں ایک دو ہفتے وہ یہاں بھی قیام کیا کرتے تھے......!!

اس بڑے ہال کمرے میں لوبان اور عود کی خوشبو مہک رہی تھی اور دیواروں پر مہاراج سوامی کے بڑے بڑے پورٹریٹ لٹک رہے تھے۔ سامنے ایک ہفت ہاتھ دیوی اپنا بڑا سا منہ کھولے بیٹھی تھی۔ پتھر سے بنی اس دیوی کی سجاوٹ پر خاصا روپیہ خرچ کیا گیا تھا۔

اس کے ہاتھ میں سونے کے کڑے پہنائے گئے تھے اور سر پر جو تاج تھا اس میں بھی قیمتی موتی جڑے تھے۔

سوامی مہاراج کی آمد سے پہلے گیتا انجلی نمودار ہوئی اس کے ساتھ وہی دونوں کنیائیں تھیں۔ جنہوں نے ہاتھوں میں دیویوں کی طرح "ترشول" اٹھا رکھے تھے......

تینوں "ہری اوم......ہری اوم" کا جاپ کرتی اندر آئی تھیں۔ گیتا انجلی نے سارے مجمع کو شانت ہوجانے کی اپیل کی اور سوامی مہاراج کی آمد سے مطلع کیا۔

اگلے ہی لمحے لمبا تڑنگا سوامی مہاراج ان کے سامنے تھا۔ جیسے ہی وہ ایک دروازے سے نمودار ہوا۔

"سوامی مہاراج کی جے" کے زوردار نعرے بلند ہونے لگے۔

یہاں موجود تمام یاتری اس کے سامنے بالکل اس طرح سجدہ ریز ہورہے تھے جیسے وہ ان کا بھگوان ہو۔

بشیر اور شیر عالم کو بھی بادل نخواستہ اپنی گردن جھکانی پڑی۔ احتیاط کو ملحوظ خاطر رکھے ہوئے وہ ایک دوسرے سے فاصلے پر اس طرح بیٹھے تھے کہ دونوں ایک دوسرے کی نظروں کے سامنے رہیں۔ ابھی تک انہوں نے کسی یاتری کو اپنے اکٹھے ہونے کا تاثر نہیں دیا تھا اور بالکل اسی انداز میں باتیں کررہے تھے جیسے ایک ہی راہ کے دو مسافر آپس میں کیا کرتے ہیں۔

جیسے ہی عالم نے اپنی گردن سیدھی کی اور اس کی آنکھیں بشیر کی آنکھوں سے ٹکرائیں تو بشیر نے اسے اشارے سے ہال کے ایک دروازے کی طرف متوجہ کیا۔

عالم نے نظریں گھمائیں تو خوف کی ایک سرد لہر اس کے رگ و پے میں اتر گئی۔ اندر آنے والے پانچ چھ یاتریوں نے گو کہ سویلین لباس پہن رکھے تھے لیکن دونوں کی جہاندیدہ نظروں نے ان کی شناخت کر لی تھی......!

یہ بھارتی انٹیلی جنس کے اہلکار تھے......!!

شاید ان کا تعلق کسی مقامی ''فیلڈ انٹیلی جنس یونٹ'' سے رہا ہوگا اور اس اطلاع پر کہ دو خطرناک جاسوس اس علاقے سے فرار ہو گئے ہیں اس طرف نظر ڈالنے آ گئے تھے۔

ان کی آمد کے ساتھ ہی دونوں کی یہ غلط فہمی تو کم از کم دور ہو گئی تھی کہ انٹیلی جنس کا دھیان اس طرف نہیں جائے گا۔ انہوں نے اندازہ کر لیا تھا کہ بھارتی انٹیلی جنس بڑی کایاں ہے اور وہ لوگ فرار کے ہر پہلو پر نظر رکھتے تھے۔

جس علاقے سے وہ پولیس کو چکر دے کر بھاگے تھے وہ یہاں سے تیس چالیس میل دور تھا اور یوں بھی یہ سرحدی علاقہ نہیں تھا۔ اس کے باوجود یہاں بھی انٹیلی جنس سرگرم تھی۔

اگر یہاں یہ حالت تھی تو ان لوگوں نے سرحدوں پر تو اپنا جال بچھا دیا ہوگا......!!

شیر عالم نے سوچا......

اس نے دل ہی دل میں بشیر کے مشورے پر عمل پیرا ہونے پر خدا کا شکر ادا کیا۔ اندر آنے والے بڑی ہوشیاری سے الگ الگ ہو کر یاتریوں کے ہجوم میں پھیلنے لگے تھے۔

انہیں ہجوم میں پھیلتے دیکھ کر بشیر کوشلیا سے بالکل چپک کر بیٹھ گیا تھا اور یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے دونوں میاں بیوی بھگوان کے بڑے سچے بھگت ہیں اور بڑے خشوع و خضوع سے بھجن گا رہے ہیں جو سوامی مہاراج کی آمد کے ساتھ ہی شروع ہو گیا تھا اور سٹیج پر موجود گانے والوں کی ٹولی کے ساتھ ہم آواز ہو کر سارے یاتری گانے میں مصروف تھے۔

''عالم کا ذہن بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا''۔

اس کے ساتھ بیٹھے ایک جوڑے کا بچہ بار بار کسی وجہ سے رونے لگتا اور وہ اسے ڈانٹ کر چپ کروا دیتے تھے۔ اچانک ہی ایک منصوبہ اس کے ذہن نے ترتیب دیا اور عالم نے اس پر عمل پیرا ہونے کی ٹھان لی۔

اس نے دو ڈھائی سال کے اس بچے کو بڑے پیار سے پچکارا۔ ایک اجنبی اور ہمدرد کے

اس طرح محبت سے بچے کو بہلانے کے انداز نے بچے سے زیادہ اس کے والدین کو متاثر کیا تھا۔ در اصل بچہ باپ یا ماں کی گود میں بیٹھنے کی ضد کر رہا تھا اور دونوں اس سے احتراز برت رہے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ وہ بھی ان کے ساتھ زمین پر بیٹھے۔ عالم نے بچے کو پیار سے پچکارتے ہوئے اپنی گود میں بٹھا لیا۔

پہلے تو بچے نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا پھر اس کے چہرے پر اپنے لئے محبت اور ہمدردی کے جذبات پا کر اس نے چپ سادھ لی۔ بچے کے والدین نے اس حرکت کا جواب مسکراتے ہوئے شکریہ ادا کر کے دیا تھا۔

''میرا بھانجا بالکل اتنی ہی عمر کا ہے۔ وہ بھی میرے ساتھ خوش رہتا ہے۔ اپنے ماتا پتا کے ساتھ نہیں۔''

اس نے بات آگے بڑھائی۔

''شکریہ بھائی صاحب مجھے دے دیجئے۔ آپ کو زحمت ہو گی''......نوجوان عورت نے کہا۔

''ارے نہیں بہن مجھے تکلیف اسے واپس کرنے پر ہوگی۔ میرا دل بھی ادھر گوگی میں اٹکا ہوا تھا۔ بہت محبت کرتا ہے۔ آپ یہ سمجھئے کہ آپ کا سفر آسانی سے کٹ گیا......کیا نام ہے اس کا''......؟

''منوں''......اس کے باپ نے جواب دیا۔

''بس! منوں کو خوش رکھنا اب میری ذمہ داری ہے۔ آپ شانت ہو کر اور من لگا کر بھگوان کا پاٹھ کیجئے......''

شیر عالم اتنی اپنائیت کا مظاہرہ کر رہا تھا کہ دونوں کے لئے سوائے اس کی ہاں میں ہاں ملانے کے اور کوئی چارہ باقی نہیں رہا تھا۔

منوں کو اس نے بازو کے سہارے اپنے کندھے سے لگا کر باقاعدہ سہلانا شروع کر دیا تھا۔ جب تک سیکورٹی والے گہری نظروں سے لوگوں کا جائزہ لیتے وہاں تک پہنچے۔ ننھا منوں شیر عالم کے زانوں پر اطمینان سے سو رہا تھا اور عالم آنکھیں بند کئے۔ منوں کی ماں کے پہلو میں بیٹھا ''نام سمرن'' (عبادت) کر رہا تھا۔

پہلی نظر میں جو کوئی بھی دیکھتا انہیں میاں بیوی سمجھتا۔ ایسے خاوند یہاں عام پائے جاتے

تھے جو اپنی بیویوں سے خوفزدہ رہتے اور بچوں کو خود سنبھالتے تھے......!

بالآخر ایک ایک کر کے انٹیلی جنس کے لوگ واپس چلے گئے......

اس درمیان بشیر کی نظریں مستقل ان پر لگی رہی تھیں۔ اس نے جب عالم کو ایک بچہ اٹھائے دیکھا تو خدا کا شکر ادا کیا کہ اسے بھی کوئی cover میسر آ گیا۔

O

بھارتی انٹیلی جنس والے سفید کپڑوں میں یہاں کوئی روپ بدل کر بھی آ سکتے تھے جہاں تک پولیس کا سوال تھا۔ پولیس کے کسی باوردی ملازم کی ہمت نہیں تھی کہ وہ سوامی مہاراج کے کسی آشرم کے نزدیک بھی میں پھٹک سکے۔

وہ جانتے تھے ''سوامی مہاراج'' کے ہاتھ کتنے لمبے ہیں......!!

ایک مرتبہ ایک ایس پی نے اپنے طور پر کوئی شک گزرنے پر سوامی مہاراج کی خفیہ انکوائری کے لئے اپنے ایک خاص انسپکٹر کو ہدایات دی تھیں کہ اس نے اپنا تبادلہ یہاں سے تیسرے ضلع میں کروانے ہی میں عافیت جانی تھی......!!

اس بات کا اندازہ انہیں نہ ہو سکا کہ انٹیلی جنس والے واقعی ان کی تلاش میں آئے تھے یا صرف عبادت کرنے......!!

یاتری اب مندر کے باہر آ گئے تھے......!!

تمام لوگ بھگوان نام کا جاپ کرتے اس بس کی طرف جا رہے تھے۔ جس نے انہیں یہاں سے شملہ لے جانا تھا جہاں مہاراج سوامی کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ دراصل یہ لوگ ایک ایک طرح سے ایک مہینے کا چلہ کاٹنے جا رہے تھے۔

ایک مہینہ مہاراج سوامی کے آشرم میں گزارنے اور ان کے سنگ بھگوان نام کا جاپ کرنے کے بعد بہت سے دکھوں سے چھٹکارہ مل جاتا تھا۔ ان کی مکتی ہو جاتی تھی۔ یہ تھا ان لوگوں کا عقیدہ، جس کی بنیاد پر وہ ''سوامی مہاراج'' کے آشرم کی طرف کھنچے چلے آتے تھے۔

سوامی مہاراج نے اسی طرح کے اپنے آشرموں کا جال سارے بھارت میں پھیلا رکھا تھا۔ وہ ہر دوسرے تیسرے مہینے ملک کے کسی بھی کونے میں موجود اپنے کسی بھی آشرم میں پہنچ جاتے جہاں اپنے بھگوان کو ''رام نام سمرن'' کروا کے ان کے دلوں میں اپنی عقیدت بڑھا کر ان کی جیبیں

خالی کروا لیتے تھے۔ سوامی مہاراج نے اب سال میں دو تین ہفتے بیرون ملک بھی بسر کرنے شروع کر دیئے تھے۔ لندن اور امریکہ میں اپنے آشرم قائم کرنے پر توجہ دینے لگے تھے کیونکہ ان کے چیلوں کی تعداد بیرون ملک بھی تیزی سے بڑھنے لگی تھی۔

مندر یوں تو عبادت گزاروں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا لیکن مہاراج سوامی کے سنگ چلہ کرنے والوں کی تعداد چالیس پچاس کے درمیان ہی تھی جن میں ان کے دو نئے چیلے گگن دیپ اور ہنس راج بھی شامل ہو گئے تھے جو ان کی شہرت سن کر امرتسر سے یہاں آئے تھے۔

O

دونوں کی شادی کو تین سال ہوئے تھے۔ آنند ورما ایک بنک میں چھوٹا سا آفیسر تھا اور نیلم ورما ہسپتال میں نرس تھی۔ دونوں نے شادی سے پہلے ہی ''بملا یاترا'' کی منت مان رکھی تھی اور سوامی مہاراج کے ساتھ چلہ کاٹنے کا ارادہ باندھ لیا تھا......!!

دو ڈھائی سال تک انہیں مہلت نہ مل سکی۔ جب دو سال کے بعد پے در پے مصائب نے گھیرنا شروع کیا تو کمزور عقیدے کے برہمنوں نے اس کا کچھ اور ہی مطلب نکال لیا اور یہی سمجھے کہ ایسا کچھ ان کے ساتھ شاید اسی لئے ہو رہا ہے کہ انہوں نے جو منتیں مانی تھیں پوری نہیں کیں......

بڑی مشکل سے دونوں نے ایک ایک ماہ کی چھٹی لی تھی اور اب بادل نخواستہ اس غلطی کا ازالہ کرنے جا رہے تھے جو انہوں نے منت مان کر کی تھی......!!

گگن دیپ نے ان کے ساتھ اپنا تعارف ایک براہمن امیر زادے کے روپ میں کروایا تھا اور ان کی قدرے آزاد خیالی سے متاثر ہونے کے بعد انہیں کہا تھا کہ وہ کوئی ایسا ''دھارمک'' (مذہبی) بندہ نہیں ہے کہ ایک مہینے کے لئے بھگوان کا ہی ہو کر رہ جائے وہ تو یہ سفر صرف بھگوان کی پوجا کرنے نہیں نکلا بلکہ اس بہانے اسے کچھ تبدیلی بھی نصیب ہو جائے گی اور ایڈونچر بھی ہو جائے گا......

عالم کا تیر نشانے پر بیٹھا اور اس نے محسوس کیا کہ دونوں میاں بیوی اس کی بچی گفتگو سے متاثر ہوئے ہیں کیونکہ وہ دونوں بھی باتوں سے پڑھے لکھے دکھائی دے رہے تھے۔ ننھے منوں کو اس نے مستقل کندھے سے لگائے رکھا تھا۔ حالانکہ اس کو تھکاوٹ کا احساس ہونے لگا تھا۔ لیکن ابھی وہ منوں کو خود سے الگ کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ عین ممکن تھا کہ اس مجمع میں بھی انٹیلی جنس کے لوگ موجود ہوں جو یاتریوں کو الوداع کہنے کے لئے اکٹھا ہو گیا تھا۔

O

یاتری ایک ایک کر کے بس میں سوا ہونے لگے تھے......!!

دونوں میاں بیوی شیر عالم کے ساتھ ایک ہی سیٹ پر بیٹھے تھے۔ اس معاشرے میں عورت اور مرد کا اکٹھے بیٹھنا معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا۔ بشیر جان بوجھ کر کوشلیا کے ساتھ بس کے پچھلے حصے میں دو سواریوں والی سیٹ پر بیٹھا تھا۔

''تمہارا ساتھی کہاں گیا''......کوشلیا کو جانے کہاں سے عالم یاد آ گیا تھا۔

''اس کے نزدیک کے رشتہ دار مل گئے ہیں ان کے ساتھ بیٹھ گیا ہے۔ تم اس کی زیادہ فکر نہ کرنا بڑا بے وفا اور بد دماغ آدمی ہے۔ چھ ماہ بعد اپنی محبوبہ بدل لیتا ہے۔ چار تو میرے سامنے تبدیل کر چکا ہے''......بشیر کے جواب پر کوشلیا اچانک اتنی زور سے ہنسی تھی کہ بس کی کچھ سواریوں نے گردن پھیر کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے اس حرکت کا نوٹس لیا تھا۔

اب وہ کھسیانی سی ہو کر بشیر پر بوجھ ڈال کر دوبارہ سنجیدہ ہوگئی۔

بس کے باہر موجود لوگ ''سوامی مہاراج کی جے''......''بملا ماتا کی جے'' کے جیکارے (نعرے) گلہ پھاڑ پھاڑ کر لگا رہے تھے۔

سوامی مہاراج نے بس کے اگلے دروازے سے داخل ہو کر اپنی سیوادار کنیاؤں کی معیت میں چند سیکنڈ تک کچھ الٹے سیدھے منتر الاپے پھر دائیاں ہاتھ سیدھا کھڑا کر کے ''شانتی شانتی'' پکارتے نیچے آ گئے......وہ خود بذریعہ ہوائی جہاز شملہ جا رہے تھے......البتہ ان کی سیوادار تین چار کنیائیں یاتریوں کے ساتھ اسی بس میں موجود تھیں جنہوں نے تمام راستے ان کے ساتھ مل کر پاٹھ کرتے ہوئے سوامی مہاراج کے آشرم تک شملہ جانا تھا۔

گیتانجلی سوامی مہاراج کے ساتھ ان کے ذاتی ہوائی جہاز میں سفر کرتی تھی......!!

سوامی مہاراج اپنی قیمتی ''ماروتی'' کار میں براجے ان کے ساتھ دو سیوادار کنیائیں بیٹھ گئیں جبکہ دوسری کار میں ان کے مسلح باڈی گارڈ موجود تھے۔ دونوں کاروں پر ان کے مریدوں نے پھولوں کی پتیاں نچھاور کرنا شروع کر دی تھیں۔

سوامی مہاراج کی کاریں آگے بڑھیں۔

ان کی منزل ''راجا سانسی'' کا ہوائی اڈہ تھا جہاں سوامی مہاراج کا ذاتی چھوٹا جہاز کھڑا تھا

جس میں بیٹھ کر وہ بھارت کے کونے کونے میں موجود اپنے پجاریوں سے رابطہ کرتے اور ان کو آنند اور مکتی دیا کرتے تھے۔

کاروں کی روانگی کے چند منٹ بعد ''جے کاروں'' کی گونج میں، بس نے اپنے سفر کا آغاز کیا......مندر میں جمع ہونے والے ہجوم نے بس کے ساتھ ساتھ بھاگتے ہوئے اس پر پھول پھینکنے شروع کر دیئے تھے۔

جیسے ہی بس سٹارٹ ہوئی۔ سوامی مہاراج کی ایجنٹوں نے جو ڈرائیور کے پیچھے والی سیٹوں پر قابض تھیں اپنے ہاتھوں میں پکڑے لوہے کے چمٹے اور چھنے بجاتے ہوئے بھجن الاپنا شروع کر دیا۔ بس کے مسافران کے ہم آواز تھے۔ شیر عالم نے محسوس کیا کہ اسی کی طرح مسٹر اور مسز ورما بھی بادل نخواستہ ہی آہستہ آہستہ گنگنا رہی تھیں۔

تینوں کو ڈر لگا تھا کہیں منوں دوبارہ نہ جاگ جائے......!!

یاتریوں کی بس مندر سے ملحقہ چھوٹی سی سڑک کے ذریعے فتح پور کے بازار کی طرف جا رہی تھی۔ ابھی یہ لوگ امرتسر کی طرف جانے والی سڑک پر چند فرلانگ ہی آگے چلے تھے کہ اچانک ڈرائیور کو بس روکنا پڑی۔

یاتریوں کا جوش وخروش اب کچھ ٹھنڈا پڑنے لگا تھا۔

یہ ''سی آر پی'' کا ناکہ تھا......

بھارت کی سنٹرل ریزرو پولیس کی متعدد کمپنیوں نے سارے علاقے کو گھیرے میں لے رکھا تھا اور ہر آنے جانے والی بس کی تلاشی لینے کے بعد ہی اسے آگے جانے کی اجازت دیتے تھے۔ یہ بس سوامی مہاراج کے آشرم کی ملکیت تھی اور اس کے چاروں طرف گیروی رنگ کے بڑے بڑے بینر آویزاں تھے۔ عام پولیس کو شاید اس طرف توجہ دینے کی بھی ضرورت نہ پڑتی۔ لیکن خدا جانے ان لوگوں کو کتنی سخت ہدایات ملی تھیں کہ ''سی آر پی'' والوں نے بس کے اندر نظر ڈالنا ضروری سمجھا۔ جہاں ''بملا ماتا کے پجاری'' بڑے انہماک سے بھجن الاپ رہے تھے دوسرے ہی لمحے بس کو جانے کی اجازت مل گئی۔

شیر عالم اس خوش قسمت گھڑی کو یاد کر کے خدا کا بار بار شکر ادا کر رہا تھا۔ جب اس نے نزدیکی مندر سے اس یاتری کا اعلان سن لیا تھا اور اس کے ذہن نے فوراً اس سے فائدہ اٹھانے کی ٹھانی تھی۔ اسے اس بات کا یقین ہو چلا تھا کہ آج رات اور اگلے چند دنوں تک بھارتی انٹیلی جنس اس

سارے علاقے کو اپنے محاصرے میں لئے رکھے گی اور اگر وہ یہیں رہ جاتے تو کسی بھی لمحے اپنی معمولی سی غلطی کے سبب دوبارہ قابو آ سکتے تھے۔

بس کا پہلا پڑاؤ پٹھان کوٹ تھا......!!

اس شہر سے بھارتی صوبے ہریانہ، ہماچل اور پنجاب کو شاہرائیں پھوٹتی تھیں۔ان لوگوں نے یہاں سے شہر جانا تھا۔سفر طویل تھا لیکن بہتر موسم کی وجہ سے مسافروں کو امید تھی کہ وہ وقت سے شملہ پہنچ جائیں گے۔پٹھان کوٹ جب وہ لوگ پہنچے تو رات ڈھل چکی تھی۔

بس ڈرائیور نے صبح تک یہیں رکنے کا شردہ سنایا اور مسافروں سے حوائج ضروریہ سے فارغ ہونے کا کہہ کر بس سے باہر چلا گیا۔کچھ یاتری وہیں بس کی سیٹوں پر ٹک گئے اور کچھ باہر آ گئے۔

ننھا منوں بیدار ہو چکا تھا......

اس کے والدین کو شیر عالم نے اس کی فکر سے بے نیاز کر دیا تھا اور اب مسٹر اور مسز ورما کے ساتھ بس سٹینڈ میں واقع اس ''ڈھابے'' (ایسا ہوٹل جہاں صرف سبزیاں اور دال پکائی جاتی ہے) کی طرف جا رہا تھا جہاں انہیں چائے پی کی خود کو تازہ دم کرنا تھا۔

بس سٹینڈ کے نزدیک کسی مندے کے سپیکر جاگنے لگے تھے۔

صبح کی آمد آمد تھی۔

مسافروں کی آمد و رفت میں اضافہ ہونے لگا تھا۔دونوں نے اندازہ کر لیا تھا کہ بس سٹینڈ پر سیکورٹی انتظامات بہت سخت ہیں۔سفید کپڑوں میں ملبوس پولیس اہلکار ہر مسافر پر نظر رکھے ہوئے تھے۔

عالم نے منوں کو گود اٹھائے رکھنا ہی مناسب جانا جبکہ بشیر کوشلیا کے اتنے قریب ہو کر چل رہا تھا جیسے انہوں نے کل ہی شادی کی ہو اور آج ''بملا ماتا'' کی یاترا کو چل دیئے ہوں۔عالم نے دونوں میاں بیوی کی ''ناں ناں'' کرنے کے باوجود چائے کے نام پر اچھے خاصے ناشتے کا آرڈر دے دیا تھا......دونوں بہت جھجک کر کچھ کھا رہے تھے جبکہ شیر عالم انہیں بار بار کھانے کی ترغیب دے رہا تھا۔ناشتے کے خاتمے پر وہ ہاتھ دھونے کے بہانے اٹھا اور کاؤنٹر پر جا کر بل ادا کر آیا۔

گورمیل سنگھ نے ان کے لئے بڑی خطیر رقم کا بندوبست کر دیا تھا۔یوں بھی اب وہ آزاد تھا اور جب چاہتا پیسے حاصل کر سکتا تھا۔اس مرحلے پر اسے ان دونوں کی ہمدردی کی بہت ضرورت تھی اور ہندو معاشرے میں توجہ اور محبت حاصل کرنے کے لئے اس سے بہتر ہتھیار اور کوئی نہیں تھا۔

''اس کی کیا ضرورت تھی بھائی صاحب......آپ نے ہم پر بڑا بوجھ ڈال دیا'' سانولے رنگ کی تیکھے نقوش والی مسز ورما نے کہا۔

''بھائی بھی کہتی ہو اور بوجھ بھی سمجھتی ہو۔شیر عالم نے اس پر صدقے واری ہوتے جواب دیا۔

''ارے نہیں بھائی صاحب کچھ ہمارا بھی تو حق بنتا ہے''۔مسز ورما نے بھی حاضری لگائی۔

''آپ کی باری بھی آ جائے گی۔فی الوقت گاڑی میں بیٹھئے۔اس نے دونوں میاں بیوی کو بس کی طرف بھیج دیا۔جو اس سے زیادہ جلدی اپنی سیٹ تک پہنچنا چاہتے تھے کیونکہ بس میں ان کا سامان موجود تھا۔

دونوں بس میں بیٹھ گئے۔منوں کو اس نے دونوں کے ساتھ بھیج دیا تھا اور اب دوبارہ اسی ڈھابے کی طرف جا رہا تھا جہاں کوشلیا اور بشیر بیٹھے تھے......کوشلیا کے سامنے ناشتے کے نام پر کھانے کی اشیاء کا انبار لگا تھا اور وہ اردگرد کے ماحول سے بے خبر اپنے کام میں مصروف تھی جبکہ بشیر اسے بڑے انہماک سے کھاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

شیر عالم کو اپنی طرف آتے دیکھ کر وہ اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔عالم اس کے نزدیک ہی آ کر بیٹھ گیا تھا۔

''کہاں غائب ہو گئے تھے تم......اچھا اس کی بیوی کو لائن مار رہے ہو گے''۔موٹی کوشلیا نے بے تکلفی سے کہہ دیا۔

''ہرے رام......ہرے رام۔ایسے شبد منہ سے نہ نکالو سندری''......شیر عالم نے بھی ماحول کو غیر سنجیدہ ہی رہنے دیا۔

خدا جانے بشیر نے اپنا اور اس کا تعارف کس طرح کروایا تھا جو اس موٹی نے بڑی بے تکلفی سے یہ بات کہہ دی تھی۔

''بھئی اپنے یار کی یہ خوبی ضرور ہے کہ کسی کے مال پر آنکھ نہیں رکھتا''......بشیر نے اس کی صفائی پیش کی۔

''ہم ذرا داؤ لگا کر سگریٹ کے دو دو کش لگا لیں۔تم ناشتے سے فارغ ہو کر بس میں چلی جانا......اور ہاں یہ بل ادا کر دینا''......

بشیر نے کوشلیا کو مخاطب کرتے ہوئے اس کے آگے سو کا نوٹ رکھ دیا۔

کوشلیا نے پہلے تو حیرت سے اس کی طرف دیکھا پھر ندیدے بچوں کی طرح دانت نکالتے ہوئے نوٹ پکڑ کر اپنی انگیا میں اڑس لیا۔ شاید اس سے زیادہ محفوظ جگہ اس نوٹ کے لئے اور کوئی نہیں تھی۔

بشیر اسے اپنی اور عالم کی امارت کے قصے سنا کر خاصا مرعوب کر چکا تھا۔ کوشلیا نے جب آشرم میں داخلہ لیا تھا تو وہ ایک سمارٹ بھارتی سندری تھی۔ لیکن سوامی مہاراج کا قرب حاصل کرنے کے چکر میں وہ اس بُری طرح پھنسی تھی کہ سوامی مہاراج تک پہنچتے پہنچتے اس کی آتما تو ختم ہو گئی تھی۔ جسم نے بھی جواب دینا شروع کر دیا تھا۔ چونکہ گزشتہ دس سال سے وہ اس آشرم سے منسلک تھی اور سوامی مہاراج کے چیلوں کا دل بہلاتی آ رہی تھی۔ اس لئے اب یہ اس کا مستقل گھر بنتا جا رہا تھا۔ جہاں کے بہت سے اندرون خانہ راز اس کو معلوم تھے۔ ان کا کچھ حصہ اس نے راستے میں بشیر کو اعتماد میں لے کر بتایا تھا۔

''ارے کیا پڑھا دیا ہے...... سالی بڑی بے تکلف ہو رہی ہے۔'' اس نے بشیر سے الگ ہوتے ہی دریافت کیا۔

''عالمے! یہ بڑی مظلوم عورت ہے''......

''بے چاری''...... عالم نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا......'' اس کی بے چارگی کا کچھ اندازہ تو میز پر لگے ڈھیرے سے ہی ہو رہا تھا۔ باقی اب تمہیں ملنے کے بعد ہو گیا ہے......'' یار کبھی تو سیریس ہو جایا کرو۔ میری بات سن لو پھر مذاق بھی اڑا لینا۔ کوشلیا دس سال سے اس آشرم سے وابستہ ہے۔ سوامی مہاراج بڑا بدمعاش آدمی ہے اور حکومتی حلقوں میں بڑے اثر ورسوخ کا مالک بھی۔ بلا کا زانی اور شراب نوش، اس کی ہوس کا نشانہ بننے کا ''اعزاز'' کوشلیا کو بھی حاصل رہا ہے۔ میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ سوامی اپنے گرد غلط کاروں کا جال بنائے رکھتا ہے۔ کوشلیا کی گفتگو سے مجھے یہ اندازہ بھی ہوا کہ جرائم کی دنیا میں جس کی جتنی زیادہ مہارت اور عزت ہو اسے سوامی مہاراج کا اتنا ہی زیادہ قرب نصیب ہوتا ہے۔ چونکہ اس سالی کا رابطہ سوامی کے مشٹنڈوں سے رہتا ہے۔ میں نے اس کو بھی اپنے اور تمہارے متعلق یہی تاثر دیا ہے کہ ہم کوئی معمولی قسم کے غنڈے نہیں بلکہ بین الاقوامی طور پر بھی ہاتھ مارتے رہتے ہیں۔ ہم تو اپنے پاپ دھونے کے لئے کبھی کبھی اس طرح کی یاترا کر لیا

کرتے ہیں تا کہ منہ کا ذائقہ بھی بدلتا رہے...... ابھی کچھ نہ کہنا پہلے میری بات سن لو...... اگر ہماری شہرت سوامی مہاراج کے کانوں تک کوشلیا کے ذریعے پہنچ گئی تو ہمیں اس کا قرب حاصل ہو جائے گا اور کسی کو ہماری طرف میلی آنکھ سے دیکھنے کی جرأت بھی نہیں ہو گی...... عالمے تمہیں تو علم ہے کہ اچانک بھارت میں آزادی پسند تحریکوں نے زور پکڑ لیا ہے۔ خصوصاً پنجاب، مقبوضہ کشمیر، ہریانہ، ہماچل اور یو پی میں پولیس اور انٹیلی جنس نے بڑے سخت بندوبست کر رکھے ہیں...... ہمیں کم از کم ایک مہینہ یہاں گزارنا ہے۔ جس کے لئے ضروری ہے کہ ہم کوئی مضبوط کور cover بنائے رکھیں...... تم نے دیکھ لیا ہے کہ یہاں تک دوران سفر ہم کئی مرتبہ چیک ہوئے ہیں، یہ تو آشرم کی بس ہے اور سوامی مہاراج کی وجہ سے پولیس والے یاتریوں کو کچھ کہتے ڈرتے ہیں۔ عام بسوں کے مسافروں کو باہر نکال کر ان کی تلاشی لی جاتی ہے اور معمولی شک پڑنے پر ان کے سامان کی بھی تلاشی لی جاتی ہے۔ مجھے کوشلیا نے بتایا ہے کہ عام لوگ تو اب گھر سے نکلتے ہوئے خوفزدہ رہتے ہیں...... عالمے! پولیس کو دلی سرکار نے اتنے زیادہ اختیارات دے رکھے ہیں کہ خدا کی پناہ! معمولی شک گزرنے پر یہ لوگ کسی کو بھی گولی مار دیتے ہیں۔ خواہ بعد میں وہ سچا ہی کیوں نہ نکلے......'' بشیر نے اسے صورتحال کی نزاکت سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔

''لیکن یہ بھی تو ممکن ہے کہ سوامی مہاراج ہم پر ہی شک نہ کرنے لگے'' شیر عالم نے اپنا عندیہ ظاہر کیا۔

''یوں تو کچھ بھی ممکن ہے۔ یہ بھی تو ممکن ہے کہ ہم دونوں کو یہاں کھڑے دیکھ کر کوئی پولیس والا ہی نہ آ جائے۔ لیکن اپنے ذہن سے سوچ کر میں نے بہترین راہ اپنائی ہے۔ تم بے فکر رہنا کوشلیا میرے ہاتھوں میں ہے اور میں اس بلا کا بہترین استعمال کروں گا''...... بشیر نے کہا۔

''ٹھیک ہے یوں بھی ہمیں خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑنا ہے خدا کے بھروسے پر ہی آگے بڑھنا ہے...... اچھا اللہ بہتری کرے۔ میرے خیال میں دونوں میاں بیوی جلدی واپس بھاگ جائیں گے۔ شاید آشرم میں ایک ہفتہ بھی نہ گزار سکیں۔ ''بملا یاترا'' کر کے کھسک جائیں، اس لئے ان کا سہارا بھی عارضی ہی ہے...... کوشش کرو ہمیں سوامی کے خاص طبقے تک رسائی حاصل ہو جائے''...... عالم نے کہا۔

''انشاءاللہ ایسا ہی ہو گا''......

بشیر نے دور ہی سے کوشلیا کو ہوٹل سے باہر آتے دیکھ لیا تھا اور اب وہ عائلے کو کچھ ہدایت اگلے سفر کے متعلق دے کر کوشلیا کی طرف جا رہا تھا......

''شیر عالم بس میں داخل ہوا تو اس نے فروٹ کا ایک تھیلا ہاتھ میں تھام رکھا تھا۔ ننھے منوں کی دلچسپی کا سامان اس سے سوا تھا۔ اس کے ہاتھوں پر نظر پڑتے ہی دونوں میاں بیوی پھر اس کی شخصیت سے متاثر ہو گئے۔

''اوہو! یہ کیا بھائی صاحب...... آپ تو کمال کرتے ہیں'' مسٹر ورما نے کھڑے ہو کر اس کا استقبال کیا۔

''جو کچھ نہیں کرتے کمال کرتے ہیں''......شیر عالم نے فروٹ اسے تھماتے ہوئے کہا...... ''ابھی ہم نے لمبا سفر کرنا ہے، بچے کا ساتھ ہے راستے میں یہ کام آئے گا...... اور ہاں دیکھئے ورما جی! اب برائے مہربانی مجھے یہ احساس اپنی کسی بات سے نہ دلایئے کہ میں اور آپ اجنبی ہیں مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے کسی پچھلے جنم میں ضرور مسز ورما سے میرا کوئی رشتہ رہا ہے۔ یہ آتما کا کسی کی طرف کھنچے چلے جانا یوں ہی نہیں ہوتا......''

اس کی بات کے خاتمے پر مسٹر ورما نے قہقہہ لگایا۔ شاید شیر عالم کو بھی سمجھ نہیں آئی تھی کہ اس نے کیا کہہ دیا ہے۔

مسز ورما کے چہرے پر پھیلی معصومیت گہری ہو گئی تھی۔

اس کا سنولاہٹ پن مزید نکھرنے لگا تھا۔

شیر عالم کی بات سن کی اس کی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی تھی۔ ساری رات مسلسل جاگنے اور کبھی کبھی اونگھنے سے اس کی سیاہ آنکھوں میں سرخ ڈورے اتر آئے تھے اور اس کا سانولا کتابی چہرہ بنگال کی ان ''وش کنیاؤں'' جیسا ہونے لگا تھا جن کا سارا جیون کسی آشرم کے سوامی یا مندر کے پروہت کی بھینٹ چڑھ جاتا ہے۔ احساس تشکر سے اس نے اپنی آنکھیں مکمل کھول کر شیر عالم کی طرف دیکھا اور پھر انہیں جھکا لیا......!

آٹھ گھنٹے کے تھکا دینے والے سفر کے بعد بالآخر وہ تھکے ہارے شملہ پہنچ گئے...... اسی درمیان دونوں میاں بیوی الگ الگ سیٹوں پر باری باری سو کر قدرے نیند پوری کر چکے تھے۔ ننھا منوں کبھی سو جاتا اور کبھی جاگ پڑتا۔ لمبے سفر نے اسے اکتا دیا تھا۔ لیکن اپنی تمام پوشیدہ صلاحیتیں

بروئے کار لا کر شیر عالم نے اسے سنبھالے رکھا تھا۔ راستے میں دو تین جگہ رُک کر انہوں نے کھانا کھایا اور چائے پی تھی۔ اس سارے سفر میں شیر عالم نے ان کا ایک پیسہ بھی خرچ نہیں ہونے دیا تھا۔ سفر کے خاتمے پر وہ شیر عالم سے اتنے زیادہ مانوس ہو چکے تھے کہ اسے اپنا ہی حصہ سمجھنے لگے تھے۔ شملہ شہر کے باہر ایک پہاڑی کے دامن میں مہاراج سوامی کا آشرم چالیس پچاس ایکڑ کے رقبے پر پھیلا ہوا تھا اور اب تمام یاتری بس سے اتر کر پہاڑیوں میں بنی سیڑھیوں کے ذریعے اسی طرف جا رہے تھے۔

O

انہوں نے دو کمرے آمنے سامنے لے لئے تھے۔

یہاں جدید سہولیات کے ساتھ سینکڑوں کمرے قطار در قطار موجود تھے۔ جہاں ملک کے کونے کونے سے سوامی مہاراج کے پیروکار آ کر قیام کرتے تھے۔ اس آشرم میں رہنے والوں کی جملہ ضروریات یہیں پوری کی جاتی تھیں۔ یاتریوں کو صبح شام سوامی مہاراج کے درشن ہوتے تھے جب وہ لیکچر دیا کرتے تھے۔ ان کے چیلے اور چیلیاں سوامی مہاراج کے تازہ مریدوں کو یوگا کے مختلف آسن بتایا اور اُن کی پریکٹس کروایا کرتے تھے۔

ایک کمرے میں کوشلیا، بشیر اور شیر عالم ٹھہرے ہوئے تھے اور دوسرے کمرے میں مسٹر اور مسز ورما اپنے بچے کے ساتھ قیام پذیر تھے۔ ننھا منوں شیر عالم کے ساتھ کچھ زیادہ ہی انس محسوس کرنے لگا تھا اور شیر عالم کو بادل نخواستہ ہی سہی دن کا کچھ حصہ ان کے ساتھ گزارنا پڑتا تھا۔

''بھائی صاحب آپ نے تو اس کی عادتیں خراب کر دی ہیں۔ اب یہ ہمارے لئے مصیبت بنا رہے گا''......

جانے کتنی مرتبہ، یہ بات سانولے رنگ کی مسز ورما نے اسے کہی تھی۔

''بے فکر رہئے...... میں اب آپ کو چھوڑنے والا نہیں، وہاں فتح پور میں بھی آپ کے پاس آتا جاتا رہوں گا۔ ارے فاصلہ ہی کتنا ہے۔ ایک گھنٹے کا تو سارا سفر ہے۔''...... وہ جواب دیتا۔

کوشلیا کو آشرم کے اس خاص حصے میں جانے کی اجازت تھی جہاں ان میں سے اور کوئی نہیں جا سکتا تھا۔ یہ حصہ مہاراج سوامی کے خاص چیلوں کے لئے کھلا تھا۔ اس آشرم میں ایسی جگہیں بھی تھیں جہاں کوئی نہیں جا سکتا تھا۔ ان جگہوں کے متعلق بہت سی کہانیاں اخبارات میں چھپتی رہتی تھیں۔ لیکن آج تک کسی کو یہ ہمت نہیں ہوئی تھی کہ کھل کر کچھ کہہ سکے۔

دونوں معمول کے مطابق دو تین دن سے صبح شام مہاراج سوامی کے لیکچر سنتے تھے۔ شیر عالم نے تو اب یوگا کی مشقوں میں حصہ لینے کا فیصلہ بھی کر لیا تھا......

آشرم چونکہ شہر سے کچھ فاصلے پر بنایا گیا تھا اس کا رابطہ ایک طرح شہر سے کٹا ہوا تھا۔ یوں بھی آشرم میں آنے والوں کو شہر میں گھومنے پھرنے کی مہلت نہیں ملتی تھی۔ ایک تو وہ خود پر اخلاقی پابندی عائد کر لیتے تھے کہ یہاں وہ ''نام جاپ'' کے لئے آئے ہیں۔ بھگوان کی بھگتی کرنے کے لئے آئے ہیں، سیر کرنے کے لئے نہیں آئے، دوسرے یہاں آنے کے بعد انہیں کسی ضرورت زندگی کی کمی ہی محسوس نہیں ہونے دی جاتی تھی۔

آشرم پہاڑی سلسلوں کے درمیان بڑی مہارت سے کھڑا کیا گیا تھا۔ ایک طرف طویل و عریض درختوں کی قطاریں تھیں جسے ایک طرح کا جنگل ہی کہا جا سکتا ہے۔ باقی تینوں اطراف بے آباد پہاڑیاں تھیں البتہ چاروں طرف سے سڑکیں اس طرف ضرور آتی تھیں جو مہاراج سوامی نے اپنے اثر و رسوخ سے بطور خاص بنوائی تھیں۔

کوشلیا نے آج شام ہی انہیں مطلع کیا تھا کہ اس نے گیتا نجلی کو اعتماد میں لے کر ان کے متعلق اشارے کنائے سے بتایا ہے جس کا مطلب یہ تھا کہ انہیں جلد ہی مہاراج سوامی کی خدمت میں شرف باریابی حاصل ہونے والا ہے۔ انہوں نے سوامی مہاراج کو بے وقوف بنا کر اس کے ذریعے راجستھان کی سرحد سے نکلنے کے لئے ایک پلان بھی تیار کر لیا تھا۔ اگر یہ شخص غلط ہتھکنڈوں کے ذریعے دولت کے انبار لگا رہا تھا تو ان کا بہترین شکار ہو سکتا تھا۔

O

شام کے بعد شیر عالم آج پہلی مرتبہ بشیر کے ہمراہ اردگرد کے حالات کا جائزہ لینے جا رہا تھا۔ دونوں نے اپنی تربیت کے مطابق کسی پیش آمدہ مشکل سے نمٹنے کے لئے فرار کے راستوں کو پہلے سے مدنظر رکھا تھا۔

اس دروازے سے وہ اپنے کمروں کی مغربی سمت والے پہاڑی سلسلے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ پہاڑیوں میں مختلف حصوں میں بنی آشرم کی بلڈنگوں کے اندر روشنی ہو رہی تھی۔ ان کے بائیں ہاتھ بالکل آخری کونے میں بنی ایک بلڈنگ کے اندر روشنی بہت مدھم تھی۔ دونوں نے ٹہلتے ٹہلتے اسی طرف جانے کا فیصلہ کیا تھا تا کہ اس کونے سے اس طرف آنے اور جانے والے راستوں کا جائزہ

لے سکیں۔

دونوں دبے قدموں ایک دوسرے کے تعاقب میں جا رہے تھے اچانک ہی اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بشیر نے اسے روک دیا۔

''میرے خیال سے میں مخالف سمت کا جائزہ لوں تم اس طرف جاؤ۔ ہم دونوں کا اکٹھے ایک طرف جانا ٹھیک نہیں۔ اس طرح شک کیا جا سکتا ہے''...... بشیر نے کہا۔

''ٹھیک ہے یہی مناسب رہے گا''...... شیر عالم نے اثبات میں گردن ہلائی۔

بشیر بلی کی طرح دبے قدموں چلتا دوسری سمت گھوم گیا......

پہاڑی سلسلے میں اندھیرا اچھل رہا تھا اور سرچ لائٹس روشن نہ ہونے کے سبب قریب سے ہی کوئی نظر آ سکتا تھا دور سے دیکھنا ممکن نہیں تھا...... البتہ مختلف کونوں میں ہی عمارتوں سے کچھ روشنی چھن چھن کر ضرور باہر آ رہی تھی......!!

شیر عالم اپنی دانست میں چوکنا ہو کر بڑی احتیاط سے قدم دھرتا اس طرف جا رہا تھا۔ اس وقت اس کے ذہن میں سوائے اس کے اور کچھ نہیں تھا کہ وہ فرار کے راستوں کا جائزہ لے کر واپس آ جائے کیونکہ چاروں طرف سے پہاڑیوں میں گھرے اس آشرم میں کوئی بھی ناگہانی مصیبت آنے کی صورت میں انہیں کچھ اندازہ نہیں تھا کہ کس طرف منہ اٹھا کر بھاگیں۔ سوائے اس راستے کے جس پر چل کر وہ یہاں آئے تھے، جہاں تین چار لوہے کے بڑے بڑے پھاٹک لگائے گئے تھے جو رات کو مختلف اوقات میں بند کر دیئے جاتے تھے۔ یوں بھی اس راستے پر جگہ جگہ سوامی مہاراج کے حفاظتی دستے کے محافظ موجود رہتے تھے جو ملک کے چھٹے ہوئے بدمعاش تھے اور یہاں مہاراج سوامی کے چیلے بن کر حکومت کی نظروں سے چھپے بیٹھے تھے۔

اچانک ہی ہلکی ہلکی موسیقی کی آواز نے شیر عالم کو چلتے چلتے چونکا دیا۔

آشرم میں اس طرح کی بے ہنگم مغربی موسیقی اس کے لئے پریشان کن ضرور ہوتی، اگر اس نے اس سے پہلے مہاراج سوامی کی شخصیت کے متعلق ایک رائے نہ قائم کر لی ہوتی۔

اپنی جبلت کے ہاتھوں مجبور اب وہ اس بلڈنگ کی طرف جا رہا تھا۔ جس کی کھڑکیوں سے روشنی چھن چھن کر باہر آ رہی تھی۔ اس کی تیز نظروں نے ایک ایسے کونے کا انتخاب کر لیا تھا جہاں اپنے قدم جما کر وہ ایک روشندان سے اندر کے منظر کا نظارہ کر سکتا تھا۔

بڑی احتیاط سے قدم رکھتا بالآخر وہ اس جگہ تک پہنچ گیا......اب مضبوطی سے اپنے قدم جما کر وہ اس کمرے کے روشندان کے ذریعے اندر جھانک رہا تھا......!! جہاں سے موسیقی کی لہریں بلند ہو رہی تھیں۔

یہ کمرہ شاید کسی پہاڑی ٹیلے پر بنایا گیا تھا کیونکہ اس کی چھت پہاڑی سطح سے ٹکرا رہی تھی جبکہ دوسری طرف اس کی کھڑکیاں جنگل کی طرف کھلتی تھیں۔ اس بڑے سے ہال نما کمرے کا محل وقوع ایسا تھا کہ عام حالت میں تو یہ دکھائی ہی نہیں دیتا تھا۔

کمرے کے اندر کا منظر دیکھ کر شیر عالم کو اپنا سانس رکتا محسوس ہوا......!!

اس کمرے میں مشرق بعید کے ممالک سے تعلق رکھنے والے پانچ آدمی سوامی مہاراج کے ساتھ بیٹھے داد عیش دے رہے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں شراب کے جام پکڑے تھے اور سوامی مہاراج کی دیوداسیاں ان کے دل بہلانے کا اہتمام کر رہی تھیں۔ وہ سب نشے میں دھت تھے اور ہر ایک کے پہلو سے ایک نیم برہنہ سوامی مہاراج کی دیوداسی چمٹی ہوئی تھی۔

اچانک ہی شیر عالم نے یوں محسوس کیا جیسے کمرے کی ایک دیوار اپنی جگہ سے ہٹ رہی ہو اس کے بائیں ہاتھ والی دیوار تھوڑی سی سرک گئی تھی۔ بالکل اسی انداز میں جیسے فلموں میں ہوا کرتا ہے۔ اس خلاء سے روشنی پھوٹی اور اس مرتبہ جو منظر شیر عالم نے دیکھا وہ انسانی وحشت و بہیمیت کا ایسا مظاہرہ تھا کہ اسے اپنا آپ زمین میں دھنستا دکھائی دینے لگا۔

تین نوجوان لڑکیوں کو جن کے لباس تار تار تھے۔ مہاراج سوامی کے درندوں نے مہمانوں کے قدموں میں اس طرح دھکے دے کر پھینکا جیسے ان کی حیثیت یہاں موجود وحشیوں کے غلاموں کی سی ہو۔

یوں دکھائی دیتا تھا جیسے ان بدقسمت لڑکیوں کو یہ لوگ اپنی درندگی کی بھینٹ چڑھانے کے لئے کہیں سے اٹھا لائے تھے یا پھر ان کے عقل کے اندھے ضعیف الاعتقاد والدین نے انہیں مہاراج سوامی کی ''سیوادار'' بنانے کے لئے مہاراج سوامی کے ان وحشی درندوں کے حوالے کر دیا تھا۔ لڑکیوں کے جسموں پر ضربات کے نشانات نمایاں تھے۔ شاید ان وحشیوں نے انہیں یہاں لانے سے پہلے اس گھناؤنے فعل پر آمادہ کرنے کے لئے ان پر تشدد بھی کیا تھا۔ شیر عالم محسوس کر رہا تھا کہ لڑکیوں پر اتنا جبر کیا گیا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے شاید سانس بھی نہیں لے پا رہی تھیں۔

دیوار اپنی جگہ واپس آ گئی......!

جو درندے انہیں یہاں پھینک گئے تھے وہ دیوار کے پیچھے اسی طرح غائب ہو گئے جیسے ایکا یک نمودار ہوئے تھے۔

ان بے کسی اور بے چارگی کی وحشت زدہ تصویروں کو دیکھتے ہی یہاں موجود ذہنی جنسی مریضوں نے وحشیوں کی طرح قہقے لگانا شروع کر دیئے۔ یوں دکھائی دے رہا تھا جیسے آدم خور جنگلیوں کو بڑی مدت کے بعد انسانی گوشت نصیب ہوا ہے......!!

اگلا منظر اس سے بھی زیادہ کراہت آمیز تھا جب زمین پر گری بے بس لڑکیوں پر یہاں پہلے سے موجود سوامی مہاراج کی برہنہ دیوداسیاں چیختی چلاتی ہوئی جھپٹ پڑیں، انہیں سر کے بالوں سے پکڑ کر اٹھانا اور ان کے جسموں پر رہے سہے کپڑے پھاڑنا شروع کر دیئے۔

مظلوم اور مقہور لڑکیوں نے خوف اور دہشت سے چلانا شروع کر دیا۔ روتے ہوئے ان کے حلق سے ڈھنگ سے آواز بھی نہیں نکل پا رہی تھی۔

یوں لگتا تھا جیسے یہاں رومن اکھاڑہ لگا ہو......!!

سوامی مہاراج کی دیوداسیاں پاگلوں کی طرح چیخ چلا رہی تھیں۔ ان کی چیخوں نے مظلوم لڑکیوں کو مزید دہشت زدہ کر دیا تھا۔

اچانک سوامی مہاراج اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''ہری اوم......ہری اوم......''

اس کے منہ سے یہ الفاظ نکلنے کی دیر تھی کہ یہاں موجود وحشی خونخوار درندوں کی طرح لڑکیوں پر جھپٹ پڑے......

وہ ان کے بدن پاگل کتوں کی طرح نوچ رہے تھے اور مہاراج سوامی کی دیوداسیاں معمولی مزاحمت کرنے والی لڑکی کو جکڑ کر شکاری کتے کے سامنے کر دیتی تھیں۔ اس منظر کو مزید دیکھنے کی تاب شیر عالم میں باقی نہیں رہی تھیں......

اس کا دماغ شل ہو رہا تھا......

کان سائیں سائیں کرنے لگے تھے......

شیر عالم کو اپنے کانوں سے آگ نکلتی محسوس ہو رہی تھی۔

اسے یوں لگا جیسے وہ کسی آدم خور قبیلے کے جزیرے میں موجود ہو۔ سوامی مہاراج اور اس کی چنڈال چوکڑی اسے ایسی بدروحوں کی طرح دکھائی دے رہی تھی جو دن کو تو عام انسانوں کی شکل میں گھومتے ہیں اور رات کو خون پینے والی بلاؤں کا روپ دھار لیتے ہیں......!! شیر عالم بڑے مضبوط جسم اور دل و دماغ کا نوجوان تھا۔ لیکن پہاڑی سے اترتے ہوئے اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ اسے اپنی آنکھوں میں جلن کا احساس ہونے لگا تھا۔

وحشت و بہیمت کے ایسے مناظر کسی ہندو سوامی کے آشرم ہی میں دیکھے جا سکتے تھے۔ انسانی بہیمت کی ایسی نظیر تو اسے درندگی کی تاریخ میں بھی نہیں مل سکتی تھی۔

O

اپنی دانست میں بہت چوکنا ہو کر وہ پھونک پھونک کر قدم رکھتا اس سرائے کی طرف جا رہا تھا جہاں سے وہ اس جہنم کی طرف آیا تھا۔ ابھی وہ بمشکل سات آٹھ قدم ہی چل پایا تھا جب اچانک ایک ٹارچ کی روشنی اس کے منہ پر پڑی۔

شیر عالم کی آنکھیں چندھیا کر رہ گئیں......!!

چند سیکنڈ کے لئے تو وہ اندھا ہی ہو گیا لیکن جیسے ہی وہ کچھ دیکھنے لائق ہوا سامنے موجود شکل پر نظر پڑتے ہی اس کے دل کی دھڑکن بے قابو ہونے لگی......اس کے اوسان خطا ہو رہے تھے۔ یہ گیتا نجلی تھی......!!

شیر عالم نے اندازہ کر لیا کہ وہ پھنس چکا ہے اور معمولی سی کمزوری کا مظاہرہ اسے زندہ درگور کروا دے گا۔ اس نے دوسرے ہی لمحے خود کو سنبھال لیا...... یہ اس کی زندگی کا فیصلہ کن مرحلہ تھا۔ اس نے گیتا نجلی کو اپنی چرب زبانی سے اعتماد میں لینا تھا۔ بصورت دیگر گلہ گھونٹ کر اسے مار دینا تھا۔ اگر گیتا نجلی کی مدد کے لئے کوئی آ جاتا یا اس کے ذریعے یہ بات سوامی مہاراج تک پہنچ جاتی تو وہ شیر عالم کو کتے کی موت مار دیتے۔

اس نے چند لمحوں ہی میں اپنا اعتماد بحال کر لیا۔

کسی چوکنے چیتے کی طرح اب وہ ہر قسم کی صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار تھا۔

''کیا کر رہے تھے تم یہاں؟'' گیتا نجلی کی آواز اس کے مضبوط ارادوں کی غماز تھا۔

''میرے خیال میں اب تم ٹارچ بجھا دو...... میں یہاں سے بھاگ تو سکتا نہیں لیکن ہم

اطمینان سے بات ضرور کر سکتے ہیں......اسی میں تمہارا بھی بھلا ہے اور میرا بھی''......

شیر عالم کے طویل اور بے مقصد جواب نے گیتا نجلی کو چند لمحوں ہی کے لئے سہی بوکھلا ضرور دیا۔

''کون ہو تم''......اس نے ٹارچ کا رُخ زمین کی طرف کر دیا تھا۔

''تم مجھے جانتی ہو گیتا نجلی''......شیر عالم کا اعتماد بحال تھا......''میں کون ہوں اس کا علم بھی تمہیں ہو چکا ہے لیکن میں اتنا گرا ہوا انسان نہیں ہوں کہ آدم خوری پر اتر آؤں، مہاراج سوامی کی طرح''......

''زبان سنبھال کر بات کرو۔ سوامی مہاراج کے متعلق اپنے دل و دماغ میں بھی کوئی غلط بات سوچنے والوں کو بڑی اذیت ناک موت ملتی ہے''......

شیر عالم کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ گیتا نجلی نے جتنا زور لگا کر یہ بات کہی ہے، اس میں گیتا نجلی کے دلی جذبات شامل نہیں۔

''میں جانتا ہوں پھر بھی اطلاع پہنچانے کا شکریہ۔ مجھے اس بات کا بھی علم ہے کہ تم جیسی خوبصورت اور باکمال عورت اگر چاہے تو لاکھوں دلوں پر راج کر سکتی ہے۔ چاہے تو اس ملک کی کسی بھی بڑی سے بڑی ہستی کے ساتھ شادی کر کے دولت، اقتدار، شہرت، عزت سب کچھ حاصل کر سکتی ہے...... میں جانتا ہوں کہ تمہیں کسی مجبوری نے ایسے وحشی درندے کے ساتھ رہنے پر مجبور کر رکھا ہے''......

''کس مجبوری نے......کیا کہہ رہے ہو تم''......گیتا نجلی نے اب ٹارچ بجھا دی تھی۔

''بلیک میلنگ''......شیر عالم نے اندھیرے میں تیر چلایا۔

''تت تم......''

''دیکھو گیتا نجلی......میں تمہارا دوست ہوں۔ میں نے تمہیں فتح پور میں پہلی مرتبہ نہیں دیکھا۔ میں نے آج سے تین ماہ پہلے تمہیں دیکھا تھا جب تم اسی آشرم میں آئی تھیں......'' اس نے گیتا نجلی کی بات کاٹ کر اس پر بھرپور نفسیاتی حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

''بیٹھ جاؤ میں نے کہا ناں کہ میں تمہارا دوست ہوں۔ میری پوری بات سن لو، پھر مجھے شوق سے گولی مار دینا......'' شیر عالم نے اسے ایک پتھر پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا، وہ خود بھی اس پتھر کے سامنے والے ایک پتھر پر بیٹھ گیا تھا۔

گیتا نجلی نے کسی سحر زدہ معمول کی طرح اس کے حکم کی پیروی کی تھی۔

''ہاں گیتا نجلی میں نے جس روز تمہیں پہلی مرتبہ دیکھا تھا اس روز سے میرا دل میرے قابو میں نہیں ہے۔ میں نے چاہا تھا کہ تمہیں اپنا حال دل بتا دوں لیکن رعب حسن کے سامنے میری زبان گنگ رہی۔ یوں بھی میں کوئی اچھا آدمی نہیں ہوں لیکن کب تک...... گیتا نجلی میری زندگی میں درجنوں لڑکیاں آئیں اور چلی گئیں لیکن میں ایک لمحے کے لئے بھی تمہیں دل سے اتار نہیں سکا......اور بے بس ہو کر کھنچا چلا آیا ہوں...... ہاں گیتا نجلی جان لو کہ میں تمہارے سوامی مہاراج پر ہزار بار لعنت بھیجتا ہوں میں یہاں کسی یاترا کے لئے نہیں صرف تمہارا قرب حاصل کرنے آیا ہوں۔ اس کمرے تک جانے کا مقصد صرف تمہیں دیکھنا تھا۔ میں کل سے اس آشرم میں دھکے کھاتا پھر رہا ہوں کہ مجھے تمہارا ٹھکانہ معلوم ہو جائے...... گیتا نجلی میں بُرا انسان ضرور ہوں لیکن وحشی نہیں...... میں نے زندگی میں دولت کسی پر جبر کر کے نہیں کمائی...... میں سمگلنگ کرتا ہوں لیکن انسانی زندگی سے اپنی ہوس نہیں مٹاتا...... تم نے پوچھا تھا یہاں کیا کر رہا ہوں۔ میں تمہیں ڈھونڈ رہا تھا...... اچھا ہوا تم مل گئیں...... میں تمہارے سوامی مہاراج کے کالے کرتوت دیکھنے نہیں نکلا، اس کمرے میں جو کچھ میں نے دیکھا۔ وہ بالکل غیر ارادی تھا۔ مجھے کسی سے کچھ نہیں لینا دینا...... میں نے تمہیں سب کچھ سچ سچ بتا دیا ہے، اب جو سلوک چاہو میرے ساتھ کر لو...... گیتا نجلی میں نے زندگی کے پانچ قیمتی سال سرحدوں کے آر پار سمگلنگ کرتے گزارے ہیں۔ میں کسی بھی صورتحال سے خوفزدہ نہیں ہوتا...... تم یہ نہ سمجھنا کہ میں بزدل انسان ہوں، میں چاہوں تو ابھی تمہیں اس راز سمیت جو تمہارے علم میں آ گیا ہے، دفن کر سکتا ہوں لیکن میں دل کے ہاتھوں مجبور ہوں...... تم جو بھی سلوک میرے ساتھ کرو گی، میں اس پر کبھی اُف بھی نہیں کروں گا...... تمہارا دل چاہے تو مجھے یہیں گولی مار دو...... دل چاہے تو اپنے سوامی مہاراج کے سامنے پیش کر دو......''

آخری کلمات ادا کرتے ہوئے اس نے اداکاری کی معراج کو چھو لیا تھا اور اپنی آواز ایسی گھمبیر بنا لی تھی جیسے ابھی رو دے گا۔

اب وہ اس طرح مسکینوں کی طرح گردن جھکائے بیٹھا تھا جیسے ابھی اگر گیتا نجلی نے اسے حکم دیا تو اپنے ہاتھوں خود کو گولی مار لے گا۔

''تم پاگل ہو...... احتیاط سے چلو ورنہ مارے جاؤ گے۔ تم ان لوگوں کے نزدیک کسی

کیڑے مکوڑے جتنی اہمیت بھی نہیں رکھتے...... سمجھے تم......'' گیتا نجلی بظاہر اسے ڈانٹ رہی تھی۔ لیکن شیر عالم محسوس کر رہا تھا کہ اس کے دل و دماغ میں ایک حشر برپا ہے اور وہ کوئی بھی فیصلہ نہیں کر پا رہی۔

''تمہیں کس گدھے نے اس طرف آنے کا مشورہ دیا تھا...... تمہیں کوشلیا نے نہیں بتایا، میں کہاں بسرام کرتی ہوں...... تمہارے متعلق وہ اشارے کنائے سے بہت کچھ بتا گئی ہے مجھے...... اسے کنٹرول کرو...... تمہیں مروا دے گی وہ موٹی...... تم!......''

اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ شیر عالم کو کیا کہے۔

شیر عالم نے جان لیا تھا کہ گیتا نجلی اندر سے ٹوٹ چکی ہے وہ مشرقی عورت کی کمزوری سے بخوبی آگاہ تھا۔

''میں جانتا ہوں تمہارے دل و دماغ میں کیا الجھن چل رہی ہے۔ گیتا نجلی، میں بھی نفسیات کا طالب علم ہوں...... میں نے اپنے کالج میں ہمیشہ ٹاپ کیا ہے...... میں پیدائشی بُرا انسان نہیں ہوں...... اور جو تم نے جان لیا ہے اسے بھی میں بُرائی نہیں مانتا...... تمہارے لئے دو ہی راستے ہیں یا میری محبت کو اپنا لو...... یا مجھے مار ڈالو......''

شیر عالم نے بڑے ڈرامائی لہجے میں کہا۔

''تم...... دیکھو گگن دیپ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی۔ فی الوقت بھگوان کے لئے تم یہاں سے چلے جاؤ، میں تمہاری منت کرتی ہوں۔ کسی بھی لمحے یہاں سوامی مہاراج کے حفاظتی دستے کا کوئی آدمی آ سکتا ہے...... ان لوگوں کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آ سکتی کہ اس طرف کوئی چڑیا بھی پر مار سکتی ہے...... اگر انہیں بھنک بھی لگ گئی تو تمہیں مار ڈالیں گے اور کوئی ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا...... تم خواب میں بھی نہیں سوچ سکتے کہ سوامی مہاراج کے ہاتھ کتنے مضبوط اور کتنے لمبے ہیں''...... اب تم جاؤ۔ بس کوئی اور بات نہ کرنا''......

''ایک وعدہ لینا چاہتا ہوں، جانے سے پہلے......''

''کیا''......؟

''کہ تم کم از کم دن میں دو مرتبہ مجھے اپنی شکل ضرور دکھاؤ گی''......

''جاؤ گگن دیپ جاؤ...... پاگل مت بنو......''

گیتا نجلی اچانک اٹھ کر کھڑی ہوگئی تھی۔ اس نے آہستہ سے شیر عالم کے کندھے پر دباؤ ڈال کر اسے کھڑے ہونے کا اشارہ کیا تھا۔ جیسے ہی شیر عالم اٹھ کر کھڑا ہوا، وہ ایک قدم پیچھے ہٹ گئی، پھر اچانک تیز تیز قدموں سے دوسری طرف چلی گئی۔

''خدایا تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے''...... شیر عالم بڑبڑایا۔

ابھی وہ چند قدم ہی چلا تھا، جب اپنے تعاقب میں اسے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ بجلی کی سی پھرتی سے وہ واپس گھوما۔

''بچ گئے بیٹا! بُرے پھنسے تھے۔ پر تمہاری چرب زبانی کام دکھا گئی...... بڑے خوش قسمت ہو میاں......''

یہ بشیر تھا......!

''تم کہاں سے آن ٹپکے......''

''میں نے اس سمت ٹارچ روشن ہوتے دیکھ لی تھی...... میرے دل نے کہا تھا کہ تم قابو آ گئے ہو۔ اپنی دانست میں تو میں تمہاری مدد کو آیا تھا کہ اگر ایک دو بندوں نے تمہیں قابو کیا ہے تو ان سے مل کر نمٹ لیں...... لیکن یہاں کا منظر دیکھ کر اپنی عقل پر ماتم کرنے کو جی چاہا...... بھئی کمال کے اداکار ہو......''

بشیر نے اسے داد دی...... لیکن بشیر محسوس نہ کر سکا کہ آج اس کا دوست شیر عالم کسی کمزور لمحے کی گرفت میں آ کر اپنی اداکاری میں کچھ حقیقت کا رنگ بھر گیا تھا۔ شیر عالم کو احساس ہوا کہ اس نے گیتا نجلی کو جو کچھ کہا تھا، ضرور اس میں کوئی بات اس کے دلی ارادوں کی نمائندگی بھی کر رہی تھی۔ گیتا نجلی کے چلے جانے کے بعد اسے واقعی یوں لگا جیسے اس نے گیتا نجلی سے سچ کہا ہو کہ وہ تو یہاں صرف اور صرف اس کے لئے آیا تھا۔

''یار اس موٹی کو ذرا قابو میں رکھو...... کہیں لینے کے دینے نہ پڑ جائیں''...... شیر عالم نے حقائق کی دنیا میں لوٹتے ہوئے کہا۔

''ہاں کچھ کرنا ہوگا''...... بشیر نے اس کی بات سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔

دونوں چپ چاپ اپنے کمروں تک آ گئے تھے......!

رات کا اسرار گہرا ہونے لگا تھا۔

شملہ کی ٹھنڈک گو کہ ابتدائی مراحل میں تھی لیکن برف کی طرح جسم کو کاٹتی تھی......

دونوں چپ چاپ اپنے کمرے میں آ کر لیٹ گئے۔ خیریت گزری کہ کوشلیا ابھی نہیں آئی تھی ورنہ وہ سوالات کر کے ان کا ناک میں دم کر دیتی۔

O

شیر عالم نے اپنی دانست میں گیتا نجلی کو قابو کر لیا تھا۔ لیکن ساری رات انہیں دھڑکا رہا۔ عین ممکن تھا کسی بھی لمحے گیتا نجلی کا ارادہ بدل جاتا اور وہ سوامی مہاراج کے غنڈے جو پجاریوں کے روپ میں یہاں موجود تھے اُن کی جان کو آ جاتے......!

صبح انہوں نے معمول کی عبادات میں شرکت کی، یہاں گیتا نجلی بھی موجود تھی۔ شیر عالم کے ساتھ اس کی نظریں جب بھی دو چار ہوتیں وہ مسکرا کر نظریں دوسری طرف پھیر لیتی۔

اس صورت حال نے دونوں کو قدرے مطمئن کر دیا تھا۔ بصورت دیگر دونوں نے آج ہی یہاں سے نکل جانے کا پروگرام بنا لیا تھا۔

عبادات کے بعد تمام پجاریوں کے ساتھ وہ بھی لنگر میں چلے گئے......

یہاں پجاریوں کو ''بھوجن'' دیا جا رہا تھا......

مہاراج سوامی کی داسیاں ہر پجاری کے سامنے تھالی رکھ کر اس میں کھانے پینے کی چیزیں ''پروس'' (رکھ) رہی تھیں۔

لنگر تقسیم ہو چکا تھا لیکن ابھی تک کسی نے کھانے کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ ''بھوجن'' کا آغاز ابھی نہیں ہوا تھا۔ جیسے ہی مہاراج سوامی نے وہاں ''پرویش کیا'' (قدم رکھا) پجاریوں نے ''ہری اوم...... ہری اوم'' کے جیکارے بلند کئے اور مہاراج سوامی کے اشارہ کرتے ہی بھوجن پر ٹوٹ پڑے۔

بھوجن کے خاتمے پر تمام بھگتوں کو ایک ہال کمرے میں جمع ہونے کو کہا گیا، یہاں مہاراج سوامی ان کے ساتھ خصوصی بات چیت کرنے جا رہے تھے......!!

سوامی جی نرم گدیلوں سے مزین ایک تخت پوش پر بیٹھ گئے اور ان کے عقیدت مندوں نے ان کے سامنے فرش پر بچھی دریوں پر بیٹھنا شروع کر دیا۔ یہ لوگ سوامی مہاراج کے سامنے نظر اٹھانے کی جرأت بھی نہیں کر سکتے تھے......

آج کے ''بھاشن'' میں سوامی جی نے بطور خاص اپنے ''بالکوں'' سے کہا تھا کہ وہ اس

آشرم کے ڈسپلن کی ہر طرح پابندی کریں اور یہاں کے کسی اصول کی خلاف ورزی نہ کریں۔ یہ ان کی تربیت کے لئے ضروری تھا کیونکہ سوامی جی کے ساتھ رہ کر اگر انہوں نے زندگی میں نظم وضبط نہ اپنایا تو پھر اُن کی ساری بھگتی بیکار جائے گی۔

''کہیں اسے کوئی شک تو نہیں پڑ گیا......'' شیر عالم نے بشیر کے کان میں سرگوشی کی

''خاموش رہو......'' بشیر نے اشارے سے یہاں موجود باقی یاتریوں کی موجودگی کا احساس دلاتے ہوئے کہا۔

کچھ دیر تک دونوں کا مغز چاٹنے کے بعد سوامی مہاراج اپنے سنگھاسن سے اٹھے اور جس دروازے سے اندر آئے تھے، اسی کے راستے باہر چلے گئے......!!

یاتری بھی اپنے کمروں میں واپس لوٹ آئے......

یہاں کے رواج کے مطابق سوامی مہاراج باری باری سب کو درشن دیتے تھے۔ اور ان کے آشرم میں آنے والے نئے مریدوں سے بھی وہ الگ الگ ملاقات کرتے تھے۔

ابھی انہیں اپنے کمرے میں بیٹھے تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی، جب موٹی کوشلیا وہاں آ گئی۔

''آج سوامی مہاراج تمہیں درشن دیں گے'' ......اس نے آتے ہی اپنی دانست میں انہیں خوشخبری سنائی تھی۔

دونوں ایک لمحے کے لئے بھونچکا کر تو رہ گئے......!

ابھی تک وہ ذہنی طور پر اس صدمے کے لئے تیار نہیں ہوئے تھے۔ قریباً آدھ گھنٹہ تک انہوں نے بڑی ردوقد کے بعد ایک کہانی گھڑی جو اچانک ملاقات کی صورت میں انہوں نے سوامی جی کے گوش گزار کرنی تھی۔

''یہ بھی تو ممکن ہے کہ ہمارا اندازہ غلط ثابت ہو'' ......بشیر نے خیال ظاہر کیا۔

''نہیں......اب اس مفروضے کی گنجائش نہیں رہی۔ میں نے اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھا ہے اگر میں نے نہ دیکھا ہوتا تو اس لائن پر سوچا جا سکتا تھا۔''

ابھی دونوں کسی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش ہی کر رہے تھے جب گیتا نجلی انہیں لینے کے لئے وہاں آ گئی۔ ''سوامی مہاراج نے آپ کو یاد کیا ہے۔'' گیتا نجلی نے شیر عالم سے نظر ملائے بغیر کہا۔

''ہمارا سوبھاگیہ (خوش قسمتی) ہے'' ......شیر عالم نے جواب دیا۔

گیتا نجلی کچھ اور کہنے کے بجائے انہیں اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کر کے باہر نکل گئی۔

دونوں تھوڑی دیر بعد مہاراج سوامی کے حضور حاضر تھے۔ مہاراج سوامی نے انہیں جس کمرے میں بلایا تھا۔ اس کی سج دھج دیکھ کر دونوں کو بخوبی اندازہ ہو گیا کہ کوشلیا کے ذریعے جو کہانی انہوں نے مہاراج سوامی کے کانوں تک پہنچانے کی کوشش کی تھی وہ ان کی مرضی کے مطابق پہنچ چکی ہے۔

دونوں نے جھک کر مہاراج کی قدم بوسی کی۔

''ہرے اوم......ہرے اوم......'' مہاراج سوامی نے دونوں کو اٹھنے اور سامنے والی کرسیوں پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''کون ہو تم لوگ اور یہاں کیوں چلے آئے ہو'' انہوں نے فوراً ہی سوال داغ دیا۔

''آپ کے چیلے ہیں مہاراج۔ من کی شانتی کے لئے آپ کے پاس آئے ہیں۔'' شیر عالم نے کہا۔

''تن کی شانتی ہے تمہارے پاس؟'' ......مہاراج نے براہ راست شیر عالم کی آنکھوں میں دیکھا تو اسے اپنے بدن کو بجلی کے کرنٹ کا جھٹکا لگنے کا احساس ہوا۔

''آپ تو دلوں کا حال جانتے ہیں۔ آپ سے تو کچھ چھپا نہیں'' اس مرتبہ بشیر نے کہا۔

''یہ بھی تو ممکن ہے کہ تم خفیہ پولیس کے آدمی ہو''۔ سوامی نے اچانک ہی انہیں بوکھلا دیا۔

''آپ جانتے ہیں مہاراج کہ یہ ممکن نہیں'' ......بشیر نے کہا۔

''پھر تمہارا ساتھی چھپ کر کیا دیکھنے گیا تھا'' ......اچانک ہی سوامی نے اس کے سر پر ہتھوڑا برسایا...... ''شاید تمہیں اس بات کا علم نہیں کہ اس عمارت کے کسی بھی ایک حصے سے دوسرے حصے کی طرف جانے والے کی مکمل حرکات پر ہماری نظر ہوتی ہے، یہاں شارٹ سرکٹ کیمروں کا خفیہ جال بچھا ہے تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ کسی بھی حساس نوعیت کمرے کے سامنے تم محفوظ ہو......''

ایک لمحے کے لئے تو زمین شیر عالم کے پاؤں تلے سرکتی محسوس ہوئی۔

''جانتے ہو میرے لئے دو ہی راستے تھے، ایک تو یہ کہ تم دونوں کو ابھی کتے کی موت مروا ڈالوں......اور دوسرا یہ کہ تمہیں اس گناہ کے پراسچت (کفارہ) کا موقعہ دوں......''

مہاراج سوامی نے کہا۔

کمرے میں تینوں کے علاوہ ایک اور شخصیت بھی موجود تھی اور وہ گیتا نجلی تھی، جو ایک کونے میں سر جھکائے مہاراج کے اگلے حکم کی منتظر بیٹھی تھی۔

"آپ جانتے ہیں سوامی کہ ہم یہاں کسی بڑے دھندے کی تلاش میں آئے تھے۔ ہم سرحدی علاقوں میں کام کرتے کرتے تنگ آ چکے ہیں اور اب انٹرنیشنل بزنس میں آنا چاہتے ہیں...... ہمیں امید تھی کہ اگر آپ کی آشیرواد مل جائے تو ہم ضرور دل کی مراد پالیں گے......"

شیر عالم نے سنبھل کر کہا۔

"کیا کر سکتے ہو تم؟" سوامی نے ان کو نظروں ہی نظروں میں پرکھنا چاہا۔

"ہم نے گزشتہ سال بزنس میں بہت نقصان اٹھایا ہے۔ کچھ قرضہ ہمارے سر پر ہے۔ دوسری طرف کا...... لیکن ہم اب بھی اس پوزیشن میں ہیں کہ سرحد پار سے اپنی مرضی یا آپ کے حکم کے مطابق مال حاصل کر سکیں۔" بشیر نے کہا۔

"تم نے ایڈریس غلط لکھایا تھا......" سوامی نے نجانے ان کے لئے کتنے داؤ ابھی سنبھال رکھے تھے۔

"آپ جانتے ہیں اس بزنس میں اصل ایڈریس نہیں لکھایا جاتا۔" شیر عالم نے فوراً ہی کہا۔

سوامی نے دونوں کی طرف دیکھ کر آنکھیں بند کر لیں۔

وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبا دکھائی دے رہا تھا۔ اس درمیان گیتا نجلی نے ایک دو مرتبہ نظریں اٹھا کر اُن کی طرف دیکھا تھا لیکن جیسے ہی اس کی نگاہیں شیر عالم سے ٹکراتیں، وہ اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیتی۔

قریباً ایک ڈیڑھ منٹ بعد جب ان دونوں کو یقین ہو چلا تھا کہ ان کے دلوں کی بے قابو دھڑکنیں اچانک رُک جائیں گی اور دونوں کی موت واقع ہو جائے گی، اچانک ہی سوامی نے آنکھیں کھول دیں۔

"میں اپنے دوستوں اور دشمنوں کو ایک موقعہ ضرور دیا کرتا ہوں۔ یوں بھی مجھے بندھا ہوا شکار مارنے میں مزا نہیں آتا...... تم دنیا کے کسی بھی کونے میں اگر مجھ سے بغاوت کا تصور بھی کرو گے...... مارے جاؤ گے...... اگر یہاں اچھے من سے آئے ہو تو بامراد لوٹو گے۔ اگر تمہاری نیت میں

کوئی فتور ہے تو بچ نہیں پاؤ گے...... اور ہاں یہ بات شاید تمہارے لئے نئی نہ ہو کہ میرا دوسرا روپ دیکھ لینے والے کو ہر وقت اپنی زبان اور آنکھیں میری طرف سے بند رکھنی پڑتی ہیں...... اگر تم اس ملکوں کی سڑکوں پر چیخ چلا کر بھی یہ کہتے رہو کہ میں شیطان ہوں تو کوئی گدھا تمہاری باتوں پر یقین نہیں کرے گا...... ہمارے بدیسی (غیر ملکی) دوست چاہتے ہیں کہ اب ہم "پاؤڈر" کا کام کریں...... ہمیں سرحد پار سے ہیروئن چاہئے۔ میں تمہیں صرف دو باتوں کی گارنٹی دیتا ہوں، جب تک میرے وفادار رہو گے...... فائدے میں رہو گے۔ تمہاری ہوا کی طرف بھی کوئی نہیں دیکھے گا...... لیکن جیسے ہی تمہارا دماغ خراب ہوا۔ ہوائیں تمہیں ڈس لیں گی...... اور دوسری گارنٹی یہ ہے کہ اگر اپنے دعوے کے مطابق تم نے ہماری ضرورت پوری کرنے کا اہتمام کر دیا تو چند پھیروں کے بعد ہی تم اتنے دولت مند ہو جاؤ گے کہ دنیا تمہارے قدموں تلے مختصر ہونے لگے گی......"

"جے ہو مہاراج کی...... سوامی مہاراج جی کی جے ہو"...... دونوں نے زندگی کی نوید ملنے پر سوامی مہاراج کے قدموں میں گرنے کی شاندار اداکاری کی۔

دونوں سوچ رہے تھے کہ اب کچھ دنوں تک ہی سہی، وہ بھارتی انٹیلی جنس کی گرفت سے محفوظ رہیں گے جس نے ان کی تلاش کا ہر ممکن راستہ اختیار کیا تھا اور جو انہیں گرفتار کرنا اپنے لئے چیلنج بنا چکے تھے۔ دونوں ہندی زبان سے اتنی شُد بُد رکھتے تھے کہ اخبارات کا مطالعہ آسانی سے کر لیں اور دونوں نے اخبارات میں اپنے فرار کی سنسنی خیز خبریں پڑھ لی تھیں۔ فی الوقت اس سے زیادہ محفوظ پناہ گاہ اُن کے لئے اور کوئی ہو ہی نہیں سکتی تھی۔

O

سوامی مہاراج نے تھوڑی ہی دیر بعد دونوں کو واپس جانے کی اجازت دے دی تھی۔ اس کے مزید کچھ نہ کہنے کے باوجود دونوں سمجھ گئے تھے کہ انہیں اس ملاقات کا تذکرہ کسی سے نہیں کرنا۔ یہ بات دونوں کے دل میں کہیں موجود تھی کہ اگر سوامی نے شیر عالم کو کمرے میں تانک جھانک کرتے واقعی اپنے خفیہ کیمروں کی مدد سے دیکھ لیا تھا تو انہیں یوں ہی زندہ نہیں چھوڑ دیا گیا۔ شاید سوامی مہاراج کو ہیروئن کی ضرورت تھی اور سرحد پار اس نے ابھی کوئی رابطہ نہیں بنایا تھا۔ عین ممکن ہے کہ وہ ان دونوں کو اس سلسلے میں کارآمد جان رہا ہو......

یہ بھی تو ممکن تھا کہ اس نے ان پر اپنا نفسیاتی دباؤ بڑھانے کے لئے انہیں زندہ چھوڑ دیا

ہو۔

سوامی مہاراج انہیں باور کروانا چاہتا تھا کہ دونوں کے جان لینے کے باوجود کہ اس کی اصلیت کیا ہے اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے۔

وجہ کچھ بھی رہی ہو...... دونوں نے وہ رات قدرے پُرسکون گزاری۔ اب انہیں سوامی مہاراج کی آشیرواد حاصل ہوگئی تھی اور یہاں سے پاکستانی سرحد تک وہ آسانی سے پہنچ سکتے تھے۔ جس کے بعد راستہ انہیں خود بنانا تھا......

انہیں اس آشرم میں دس دن ہونے کو آ رہے تھے اور دونوں کو امید تھی کہ اب سرحدی علاقے میں ان کی تلاش پہلے کی طرح زور شور سے جاری نہیں رہی ہوگی اور دشمن نے یہ باور کیا ہوگا کہ وہ سرحد پار کر چکے ہیں۔

اگلے روز پھر سوامی مہاراج نے انہیں شام کے بعد اپنے اسی کمرے میں بلایا جہاں اسے ایک مرتبہ غیر ملکیوں کے ساتھ شیر عالم نے دیکھا تھا۔

شام ڈھل رہی تھی جب گیتا نجلی انہیں لینے کے لئے آئی۔ اس نے صرف سوامی مہاراج کا پیغام ہی پہنچانے پر اکتفا کیا تھا، اس سے زیادہ کچھ نہ کہا۔ اس کی مسلسل خاموشی نے شیر عالم کو الجھن میں ڈال دیا تھا۔

''تم ناراض ہو مجھ سے'' اس نے چلتے ہوئے گیتا نجلی سے پوچھا۔

''نہیں''...... مختصر سا جواب ملا۔

''پھر بات کیوں نہیں کرتی تم......''

''میں نے سوامی جی کو کچھ نہیں بتایا تھا لیکن میں نے تمہیں کہا تھا کہ اس آشرم میں کچھ بھی ان کی نظروں سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ بھگوان کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ انہیں اس بات کا علم نہیں کہ جب تم واپس لوٹ رہے تھے تو میری ملاقات بھی تم سے ہوئی تھی...... مجھے امید ہے کہ یہ بات ان تک نہیں پہنچے گی...... کوشلیا سے خبردار رہنا''...... گیتا نجلی نے پہلی مرتبہ رُک کر اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''تم گھبرا رہی ہو...... اتنی پریشان کیوں ہو حالانکہ پریشان تو ہمیں ہونا چاہئے تھا''...... شیر عالم نے کہا۔

''تم نے اس روز سوامی جی کے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا تھا۔ کیا وہ صرف مجھے

پرکھنے کے لئے کہہ رہے تھے......'' گیتا نجلی نے بالآخر دل پر پتھر رکھ کر کہہ ہی دیا۔

''نہیں گیتا نجلی...... وقت آنے پر تم پر ساری حقیقت واضح ہوگی تو شاید تم سمجھ پاؤ۔ ہمیں اس مرحلے پر سوامی کی مدد درکار ہے''...... شیر عالم نے صفائی پیش کی۔

''ایک بات تو میرا دل بار بار مجھ سے کہہ رہا ہے کہ تم وہ نہیں جو نظر آ رہے ہو''...... گیتا نجلی نے اچانک ہی یہ بات کہہ کر ایک لمحے کے لئے تو دونوں کے دلوں کی دھڑکنوں کو بے قابو کر دیا تھا۔

''کون ہیں ہم''؟

اس مرتبہ بشیر نے اپنی تسلی چاہی۔

''تم جو کوئی بھی ہو...... ابھی میں کچھ نہیں بتاؤں گی...... لیکن وقت آنے پر تم جان لوگے کہ مجھے بھی تمہاری اصلیت کا علم تھا''۔

گیتا نجلی نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔

''تمہیں شاید کوئی غلط فہمی ہوگئی ہے...... بھئی ہم نے کب چھپائی ہے اپنی حقیقت۔ ہم اچھے لوگ نہیں ہیں...... بُرے لوگ ہیں۔ سمگلر ہیں، پولیس سے جان چھپائے پھر رہے ہیں۔'' شیر عالم نے وضاحت کی۔

''تم جھوٹ بول رہے ہو...... اور اب خاموش ہو جاؤ یہاں کی دیواروں کے ہی نہیں درختوں اور پتھروں کے بھی کان ہیں''......

گیتا نجلی نے انہیں حقائق کی دنیا میں واپس لاتے ہوئے کہا۔

دونوں خاموشی سے اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔

اب واقعی وہ ''حساس علاقے'' میں داخل ہو رہے تھے کیونکہ یہاں کچھ ''شردھالو'' (عقیدت مند) پہرے پر موجود دکھائی دے رہے تھے۔ ان کے کندھے سے جدید آٹومیٹک رائفلیں لٹک رہی تھیں۔ گیتا نجلی جہاں سے بھی گزرتی وہ سب اپنی نظریں جھکاتے ہوئے اس کی طرف دونوں ہاتھ باندھ کر اسے ''نمسکار'' کہتے تھے۔ تینوں بالآخر اسی دروازے تک پہنچ گئے جہاں سے گیتا نجلی کو واپس لوٹ جانا تھا۔

''پدھاریئے (چلئے)''...... اس نے دونوں کو ہاتھ کے اشارے سے دروازے کی طرف بڑھایا۔

شیر عالم نے دروازے کے اوپر ایک کیمرہ نصب دیکھ لیا تھا جس کا مطلب تھا کہ اس دروازے کے آگے کھڑے ہونے والے ہر شخص کی تصویر اندر دکھائی دیتی ہے۔

دونوں نے گیتا نجلی کو ''دھنواد'' (شکریہ) کہا اور آگے بڑھ گئے۔

دروازہ شاید اندر سے آپریٹ ہوتا تھا انہوں نے جیسے ہی اسے ہاتھ لگایا دونوں پٹ کھل گئے۔ اور وہ اندر داخل ہو گئے۔

O

کمرے کے اندر کا ماحول راجا اندر کے اکھاڑے جیسا تھا......!!

یہاں دنیا کی تمام پُرتعیش سہولیات موجود تھیں۔ سب سے بڑا شیطان سوامی مہاراج اپنے گیروی رنگ کے چولے اور گلے میں موجود بڑی سی مالا سمیت سامنے صوفے پر براجمان تھا۔ اس کے پہلو میں حسب معمول دو سندریاں موجود تھیں اور سوامی کے سامنے والی ٹرالی پر ولایتی شرابوں کا انبار لگا تھا۔

دونوں نے اندر داخل ہوتے ہی دل پر جبر کر کے سوامی مہاراج کے چرن چھوئے اور ایک طرف باادب ہو کر کھڑے ہو گئے۔

''بیٹھ جاؤ......'' اس نے ہاتھ سے سامنے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

''کیا پیئو گے......جن، سکاچ، وہسکی......'' دونوں کے بیٹھتے ہی سوامی مہاراج نے اچانک حملہ کیا۔

''آپ تو انتریامی (دلوں کا حال جاننے والا) ہیں۔ مہاراج...... جانتے ہیں کہ آپ کے دونوں داس (غلام) وچن دے کر اس کو چھوڑ گئے ہیں...... دیوی ماں کے چرنوں میں ہم نے وچن دیا تھا کہ اگر اس نے ہمیں بچا لیا تو ہم شراب کو ہاتھ نہیں لگائیں گے''......بشیر نے کہا۔

سوامی مہاراج نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور اس کے ساتھ موجود دونوں فاحشاؤں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر انہیں دیکھنا شروع کر دیا۔

بشیر نے شراب سے جان بچانے کے لئے بڑی شاندار چال چلی تھی اور اسے ''انتریامی'' کہہ کر بال اسی کے کورٹ میں پھینک دی تھی۔

''ٹھیک ہے......ٹھیک ہے لیکن جلدی تم اس وچن کا پراسچت کر دینا''......سوامی مہاراج نے اپنا دایاں ہاتھ کھڑا کرتے ہوئے کہا۔

''ضرور مہاراج ضرور کریں گے......ہم بھی گوشت پوست کے انسان ہیں، اپنا من قابو میں نہیں رہتا......کالی ماں کے چرنوں میں بھلے دس بکروں کی بلی چڑھانی پڑے۔ آخر اس ''سوم رس'' (جنت کے شربت) سے محرومی کب تک قابل برداشت ہو گی''۔ شیر عالم نے اپنی چرب زبانی کا مظاہرہ کیا۔

''ہرے اوم...... ہرے اوم......'' سوامی مہاراج نے اپنے سامنے رکھا آدھا گلاس ایک ہی سانس میں چڑھا لیا۔

''سمے (وقت) آ گیا ہے شردھالوؤ کہ تم میدان میں اترو...... پورن ماشی کی رات ہم نے دیوی ماں کے چرنوں میں بیتا کران سے اجازت مانگ لی ہے۔ وہ شبھ گھڑی جس کا مجھے انتظار تھا آ گئی ہے......تم ہمارے بالیکے بن کر ایک سرحدی علاقے کی طرف جاؤ گے...... ہمارے آشرم کی گاڑی میں...... پرچار کرنے کے لئے...... دھرم کا پرچار کرنے کے لئے...... وہاں تمہاری ملاقات ہمارے ایک اور بالیکے سے ہو گی۔ ٹھہرو اسے مل لو......''

اتنا کہہ کہ مہاراج سوامی نے صوفے کے ایک طرف لگے پُش بٹن کو دبایا۔

دوسرے ہی لمحے ایک دروازے سے نیم برہنہ لڑکی اندر داخل ہوئی اور اس نے فوراً سوامی مہاراج کو ڈنڈوت (منہ کے بل لیٹ کر تعظیم دینا) کیا۔

''اسے بھیج دو...... ہرے اوم...... ہرے اوم''......سوامی مہاراج نے اسے اشارہ کیا اور لڑکی الٹے قدموں واپس لوٹ گئی۔

اس مرتبہ دروازہ کھلنے پر جو شخصیت اندر داخل ہوئی ایک لمحے کے لئے تو اسے دیکھ کر دونوں چونک اٹھے۔

جیل میں وہ اخبارات پڑھتے رہتے تھے اور اس شخص کی تصویریں اکثر اخبارات میں چھپتی تھیں۔

یہ مدن لال تھا......

O

بی ایس ایف کا ڈپٹی کمانڈنٹ...... پنجاب کی سرحد پر اس کی بادشاہت تھی۔ اس شخص کے متعلق بڑی پُراسرار کہانیاں زبان زد خاص و عام رہتی تھیں۔ اپنی خونخواری کے باعث وہ سمگلروں میں

خصوصاً ''ہلاکو'' کے نام سے جانا جاتا تھا۔اس نے آج تک کسی سمگلر کو زندہ گرفتار نہیں کیا تھا......

کروڑوں روپے کا سونا وہ ہضم کر چکا تھا......

کروڑوں روپے کی منشیات اس نے اڑا لی تھیں......

اس کے اشارے کے ساتھ ہی اس کے زیرکمان علاقے میں زندگی جاگتی اور سوتی تھی۔

سمگلروں سے بھاری حصہ وصول کرنا وہ اپنا حق جانتا تھا اور اپنے عہدے کے ساتھ بے وفائی اس کا مشغلہ تھا۔

اس کے متعلق مشہور تھا کہ کئی نامور سمگلروں کو اس نے اپنا حصہ وصول ہونے کے باوجود محض اس لئے گولی ماردی کہ ان کا سارا مال خود ہڑپ کر سکے۔سرحدی علاقوں کی لڑکیوں پر وہ بلاشرکت غیرے اپنا حق جتلاتا تھا۔درجنوں لڑکیاں اس کی ہوس کی بھینٹ چڑھ چکی تھیں۔

اس کی دہشت اور حد سے بڑی غنڈہ گردی کی وجہ سے لوگ اپنی بیٹیوں کو گھروں میں چھپا کر رکھتے تھے۔لیکن سرکاری طور پر کسی کو اس کے خلاف زبان کھولنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔کہا جاتا تھا کہ اس کی پشت پر دلی سرکار کا مضبوط ہاتھ ہے اور کوئی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

کئی بے گناہ پاکستانی شہریوں کو جو بیچارے اپنے ڈھور ڈنگر کے تعاقب میں یا پھر راستہ بھٹک کر بی ایس ایف (بارڈر سیکورٹی فورس) کے ہتھے چڑھ جاتے۔مدن لال نے اپنے ہاتھوں سے گولیاں مار کر شہید کیا تھا۔

ایسے بے گناہ پاکستانیوں کی لاشوں کو وہ اخباری نمائندوں کے سامنے ٹھوکریں مار کر انہیں ''گھس بیٹھیے'' قرار دیتا اور انہیں اپنی بہادری کے جھوٹے قصے سنا کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا کہ اس سے زیادہ محب وطن سپوت بھارت ماتا نے جنم نہیں دیا۔

صرف وہ پاکستانی زندہ بھارت کی جیل تک پہنچتا تھا جسے سرحدی علاقے کی کوئی اور ایجنسی گرفتار کرتی تھی۔مدن لال کے متعلق یہ بات عام طور پر کہی جاتی تھی کہ پولیس حراست سے بھی کسی ملزم کو حاصل کر کے گولی مار دیتا تھا۔

شاید اسے خصوصی اختیارات کے ساتھ اس سرحدی علاقے میں تعینات کیا گیا تھا۔

دونوں کا خون اس کی شکل پر نظر پڑتے ہی کھول اٹھا تھا۔اس درندے کے ہاتھ بہت سے بے گناہ پاکستانیوں کے خون میں رنگے تھے۔

''تم جانتے ہی ہو گے اسے تو......'' سوامی مہاراج نے دونوں کی طرف دیکھا۔

''انہیں کون نہیں جانتا مہاراج......!'' بشیر نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

''سرحدوں پر حکومت ہے اس کی......اور اس پر ہماری، بے دھڑک ہو کر کام کرنا۔مدن لال بالکوں کا خاص خیال رکھتا ہے''......سوامی مہاراج نے مدن لال کی طرف دیکھ کر آنکھ دبائی۔

''آوشے مہاراج......آوشے (ضرور)'' مدن لال نے ہاتھ باندھتے ہوئے کہا۔

''تم کہاں جانا چاہو گے''......اس مرتبہ اس نے براہ راست سوال کیا تھا۔

''مردانا پوسٹ سے'' شیر عالم نے سرحدی علاقے کی ایک خاص پوسٹ کا نام لیا۔

''اس طرف کیا وریام خان کے ساتھ کام کرتے ہو''......اس نے فوراً ہی اگلا سوال کیا، اس کے سوال کا جواب دینے کی بجائے دونوں نے سوامی مہاراج کی طرف دیکھا۔جنہوں نے اچانک ہی اپنی خون آلود آنکھیں مدن لال پر گاڑ دیں۔

دونوں نے دیکھا مدن لال کے جسم پر کپکپی طاری ہونے لگی تھی......

''مدن لال تم سوامی مہاراج کے آشرم میں کھڑے ہو اس بات کو کبھی نہ بھولا کرو''......

''شما چاہتا ہوں مہاراج''......مدل لال نے جھک کر اس کے پاؤں چھوئے اور معافی مانگی تھی۔

''اب تمہارا رابطہ وہاں جا کر ہو گا......جس تاریخ کو واپس لوٹنا ہے۔مدن لال کو بتا دینا تاکہ سارے بندوبست ہو جائیں......اور ہاں سامان لے کر آشرم کی گاڑی ہی میں واپس آنا......ہرے او......ہرے اوم......''

''آپ کے حکم کی پالنا کریں گے سوامی جی مہاراج......ہمیں تین چار دن ہی لگیں گے۔ادھر پاکستانی علاقے میں ہمارے پہنچتے ہی کام شروع ہو جائے گا اور ہم یاتریوں کے ساتھ ہی واپس لوٹ آئیں گے''......بشیر نے کہا۔

''تم جاؤ......'' سوامی نے اچانک ہی مدن لال کی طرف دیکھا۔

''جاتا ہوں مہاراج''......اس نے سوامی کی طرف دیکھا اور جھک کر اس کے پاؤں چھو کر دونوں کو ہاتھ باندھ کر نمسکار کرتا ہوا الٹے قدموں واپس لوٹ گیا۔

''کتا ہے سالا......ہمارا کتا ہے۔ہمارے ٹکڑوں پر پل رہا ہے۔اسے کتے سے زیادہ

اہمیت نہ دینا۔ اگر سالے حرام خور نے تمہاری مرضی کے خلاف اونچی آواز بھی نکالی تو اس کا سانس بند کروا دوں گا......'' سوامی مہاراج کا قہقہہ بڑا خونخوار تھا......''تم لوگ پرسوں نکل جانا......سارا بندوبست ہو جائے گا۔'' ابتدائی اخراجات کے لئے یہ رکھ لو......ادھر کچھ دینا تو ہوگا......'' اس نے کینوس کا ایک تھیلا ان کی طرف پھینک دیا۔

''دھنے ہو مہاراج......دھنے ہو......''

بشیر نے تھیلا سنبھالتے ہوئے کہا۔

''مال ایک دم شاندار ہونا چاہئے۔ ہمارے بدیشی گاہکوں نے خاص فرمائش کی ہے۔ ان کا دل خوش ہو جائے تو تم ایک ہی چکر میں مالا مال ہو جاؤ گے......اور ہاں دوسری مرتبہ مجھے شکل دکھانے سے پہلے کالی ماتا کے سامنے اپنے وچن توڑنے کی بھینٹ دے کر آنا......''

''ایسا ہی ہوگا مہاراج......ایسا ہی ہوگا''......شیر عالم نے ہاتھ باندھتے ہوئے کہا۔

''جاؤ......ہرے اوم......ہرے اوم''......اس نے دونوں کو جانے کا اشارہ کیا۔

دونوں نے پہلے جانے والوں کی تقلید میں اس کے چرن چھوئے اور جس طرح یہاں تک آئے تھے اسی طرح الٹے قدموں واپس لوٹ گئے۔

دونوں جس دروازے سے اندر داخل ہوئے تھے وہ اچانک ہی ان کی پشت پر کھل گیا تھا۔

دروازے کے باہر گیتا نجلی دو اور سیواداروں کے ساتھ ان کی منتظر تھی۔

''تم لوگ جاؤ''......اس نے سیواداروں کو ان کی شکل پر نظر پڑتے ہی ہاتھ کے اشارے سے کہا۔

دونوں سیوادار ہاتھ باندھ کر جھکتے ہوئے دوسری سمت چل دیئے۔

O

''آؤ......چلیں''......گیتا نجلی نے صرف دو الفاظ میں انہیں واپس آنے کا اشارہ کیا۔

''مجھے امید ہے کہ تمہارے ساتھ ہمارا رابطہ کبھی نہیں ٹوٹے گا''......شیر عالم نے چلتے چلتے گیتا نجلی سے کہا۔

اس کی مسلسل خاموشی شیر عالم کو کھلنے لگی تھی۔

''آنے والے سمے کے متعلق بھگوان ہی جانتے ہیں......یا پھر سوامی جی مہاراج۔ میں ان کی طرح ''انتریامی'' نہیں ہوں''......اس کا لہجہ بڑا زہریلا اور کاٹ کھانے والا تھا۔

دونوں محسوس کر رہے تھے کہ اس کے دل میں سوامی مہاراج کے خلاف نفرت بھری ہے اور شاید شیر عالم کی طرف سے اچانک سوامی مہاراج کی بے پناہ تابعداری نے اسے غصہ دلا دیا تھا کیونکہ پہلی ملاقات میں شیر عالم نے اسے کچھ اور تاثر دیا تھا۔

''گیتا نجلی میں تمہارے جذبات کچھ کچھ سمجھنے لگا ہوں......میری بات سن لو''......

''مجھے کوئی فضول بات نہیں سننی''......گیتا نجلی نے شیر عالم کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ بشیر جان بوجھ کر اپنا فاصلہ بڑھا رہا تھا۔ وہ گیتا نجلی کو یہی تاثر دیئے جا رہا تھا کہ وہ ان دونوں کی باتیں نہیں سن رہا۔

''گیتا نجلی بھگوان کے لئے ایسا مت کہو......میرے متعلق تمہاری بدگمانی غلط ہے۔ کچھ دن انتظار کر لو......میں یہ نہیں کہتا کہ تم میرے متعلق اپنی رائے بدل ڈالو لیکن یہ بنتی ضرور کروں گا کہ ابھی کچھ عرصہ میرے متعلق کوئی رائے قائم نہ کرو......کم از کم اس آشرم سے ہمارے باہر نکلنے تک نارمل رہو......''

اس کی آخری بات نے گیتا نجلی کو پھر گڑبڑا دیا تھا۔

''تم مجھے پاگل کئے دو گے......مجھے سمجھ نہیں آتی کہ تم کیا ہو؟ پل میں ماشہ پل میں تولہ......تمہارے آخر کیا عزائم ہیں......اگر تم مجھ سے محبت کرتے ہو تو چھپاتے کیوں ہو......'' گیتا نجلی نے آخری بات بے ساختہ کہی تھی۔

''نہیں گیتا نجلی......میں نے تم سے کچھ نہیں چھپایا۔ میں وعدہ کرتا ہوں......تم سے کچھ نہیں چھپاؤں گا......لیکن بھگوان کے لئے ابھی مجھ سے کچھ نہ پوچھو......مجھے بھی اس شبھ گھڑی کا انتظار ہے جب میں اپنے اوپر لپٹا خول اتار کر ایک طرف رکھ دوں گا اور تمہیں یقین آ جائے گا کہ میں نے کم از کم تم سے دغا نہیں کیا......''

گیتا نجلی نے اس کی اس بات کا جواب نہیں دیا۔ صرف زخمی نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

اندھیرے میں بھی اس کی آنکھوں میں گہری چمک شیر عالم کو آنکھوں کے راستے دل میں

اترتی محسوس ہوئی تھی۔

دونوں خاموش ہو گئے.......

گیتا نجلی میں کچھ اسرار ضرور پوشیدہ تھا۔ وہ جب بھی شیر عالم کے سامنے آتی اسے اپنے وجود میں کچھ نامعلوم سی تبدیلیوں کا احساس ہوتا۔

اس کی دھڑکنوں میں اضافہ ہو جاتا.......اور خون کا خمیر بدلنے لگتا۔

اسے سمجھ نہیں آتی تھی کہ زندگی کے اس مرحلے پر جب وہ موت و حیات کے دوراہے پر کھڑا ہے اور ان کی ایک لمحے کی کوتاہی سے یا تو ساری زندگی بھارتی جیل خانوں میں سڑتے گزر جاتی یا پھر سیسے کی گولی ان کے جسموں سے پار ہو جاتی.......اس مرحلے پر یہ کونسا جذبہ تھا جس نے اچانک ہی اس کو مسخر کر لیا تھا۔ اس کے رگ و پے میں گیتا نجلی کو دیکھتے ہی ایک نشہ سا اترنے لگتا تھا اور وہ بہت کوشش پر بھی اس کے سامنے خود کو نارمل نہیں رکھ سکتا تھا۔

''کیا اس لڑکی کو سوامی مہاراج نے ان کی اصلیت جاننے کے لئے تو ان کے پیچھے نہیں لگایا''.......؟

یہ سوال کئی مرتبہ اس کے ذہن میں آیا۔ لیکن ہر دفعہ اسے اس کا جواب ''ناں'' میں ملا۔

بہت ہوشیار اور کایاں ہونے کے باوجود گیتا نجلی کی معصومیت پر شک نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے کئی مرتبہ سوچا کہ سوامی مہاراج کی خصوصی سیکرٹری ہونے کے ناطے گیتا نجلی اس کے ہر گناہ میں برابر کی شریک ہو گی۔ نجانے کتنی مرتبہ اسے سوامی مہاراج اور اس کے گرگوں کی ہوس کی آگ بجھانی پڑتی ہو گی.......ایسی بے حیاء اور مکار عورت کو معصوم نہیں کہا جا سکتا لیکن اس کا دل اس کے ذہن کا فیصلہ قبول کرنے سے انکار کر دیتا۔

دونوں اب ان کمروں کے سامنے پہنچ گئے تھے جہاں شیر عالم اور بشیر قیام پذیر تھے.......

''میں چلتی ہوں''.......گیتا نجلی نے کھڑے کھڑے کہا۔

اس کا انداز اطلاعی تھا لیکن وہ اجازت طلب کر رہی تھی۔

''میں چاہوں بھی تو تم رکو گی نہیں''.......شیر عالم نے کہا۔

''وقت آنے پر تمہیں بھی بہت سے سوالوں کا جواب مل جائے گا.......اس دنیا کے تمام رشتے جھوٹے ہو سکتے ہیں لیکن دل کا رشتہ ہمیشہ سچا ہوتا ہے.......اپنے دل سے پوچھ لینا کہ میں کیا

سوچتی ہوں۔''

شیر عالم کا جواب سنے بغیر وہ اپنے ٹھکانے کی طرف واپس لوٹ گئی۔

بشیر کمرے میں موجود تھا.......!

''شیر عالم.......تمہیں احساس ہے اس بات کا کہ ہم کون ہیں؟ اور یہاں کس چکر میں پھنسے ہیں، دیکھنا خدا کے لئے کہیں گھن چکر ہی نہ ہو کر رہ جانا.......''

بشیر نے اسے صورت حال کی نزاکت کا احساس دلایا۔

''بشیر میرے بھائی، میں جانتا ہوں کہ صورت حال کتنی خطرناک ہے۔ انشاء اللہ میں کہیں احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑوں گا لیکن میں گیتا نجلی کے سلسلے میں بہت مجبور ہوں۔ تم اندازہ نہیں کر سکتے، میں کس جان لیوا کیفیت سے گزر رہا ہوں.......''

بشیر نے مزید کچھ نہ کہا۔

وہ جان گیا تھا کہ شیر عالم پر کیا گزر رہی ہے۔

دوسرے دن سوامی مہاراج نے پھر انہیں طلب کیا اور دونوں نے اسے بتا دیا کہ وہ پنجاب کے کسی سرحدی علاقے سے سرحد عبور کرنا چاہتے ہیں، انہوں نے ایک لاکھ روپیہ دینے پر سوامی مہاراج کا بطور خاص شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا تھا کہ اس ایک لاکھ روپے سے وہ دس لاکھ کی ہیروئن لا سکتے ہیں جس کی فروخت سے انہیں کم از کم پچاس لاکھ روپے منافع ہو گا۔

سوامی مہاراج نے انہیں بتایا تھا کہ وہ لوگ کل صبح یہاں سے روانہ ہو جائیں گے اور سوامی جی کے آشرم کے مشنری کی حیثیت سے اس گاؤں میں ڈیرے جمائیں گے، جہاں سے انہیں سرحد عبور کرنی ہے۔

بشیر نے بطور خاص اس بات کا علم کوشلیا کو نہیں ہونے دیا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ کوشلیا ہر ممکن طریقے سے اس سے چپکے رہنا چاہے گی۔

علی الصبح وہ آشرم کی بس میں سوئے منزل گامزن تھے۔

حسب روایت گیتا نجلی اور سوامی مہاراج کی تین اور داسیاں اپنے دس ساتھیوں کے سمیت ''تبلیغی مشن'' پر چل دیئے۔

O

شام ڈھلے وہ لوگ اس سرحدی علاقے میں پہنچے تھے۔

یہ ڈیرہ بابا نانک کا علاقہ تھا......

دونوں کا دیکھا بھالا......دونوں نے متعدد مرتبہ یہاں سے سرحد عبور کی تھی، وہ یہاں کے چپے چپے سے آشنائی رکھتے تھے۔

''موراں والی'' اس گاؤں کا نام تھا جس کے باہر بنی پرانی آشرم میں انہوں نے ڈیرے جمائے تھے۔ سوامی جی کی ہدایت کے مطابق ان دونوں کو دو تین روز تک یہاں قیام کرنا تھا۔ سوامی جی کے بھگت اور داسیاں ٹولیوں کی شکل میں نزدیکی دیہاتوں کی یاترا پر نکلتی تھیں۔ یہ لوگ مختلف ساز بجا کر بھجن کیرتن کر کے یہاں پرچار کرتے تھے......سوامی بڑا گھاگ کھلاڑی تھا......

اس نے دونوں کو اس طرح موقعہ فراہم کر دیا تھا کہ وہ گھوم پھر کر اچھی طرح صورتحال کا جائزہ لے لیں کہ کونسا علاقہ مناسب رہے گا۔ اس نے اپنی دانست میں بھارتی علاقے کے لئے تو ان کا بندوبست کر دیا تھا۔ لیکن پاکستانی سرحد کا جائزہ انہیں خود لے کر دو دن کے اندر سرحد عبور کرنا تھی۔ سوامی مہاراج کے حکم کے مطابق مدن لال ڈپٹی کمانڈنٹ بی ایس ایف نے اس سلسلے میں ان کی مدد کرنی تھی اور اپنی مکمل معاونت کے ساتھ اپنی حفاظت میں سرحد کے پار پہنچانا اور پھر ان کی واپسی پر انہیں بخیر و عافیت وصول کرنا تھا۔

ان کے قافلے کا استقبال کرنے والوں میں مدن لال بھی شامل تھا۔

سوامی مہاراج کی ہدایات کے مطابق وہ بالکل اجنبیوں کے سے انداز میں ایک دوسرے سے ملے تھے۔

رات انہوں نے آشرم میں بسر کرنی تھی۔

آشرم میں پہلے ہی سے ان کے لئے سوامی مہاراج کے مقامی پیروکاروں نے لنگر کا بندوبست کر رکھا تھا۔

کھانے کے فوراً بعد گیتا نجلی کے حکم پر بھجن کیرتن شروع ہو گیا اور رات دیر گئے تک وہ لوگ بھجن کیرتن کرتے رہے۔

آشرم میں تل دھرنے کی جگہ نہیں تھی، یہاں چپے چپے پر موجود ہندوؤں کو سوامی مہاراج کے مشن کی آمد کا علم ہو چکا تھا اور وہ لوگ صبح ہی آشرم کے آنگن میں اکٹھے ہونے لگے تھے۔

شیر عالم اور بشیر دونوں گیروے رنگ کے لمبے لمبے کرتے پہنے اور سوتی کپڑوں کی کانوں تک لمبی ٹوپیاں اوڑھے، ماتھے پر تین تین سفید لکیروں کا ''چندرا'' بنائے اس ''بھجن کتھا'' میں شامل تھے۔

O

دونوں اس طرح بڑھ چڑھ کر بھجن میں حصہ لے رہے تھے جیسے جنم جنم سے یہی کام کرتے چلے آ رہے ہوں۔

''میں کھلی ہوا میں سانس لے آؤں......'' شیر عالم نے بشیر کے کان میں سرگوشی کی، اسے بہت دیر سے مسلسل گھٹن کا احساس ہو رہا تھا۔

''میں بھی چلتا ہوں......بہت ہو گئی بھگتی......'' بشیر اس سے بھی زیادہ بے چین دکھائی دے رہا تھا۔

''ٹھیک ہے میرے پیچھے پیچھے آنا......اکٹھے دونوں کا اٹھ کر جانا ٹھیک نہیں ہوگا''......شیر عالم نے کہا۔

تھوڑی دیر بعد شیر عالم بڑی آہستگی سے اپنی جگہ سے سرکتا ہوا آشرم میں ہال کے دروازے تک پہنچ گیا، جہاں سے پھر وہ باہر نکل آیا۔

O

باہر آ کر اسے قدرے سکون ہوا، آشرم کے اندر تو پجاریوں کی مسلسل چیخ و پکار، باجے تاشے کی آوازوں اور یہاں سلگائی گئی اگربتیوں سے نکلنے والے دھوئیں نے اس کے ناک میں دم کر دیا تھا۔

یہ آشرم گاؤں کے باہر ایک کونے پر واقع تھا اور سرحد یہاں سے بمشکل دو تین کلومیٹر دور تھی۔

آشرم سے کچھ فاصلے پر کھیتوں کا وسیع و عریض سلسلہ تھا جو سرحد کے نزدیک سرکنڈوں کے جنگل میں گم ہو جاتا تھا، سرکنڈوں کے اس میلوں لمبے جنگل کا سلسلہ دونوں ملکوں کی سرحد کے ساتھ ساتھ میلوں تک پھیلا ہوا تھا۔

شیر عالم آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا کھیتوں کی طرف جا رہا تھا۔ جب اچانک اسے اپنے پیچھے قدموں کی آہٹ محسوس ہوئی۔ شیر عالم نے یہی سمجھا کہ بشیر اس کے پیچھے ہی نکل آیا ہوگا۔ یوں بھی

رات کے سناٹے میں اس کے کان دور ہی سے قدموں کی آہٹ سننے کے عادی ہو چکے تھے۔لیکن اسے مڑ کر دیکھنا تو چاہئے......اس نے سوچا......

’’عالمے......اچانک ہی ایک آواز نے اس کے سارے بدن میں سنسنی کی لہر دوڑا دی۔اس نے غیر ارادی طور پر بجلی کے سے جھٹکے سے گردن گمائی اور لرز کر رہ گیا،اس کے سامنے نتھو رام کھڑا تھا۔

O

نتھو رام گرداسپور جیل کا حوالدار تھا......جیل میں وہ اپنے نام سے کم اور قصائی کے نام سے زیادہ جانا جاتا تھا......مشہور تھا کہ اپنی بارہ سالہ نوکری میں اس نے درجنوں قیدیوں کے ہاتھ پاؤں اپنے ہاتھ سے توڑے تھے۔

جیل میں معمولی باتوں کا بہانا کر ’’الارم‘‘ کروا دینا اور اسی ’’الارم‘‘ کی آڑ لے کر بے کس اور بے بس خصوصاً پاکستانی قیدیوں پر تشدد کے پہاڑ توڑنا اس کا محبوب مشغلہ تھا۔وہ جب بھی جیل کے اس احاطے میں دورے پر آتا جہاں پاکستانی قیدیوں کو رکھا جاتا تھا تو کوئی بھی سیل کھول کر کسی بھی پاکستانی قیدی کو باہر نکال کر اس پر وحشیانہ انداز میں تشدد کرنا اس کی عادت تھی۔

یہی سلوک وہ جیل کے سکھ قیدیوں کے ساتھ بھی کرتا تھا۔

جس سکھ کے متعلق اسے علم ہوتا کہ وہ اپنے دل میں پاکستانی قیدیوں کے لئے نرم گوشہ رکھتا ہے اسے کسی نہ کسی بہانے وہ اس بُری طرح پیٹتا کہ بے چارے کے لئے کئی روز تک اپنے ہاتھ پاؤں پر کھڑے ہونا ہی ناممکن بن جاتا تھا۔مشہور تھا کہ اس نے نابھ جیل میں ایک ایسے ہی سکھ قیدی پر اتنا تشدد کیا کہ اس کی موت واقع ہو گئی تھی۔لیکن جیل حکام نے اس کا بال بھی بیکا نہ ہونے دیا اور انکوائری میں اسے بیگناہ ثابت کروا کر بری کروا دیا تھا۔

شیر عالم اس کے ہاتھوں متعدد مرتبہ پٹ چکا تھا۔

اسے اس بات کا علم تھا کہ شیر عالم پاکستانی انٹیلی جنس کا آدمی ہے اور کسی بھی ایسے پاکستانی کو جس کے متعلق حوالدار نتھو رام کو یہ خبر ہو جاتی کہ اس کا تعلق پاکستانی انٹیلی جنس سے بھی رہا ہے،وہ اپنا ذاتی دشمن سمجھنے لگتا تھا۔

اس نے گرداسپور جیل میں ایک سال گزارا تھا جس کے بعد اس کا تبادلہ امرتسر جیل میں ہو گیا تھا۔لیکن اس ایک سالہ دور میں اس نے شیر عالم اور بشیر کو کئی مرتبہ معمولی بہانوں سے وحشیانہ

انداز میں پیٹا تھا۔

دونوں بے بسی سے پٹتے رہے تھے۔اس سے زیادہ وہ کر بھی کیا سکتے تھے،اگر غصے میں گالیاں دیتے تو اپنی کوئی ہڈی بھی ضرور تڑوا بیٹھتے۔

دونوں نے خدا سے کئی مرتبہ دعا مانگی تھی کہ کبھی زندگی میں ان کا آمنا سامنا اس جیل سے باہر آزاد فضا میں بھی ہو جائے۔

شاید ان کی دعائیں قبول ہوئی تھیں لیکن اس وقت اس سے اچانک ٹکراؤ نے شیر عالم کو بوکھلا کر رکھ دیا تھا۔

اسے اس بات کا علم تو تھا کہ نتھو رام گرداسپور ہی کے کسی گاؤں کا رہنے والا ہے لیکن اس بات کا علم نہیں تھا کہ وہ اسی علاقے میں رہتا ہے۔

چند لمحوں میں شیر عالم نے صورتحال کی سنگینی کا احساس کر لیا تھا،وہ جانتا تھا کہ ایک لمحے کی غفلت بھی اسے موت یا پھر زندگی بھر کے لئے دوبارہ بھارتی جیلوں میں پہنچا سکتی ہے۔اس نے اپنے حواس قائم کئے اور اس کی طرف دیکھ کر خوامخواہ مسکرا دیا۔

’’داس کو بھگت رام کہتے ہیں......ہم تو رام کے بھگت ہیں،شریمان جی شاید آپ کو غلطی لگی ہے‘‘......

’’ابے غلطی کے بچے‘‘......اس نے شیر عالم کو گالی دی......’’سالے!میری آنکھوں میں دھول جھونکتا ہے۔مسلے کی اولاد......تو سمجھتا تھا کہ جیل سے بھاگ کر بچ جائے گا۔اب دیکھتا ہوں تو کس طرح بچتا ہے......چپ چاپ میرے آگے لگ جا......ورنہ بی ایس ایف کے بندوں کو یہاں بلا کر تجھے گولی مروا دوں گا‘‘......نتھو رام نے غصے سے کھولتے ہوئے کہا۔

رات گہری ہو رہی تھی۔

آشرم کی روشنیاں یہاں تک پہنچتے پہنچتے بڑی مدہم ہو گئی تھیں۔اس بات کا اسے اندازہ تھا کہ یہاں سے نزدیک دور کے دیہاتوں کے لوگ گہری نیند سو رہے ہوں گے،سوائے ان بھگتوں کے جو اس آشرم میں سر کھپا رہے تھے۔

جہاں تک بارڈر سیکورٹی فورس کا تعلق تھا،دور دور تک اس کا نام نشان دکھائی نہیں دے رہا تھا،یوں بھی سرحد سے اندر دو تین کلومیٹر کی دوری پر بی ایس ایف والوں کو جھک مارنے کی کیا

ضرورت تھی۔

یہ کوئی جیل کا احاطہ نہیں تھا......

بھارتی علاقہ ضرور تھا۔لیکن یہاں فی الوقت نتھو رام کی حکومت نہیں چل سکتی تھی۔اس کے منہ سے گالیاں سن کر شیر عالم کا خون کھول اٹھا۔لیکن اس نے اپنے دل و دماغ کو قابو میں رکھا۔اسے صرف ایک بات کا خطرہ تھا کہ کہیں اس موذی نے چیخنا چلانا شروع کر دیا اور آشرم سے باہر آنے والے کسی ہندو کو اس کی آواز سنائی دے گئی تو وہ اس کی مدد کو آ سکتا تھا۔بصورت دیگر تو بھگوان بھی اب اس کی مدد نہیں کر سکتا۔

''دیکھو نتھو رام......تمہیں میرے متعلق غلط فہمی ہے۔میں سمگلر ہوں، یہی میرا پیشہ ہے......آج بھی ہم لوگ مال لے کر واپس جا رہے ہیں۔تم کیوں جھنجھٹ میں پڑتے ہو۔میں تمہیں بیس پچیس ہزار روپے دیتا ہوں۔ساری زندگی تم نے اتنی رقم نہیں دیکھی ہو گی......پیسے لو اور چپ چاپ اپنا راستہ ناپو......مجھے گرفتار کروانے پر سرکار تمہیں اتنا انعام تو دینے سے رہی''......یہ کہتے ہوئے وہ بڑے نامحسوس انداز میں آہستہ آہستہ ڈھلتی عمر کے نتھو رام کی طرف بڑھنے لگا۔

وہ اپنے اور اس کے درمیان فاصلہ کم سے کم کرنا چاہتا تھا تاکہ اس کے حلق سے بلند آواز نہ نکل سکے۔

''تیری......''

نتھو رام کے منہ سے بمشکل ابھی ایک لفظ ہی نکلا تھا جب وہ چیتے کی سی پھرتی سے اس پر لپکا۔

شیر عالم نے اس موذی پر لپکتے ہوئے صرف ایک جھلک بشیر کی دیکھی تھی جو اس طرف دبے قدموں سے آ رہا تھا۔بشیر نے شاید انہیں دور سے دیکھ لیا تھا۔ممکن ہے اتنے اندھیرے میں اس کے لئے نتھو رام کو پہچاننا مشکل رہا ہو۔لیکن اس نے صورتحال کی نزاکت کا اندازہ ضرور لگا لیا تھا۔

اس نے بھی جان لیا تھا کہ جس شخص پر شیر عالم جھپٹا ہے ضرور وہ ان کے لئے خطرے کا باعث ہی ہو گا۔ورنہ ایسے حالات میں کوئی شیر عالم کو دس جوتے بھی مار لیتا تو بھی وہ کسی سے ہاتھا پائی کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

''نتھو رام ہے......ہمیں پکڑوانے آیا ہے''......

اس نے تیزی سے نزدیک آتے آتے بشیر کی طرف دیکھے بغیر کہا۔اس درمیان اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کا شکنجہ بڑی مضبوطی سے نتھو رام کی گردن میں کس دیا تھا، وہ سارا زور لگا کر چیخنے کی کوشش کر رہا تھا۔

بشیر نے ایک لمحے ہی میں خطرناک فیصلہ کر لیا تھا۔

اس نے اپنے پاؤں کی ایڑی پورے زور سے نتھو رام کے سر پر ماری اور دیوانہ وار اس کی کنپٹی اور سر پر وار کرتا ہی گیا۔اس درمیان شیر عالم کی انگلیاں بڑی مضبوطی سے نتھو رام کی گردن میں دھنس گئی تھیں......وہ تین منٹ کی مزاحمت کے بعد ہی نتھو رام ''اکال چلنا'' (مرجانا) کر گیا۔شیر عالم کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔

اس نے ایک نظر اس کے مکروہ چہرے پر ڈالی اور اس کی نبضیں ٹٹول کر اس کی موت کی تصدیق کرنے کے بعد اس کے مردہ بدن کو زور سے ٹھوکر ماری۔

''کتے کا پلا......'' اس نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

''ہوش کرو......شیر عالم ہوش کرو......''

بشیر نے اس کے دونوں بازو پکڑ کر پوری قوت سے جھنجھوڑے اور شیر عالم ہوش میں واپس لوٹ آیا۔

''ہمیں ایک لمحہ ضائع کئے بغیر اس کی لاش کو ٹھکانے لگانا ہے''......بشیر نے تیزی سے سرگوشی کی دونوں کے دلوں کی دھڑکنیں معمول سے بڑھ گئی تھیں۔

''بھاگ چلتے ہیں، پڑا رہنے دو......چلیں کیا''......شیر عالم نے کہا۔

''بے وقوفی مت کرو......ہمیں یہاں سے کل رات کو جانا ہے۔اس سے پہلے اس علاقے میں پولیس آئی تو ہمارے لئے کوئی نیک شگون نہیں ہو گا مجھے تو پکڑوا سے......پکڑو......'' یہ کہتے ہوئے بشیر نے اس کے دونوں بازو پکڑ لئے اور شیر عالم نے دونوں پاؤں۔

O

نتھو رام کے تن مردہ کو دونوں اسی طرح اٹھائے ہوئے یہاں سے قریباً آدھے فرلانگ کے فاصلے پر موجود کماد کے گھنے کھیت میں لے آئے تھے۔وہ اس موذی کی لاش کو زمین پر کھینچنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔اس طرح کچی زمین پر نشانات پڑ جاتے اور کسی کو بھی صبح شک گزر سکتا تھا۔

دونوں ہانپنے لگے تھے لیکن ایک سرشاری کے عالم میں انہوں نے نتھو رام کے مردہ جسم کو تھاما ہوا تھا۔ اس شخص نے پاکستانی قیدیوں پر ظلم کے بے پناہ پہاڑ توڑے تھے۔ انہیں یہ سوچ سوچ کر روحانی مسرت نصیب ہو رہی تھی کہ جب نتھو رام کی موت کی خبر جیل میں پہنچے گی تو ان کے بے بس ساتھی کتنی زیادہ خوشی محسوس کریں گے۔

لاش کو انہوں نے کماد سے لدے کھیت کے عین درمیان میں اس طرح پھینکا تھا کہ اگر کوئی شخص یہاں تک نہ آتا تو اس کی لاش کے باہر سے نظر آنے کے امکانات نہ ہونے کے برابر تھے۔

صرف ایک ہی صورت تھی کہ کوئی جانور اس کی لاش کھا جائے......!!

کماد کی فصل پکنے پر آ رہی تھی۔ لیکن کٹنے میں ابھی کم از کم ایک ماہ باقی تھا۔ اس درمیان شاید ہی کوئی کھیتوں کے اندر جاتا کیونکہ اب سپرے کی بھی گنجائش نہیں تھی۔

دونوں نے باہر آ کر اطمینان کا طویل سانس لیا اور آہستہ آہستہ آشرم کی طرف واپس لوٹنے لگے۔

O

تیسرا باب

دونوں دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کرتے آشرم کی طرف آ رہے تھے کہ اس مصیبت سے انہوں نے آسانی سے چھٹکارا حاصل کر لیا۔ بصورت دیگر ان کی ساری محنت اکارت جانے کے امکانات بھی موجود تھے۔ انہوں نے کچھ دیر وہیں بیٹھ کر خود کو نارمل کیا اور پھر واپس لوٹے تھے۔ ''بھجن کتھا'' ختم ہو چکی تھی۔ لیکن آشرم کی بتیاں ابھی روشن تھیں۔

رات کا ایک پہر ڈھل چکا تھا۔ بھجن کرنے والے اپنے گھروں کو لوٹ چکے تھے آشرم کے باہر ہی اچانک گیتا نجلی ان کے سامنے آ گئی۔

خدا جانے وہ کس گوشے میں چھپ کر ان کی منتظر تھی اور اچانک نکل کر سامنے آ گئی تھی یا پھر یہ حسن اتفاق تھا۔ لیکن دونوں کے دل ایک مرتبہ زور سے دھڑک کر رہ گئے۔

''کہاں تھے تم؟'' اس نے اچانک ہی دونوں کو گڑبڑا دیا۔

''ارے بھئی ہم کہاں تھے۔ ذرا ''جنگل پانی'' کرنے گئے تھے۔ سوچا باہر کی فضا کا جائزہ لے لیں''۔ شیر عالم نے کہا۔

''اس کے علاوہ تو کوئی بات نہیں تھی''۔ گیتا نجلی کے اس سوال نے اچانک ہی دونوں کو بوکھلا دیا۔ ''کوئی اور بات کیا ہو سکتی ہے دیوی جی! بس آپ ہی کی باتیں کر رہے تھے ہم دونوں'' دوبارہ شیر عالم نے ہی جواب دیا۔

''آؤ تھوڑی دیر یہیں بیٹھتے ہیں''۔ گیتا نجلی نے انہیں آشرم کے مندر کے باہر والے چبوترے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔

آشرم اور ملحقہ مندر کی بتیاں ایک ایک کر بجھ گئی تھیں اور تینوں چاند کی روشنی میں نانک چندی

اینٹوں سے بنے اس قدیم چبوترے پر بیٹھے تھے جب اچانک ہی گیتا نجلی نے انہیں دوبارہ چونکا دیا۔

''پہلے روز مجھے تم دونوں پر جو شک ہوا تھا، بعد میں اس پر یقین بھی آ گیا''۔ اس نے شیر عالم کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

وہ بے پناہ پُر اعتماد دکھائی دے رہی تھی۔

''اچھا جی، ہمیں بھی بتا دو، جانے پھر کب ملاقات ہو زندگی میں۔ یہ سننے کا موقعہ ملے بھی یا نہیں؟ شیر عالم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''میں سنجیدہ ہوں، مجھے اس بات کا بھی علم ہے کہ اب تمہیں مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ میں شروع ہی سے جانتی ہوں کہ تم دونوں مسلمان ہو۔ تمہارا تعلق پاکستان سے ہے اور عین ممکن ہے تو دونوں جیل سے بھاگے ہوئے ہو۔ میری بات سن لو، درمیان میں نہ ٹوکنا''

اس نے بشیر کی طرف دیکھ کر کہا جس نے بے چینی سے پہلو بدل کر کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا تھا۔ ''جس روز تم فتح گڑھ میں ہمارے آشرم میں آئے تھے اس روز دوپہر میری ملاقات کے لئے اس علاقے کا ایک انٹیلی جنس آفیسر آیا تھا جس نے مجھے دو خطرناک پاکستانی جاسوسوں کے جیل سے فرار ہونے کی اطلاع دی تھی اور درخواست کی تھی کہ اگر مجھے کسی پر شک ہوا تو انہیں مطلع کر دوں وہ لوگ مہاراج سوامی کے کسی آشرم کی تلاشی نہیں لے سکتے کیونکہ ان کی آمد کا اگر مہاراج سوا جی کو شک بھی ہو جائے تو ان کی نوکریاں خطرے میں پڑ سکتی تھیں۔ گھبراؤ نہیں اطمینان سے میری بات سنتے جاؤ۔ اگر میں نے تمہیں گرفتار ہی کروانا ہوتا تو اس سے پہلے مجھے ایسے ہزاروں مواقع میسر تھے جبکہ یہاں میں تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تم دونوں یہاں آسانی سے میرا گلا دبا کر سرحد پار کر سکتے ہو۔ لیکن میں نے اس دن کا بڑی بے قراری سے انتظار کیا ہے کیونکہ ہم تینوں کی منزل ایک ہی ہے''۔

گیتا نجلی کی باتیں دونوں پر حیرتوں کے پہاڑ توڑ رہی تھیں۔ ''کہ کہ کیا مطلب'' بشیر نے تھوک نگلتے ہوئے پوچھا۔

''میں بدقسمت جو آج گیتا نجلی کے روپ میں تمہارے سامنے بیٹھی ہوں۔ ایک مسلمان کی اولاد ہوں''۔

''اوہ...... میرے خدایا...... کیا تم واقعی سچ کہہ رہی ہو...... واقعی......'' شیر عالم نے اس کا بازو پکڑتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں مجھے آٹھ سال کی عمر میں میری ظالم ماں نے اس آشرم تک پہنچا دیا تھا۔ وہ خود دو سال بعد خطرناک بیماری سے مر گئی لیکن مجھے''

گیتا نجلی کی آواز تھرا گئی......!

اس کی خوبصورت آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے تھے۔

O

''یہ سولہ سال پرانی بات ہے لیکن مجھے کل کی طرح یاد ہے۔ میری ماں ہندو تھی، باپ مسلمان۔ مجھے اس بات کا تو علم نہیں کہ ان دونوں کی شادی آپس میں کیسے ہوئی تھی لیکن بعد میں اس بات کا علم ہوا کہ یہ سوامی میرے باپ کا دوست تھا۔ دونوں جرم کی دنیا کے دو ایسے کردار تھے جن سے پولیس کے فائل بھرے رہتے تھے۔ وہ عورت جو میری ماں تھی شاید پہلے اسی سوامی کی داشتہ رہی ہوگی۔ اس نے میرے باپ سے شادی کی اور میرے والدین بڑی خاموش زندگی بسر کرنے لگے۔ سوامی کو اس بات کا بہت غصہ تھا۔ اس نے خدا جانے کیسے میرے باپ کا پتہ تلاش کیا اور ایک روز اسے پولیس مقابلے میں مروا ڈالا۔ یہ سوامی جو کبھی میرے باپ کا مجرم ساتھی تھا اب اس سوانگ کے ساتھ دنیا کے سامنے آ گیا۔ جب میرا باپ مارا گیا تو میری عمر آٹھ سال تھی۔ میرے باپ کے قتل میں میری ماں برابر کی حصہ دار تھی اور سوامی مہاراج اسے اپنے ساتھ ہی آشرم میں لے آیا۔ حیرت کی بات ہے کہ اس نے کبھی میرا وہ استعمال نہیں کیا جو دوسری ''سیوا داروں'' کا ہوتا ہے۔ اب تک تین ایسے آدمیوں کو سوامی مہاراج قتل کروا چکا ہے جنہوں نے میرے ساتھ زیادتی کی کوشش کی۔ مجھے پہلے اس بات کا علم نہیں تھا کہ سوامی نے ہی میرے باپ کا قتل کروایا تھا۔ دس سال پہلے یہ بات سوامی کے ایک پرانے ساتھی نے شراب کے نشے میں بتا دی تھی تب سے میرے من کو ایک بے قراری سی لگی رہتی ہے۔ میں اس دھرم کو بہت نزدیک سے دیکھ چکی ہوں۔ یہ پچھتاوا کہ میں ایک مسلمان کی بیٹی ہو کر ایک ہندو عورت کی زندگی گزار رہی ہوں میری جان کو آ گیا ہے''۔

اس کی آواز بھرا گئی تھی۔ اس نے بڑی ہمت سے خود پر قابو پایا ہوا تھا۔ شیر عالم اور بشیر کے دلوں کی دھڑکن جیسے رُک گئی تھی۔ وہ مبہوت ایک ٹک گیتا نجلی کی طرف دیکھے جا رہے تھے جس نے اپنے لمبے چولے کی آستین سے اپنے آنسو پونچھے تھے۔

چاندنی میں آنسوؤں سے دُھلا اس کا چہرہ چاند ہی کا حصہ معلوم ہو رہا تھا۔ شیر عالم کو اب اس

بات کی سمجھ آنے لگی تھی کہ اس گھناؤنے دھندے میں رہنے کے باوجود ابھی تک گیتا نجلی کے چہرے پر معصومیت کیوں زندہ ہے۔

اس آشرم میں ایک سے بڑھ کر ایک خوبصورت کنیا موجود تھی لیکن ان کا حسن فلمی اداکاراؤں جیسا تھا جو پردہ سکرین پر کچھ اور عملی زندگی میں کچھ اور دکھائی دیتا تھا۔

گیتا نجلی ہمیشہ ان سب سے الگ تھلگ دکھائی دیتی تھی۔ اس کا حسن لازوال تھا۔ ہمیشہ زندہ رہنے والا......!!

''میں اب ایک پل کے لئے یہاں نہیں ٹھہروں گی...... تمہیں مجھے بھی اپنے ساتھ پاکستان لے جانا ہوگا۔ اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو میں خودکشی کرلوں گی اور میری موت کے ذمہ دار تم ہوگے کہ تم نے مسلمان ہوتے ہوئے میری مدد نہ کی''۔ ابھی تک وہی بولے جارہی تھی۔ شیر عالم اور بشیر کے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکلا تھا۔

''میں تمہاری مدد کروں گا۔ اگر خدا نے ابھی تک تمہارے دل میں ایمان کی شمع روشن رکھی ہے تو دنیا کی کوئی طاقت تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی''۔

شیر عالم نے بڑے مصمم ارادے سے کہا۔

O

اس کی بات نامکمل ہی تھی جب انہیں دور سے ایک جیپ کی روشنیاں اس سمت بڑھتی دکھائی دیں۔ ''کون ہوسکتا ہے؟'' بشیرے کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

دونوں کے ذہنوں پر ابھی تک نتھو رام کی لاش سوار تھی۔ سب سے پہلے ان دونوں کے دلوں میں چور کی داڑھی میں تنکا کے مصداق یہی خیال آیا کہ کہیں نتھو رام پولیس کو مطلع کر کے تو نہیں آیا تھا اور یہ پولیس والے ان کی گرفتاری کے لئے نہ آرہے ہوں۔

تم دونوں اندر چلو'' گیتا نجلی نے انہیں ہاتھ کے اشارے سے کہا۔

دونوں نے اندر جانے کے بجائے مندر کے محفوظ کونے میں چھپ کر بیٹھنا زیادہ مناسب جانا۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ بے بس پرندوں کی طرح پولیس کی گرفت میں آجائیں۔ دونوں ایسی جگہ چھپے تھے جہاں سے وہ جیپ سواروں کی آسانی سے دیکھ سکیں اور خطرے کی صورت میں وہاں سے بھاگ بھی جائیں۔ جیپ گیتا نجلی کے نزدیک آکر رک گئی اس میں برآمد ہونے والی ہستی پر ایک نظر

پڑتے ہی دونوں قدرے مطمئن ہوگئے۔

یہ مدن لال تھا؟

لیکن مدن لال تو بارڈر سیکورٹی فورس کا ڈپٹی کمانڈنٹ ہے اسے تو پس پردہ رہ کر ان لوگوں کی مدد کرنی تھی پھر وہ کہاں سے ٹپک پڑا۔ انہوں نے سوچا۔

''مجھے تو دال میں کالا دکھائی پڑتا ہے''۔ عالمے نے کہا۔

''اس میں تمہارا قصور نہیں۔ تم خواہ مخواہ ہر بات پر شک کرنے لگتے ہو'' بشیرے نے لاپرواہی سے کہا۔

دونوں نے فی الوقت وہیں چھپے رہنا مناسب سمجھا تھا۔

ایک بات کا اندازہ انہوں نے کرلیا تھا کہ مدن لال اس طرف کسی نیک نیتی سے نہیں آیا۔ اس کے ڈگمگاتے قدم اس امر کی نشاندہی کررہے تھے کہ اس نے بے تحاشہ شراب پی رکھی ہے۔

''گیتا نجلی تم میرے ساتھ چلوگی''۔ مدن لال کی آواز نے دونوں کو چونکا دیا۔ ''کیوں'' گیتا نجلی تن کر کھڑی ہوگئی۔

''سالی کیا بکتی ہے کیوں کا کیا مطلب کہا ناں چل میرے ساتھ''۔ مدن لال کو غصہ آگیا تھا۔

''مدن لال جی آپ جانتے ہیں کہ میری طرف ایک غلط نظر ڈالنے والے کو سوامی مہاراج کتے کی موت مروادیتے ہیں'' اس نے مدن لال کو عالم ہوش میں لانا چاہا۔

''ارے دیکھ لوں گا تیرے سوامی جی کو...... جانتا ہوں میں اس سالے دلال کو۔ بھڑوا...... رنڈیوں کا دھندہ کرتا ہے سالا...... جانتا ہوں میں اس کو۔ اور تجھ کو بھی...... تیرے باپ کو بھی۔ تو جیدے کی بیٹی ہے ناں...... سالی مسلے کی اولاد۔ اسی دن کے لئے تو تجھے بچا کر رکھا تھا سوامی مہاراج نے کہ تو میری......''

شراب کے نشے میں وہ بکتا چلا جارہا تھا جب اچانک ہی گیتا نجلی نے اسے ٹوک دیا۔ ''مدن لال...... تم کیا بکواس کررہے ہو...... ہوش میں آؤ''۔

وہ غصے سے کانپنے لگی تھی۔

''سالی! مجھے ہوش میں لاتی ہے...... یہ تیری ماں کے اس آشنا کا آشرم ہے کیا۔ یہ میرا علاقہ ہے۔ یہاں میرے حکم کے بغیر پتہ نہیں ہلتا اور تو...... چل'' اس نے آگے بڑھ کر گیتا نجلی کا بازو پکڑا

اور اسے جھٹکا دے کر اپنی طرف کھینچا۔ گیتا نجلی نے جھٹکا مار کر اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

اس حرکت نے مدن لال کا پارہ آسمان پر چڑھا دیا اور دوبارہ غصے سے اس کی طرف بڑھا۔

گیتا نجلی نے اس کا ارادہ بھانپ کر ان کی طرف بھاگنا چاہا۔

مدن لال نے اس کا تعاقب کرتے ہوئے جھک کر اپنا پستول نکالنا چاہا۔ شاید وہ اپنے پستول سے ڈرا کر اس کی آبروریزی پر تلا ہوا تھا۔ اُس کی اِس حرکت کو شیر عالم نے نوٹ کر لیا تھا۔

گیتا نجلی ان کے نزدیک رُک گئی۔ شاید یہ ان دونوں کے لئے مدد کی اپیل تھی۔ شراب کے نشے میں مدہوش مدن لال ابھی تک ہولسٹر سے پستول نہیں نکال سکا تھا۔ اس کا ہاتھ پستول کے دستے پر تھا اور اب وہ بھی ان کے بالکل قریب پہنچ گیا تھا۔

شیر عالم نے قطعی غیر ارادی طور پر اچانک اپنی جگہ سے اٹھ کر اس پر چھلانگ لگا دی اور دونوں لڑھکتے چلے گئے۔

اس صورت حال کی سنگینی کا اندازہ بشیرے کو ہو گیا تھا۔ اگر مدن لال کو سوامی مہاراج کا کوئی خوف بھی تھا تو شراب کے نشے نے اسے بالکل بے خوف اور نڈر بنا رکھا تھا اور وہ بہر صورت اپنے شیطانی ارادے پر عمل کرنا چاہتا تھا۔ اس بات کا اندازہ اس کی گفتگو سے ہو گیا تھا کہ وہ گیتا نجلی کے باپ کو جانتا تھا اور اسے اس بات کا بھی علم تھا کہ گیتا نجلی باکرہ خاتون ہے۔

مدن لال ان تینوں کو اگر گولیاں مار کر موت کے گھاٹ اتار دیتا تو کوئی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔ دونوں کی اصلیت کا انکشاف ہونے پر وہ سوامی مہاراج کے سامنے بڑی آسانی سے یہ کہانی گھڑ سکتا تھا کہ گیتا نجلی دونوں مسلمانوں کے ساتھ بھاگ رہی تھی۔

مدن لال اور شیر عالم گتھم گتھا تھے جب شیر عالم کو گیتا نجلی کی آواز سنائی دی۔ ''اسے مار ڈالو۔ اس موذی درندے کو مار ڈالو۔ اس نے بہت مسلمانوں کا خون بہایا ہے۔ اسے مار ڈالو'' وہ وحشیانہ انداز میں چیخ رہی تھی۔

مدن لال کوشش کر رہا تھا کہ کسی بھی طرح اپنا پستول نکال لے۔ جبکہ شیر عالم نے اسے پکڑ کر بے بس کر رکھا تھا اور مدن لال پاگل کتے کی طرح اسے گالیاں دے رہا تھا کہ اچانک شیر عالم کے پیٹ میں اس نے اپنے دونوں گھٹنے اتنی زور سے مارے کہ وہ الٹ کر دور جا گرا۔

اس درمیان اس نے اپنا پستول بھی نکال لیا تھا۔ اچانک ہی ایک خوف بجلی کے کوندے کی

طرح بشیرے کے دماغ میں لپکا اس نے بجلی کی سی پھرتی سے اپنے قریب موجود بڑا سا پتھر اٹھایا اور اس کے سر پر دے مارا۔ مدن لال گرا اور پھر دوبارہ کبھی نہ اٹھ سکا۔

خدا جانے یہ پتھر اس کے سر کے کس حصے میں لگا تھا کہ وہ بے سدھ ہو کر گر پڑا۔ اس کا سر کھل گیا تھا۔ بھیجہ باہر گر پڑا تھا اور خون کی ندی بہنے لگی تھی۔

شیر عالم نے اس کے ہاتھ میں پکڑا پستول جھٹکے سے کھینچا اور پرے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ ''مر گیا شاید'' اس کے منہ سے نکلا۔

''ہاں''......بشیرے نے صرف ایک لفظ کہا تھا۔

''بہت اچھا ہوا......چلو بھاگ چلو......'' گیتا نجلی نے کہا۔

''یہ ٹھیک کہتی ہے......اب ہمارا ایک لمحے کے لئے یہاں رکنا موت کو دعوت دینے کے مترادف ہو گا''۔ بشیرے نے کہا۔

''ادھر آؤ''......عالمے نے انہیں جیپ کی طرف آنے کا اشارہ کیا۔

اس نے ڈرائیونگ سیٹ خود سنبھال لی تھی اور دونوں کو پچھلے حصے میں چھپ کر بیٹھنے کو کہا تھا۔

اس کی خوش قسمتی کہ مدن لال کا رات کو پہننے والا لمبا کوٹ سیٹ پر دھرا تھا، وہی کوٹ شیر عالم نے جلدی سے پہن لیا۔

''ہم جیپ میں سرحد تک جائیں گے......اس جیپ کا بی ایس ایف والوں کو علم ہے۔ اندھیرے میں انہیں جیپ سواروں کا علم نہیں ہو گا۔ اس کے علاوہ ہمارے پاس کوئی دوسرا ''آپشن'' نہیں ہے۔ اس بات کا تو بی ایس ایف کو علم ہے کہ ان کا ڈپٹی کمانڈنٹ جیپ لے کر نکلا ہے اور اسے واپس بھی آنا ہے''۔ عالمے نے جیپ کا انجن سٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

''مجھے اس علاقے کے چپے چپے کی خبر ہے۔ ہم انشاء اللہ نکل جائیں گے......چلو'' بشیرے نے اس کا حوصلہ بڑھایا۔

''سیدھا نکلوں''......عالمے نے پوچھا۔

''نہیں ٹامیانوالی کے راستے نکلو......ادھر راستہ محفوظ ہے۔ اس سے آگے ہم پھر ''سندھو پوسٹ'' کے نزدیک سے گزریں گے جس سے پاکستانی سرحد بمشکل دو ڈھائی سو گز دور ہے۔ اتنا فاصلہ تو ہم گولیوں کی بوچھاڑ میں بھی عبور کر لیں گے''۔ بشیرے نے بڑے پُر جوش لہجے میں کہا۔

''بسم اللہ'' کہتے ہوئے عالمے نے ایکسیلیٹر پر دباؤ بڑھا دیا۔

ٹامیانوالی تک وہ بمشکل سات آٹھ منٹ میں پہنچ گئے تھے۔اس درمیان انہیں کوئی گشتی دستہ نظر نہیں آیا تھا۔عین ممکن ہے وہ لوگ اپنے اپنے ناکوں میں دبک کر بیٹھے ہوں۔

''گاؤں کے باہر سے چکر کاٹ کر جانا ممکن ہے کسی کو شک گزرے''۔

بشیر کی ہدایت پر اس نے اچانک سٹیرنگ گھما دیا۔اب وہ اندازے سے ٹامیانولی گاؤں کے باہر والے راستے پر جیپ چلا رہا تھا۔اسے اپنے حواس پر مکمل قابو تھا۔یہ مرحلہ بھی اگلے سات آٹھ منٹ میں سر ہو گیا اور اب وہ آخری خطرے کے نزدیک پہنچ گئے تھے۔

یہ ''سندھو پوسٹ'' تھی۔

اس علاقے میں بھارتی بارڈر سیکورٹی فورسز کی آخری پوسٹ جو بین الاقوامی سرحد سے بمشکل ڈھائی تین سو گز دور تھی۔

''تیار رہنا'' اس نے بشیر سے کہا۔

بشیر نے گیتا نجلی کا بازو مضبوطی سے تھام کر اسے حوصلہ دلایا۔جیپ کو عالما پوسٹ کے پہلو سے تیزی سے گزار کر جیسے ہی پاکستانی سرحد کی طرف بڑھا۔اچانک تیز روشنیاں جاگ اٹھیں۔

شاید پوسٹ کمانڈر کو ابھی تک یقین نہیں آیا تھا کہ اس جیپ کو اس کے ڈپٹی کمانڈنٹ کے علاقہ کوئی اور بھی چلا سکتا ہے۔اصولی طور پر انہیں فوراً فائرنگ کرنی چاہئے تھی لیکن انتہائی احتیاط سے کام لیتے ہوئے اس نے فی الوقت صرف سرچ لائٹ جلا کر صورتحال کا جائزہ لینا ہی مناسب جانا تھا۔

پوسٹ کمانڈر کا یہی تذبذب ان کے لئے عطیہ خداوندی بن گیا۔شیر عالم جیپ کو سرکنڈوں کے اندر لے گیا تھا۔

''اترو......'' اس نے جیپ کا رُخ اچانک ہی موڑ دیا تھا۔سٹیرنگ اتنی تیزی سے گھمایا کہ بشیر اور گیتا نجلی دونوں اچھل کر پچھلے حصے سے باہر جا گرے تھے۔جیپ سٹارٹ تھی اور اس کا رُخ ''سندھو پوسٹ'' کی طرف تھا جب اچانک عالمے نے بھی چھلانگ لگا دی۔

جیپ مست ہاتھی کی طرح لڑکھڑاتی پوسٹ کی طرف بڑھ رہی تھی اور بوکھلائے ہوئے بی ایس ایف کے جوان اس پر گولیاں برسا رہے تھے جبکہ جیپ کے تینوں سوار سرکنڈوں کی آڑ میں تیزی سے سرحدی لکیر عبور کر گئے۔

O

مسلسل فائرنگ کی آواز نے پاکستان رینجرز کو بھی چوکس کر دیا تھا اور وہ لوگ بڑی مستعدی سے اپنے رائفلیں چھپائے کسی بھی ناگہانی آفت کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار بیٹھے تھے۔

تینوں نے پاکستانی علاقے میں پہنچتے ہی سکھ کا سانس لیا اور اب وہ سرکنڈوں کے طویل سلسلے کے ایک محفوظ کنج میں بیٹھے خود کو نارمل کر رہے تھے۔

ان تینوں میں گیتا نجلی سب سے زیادہ مطمئن نظر آ رہی تھی گو کہ اس مسلسل بھاگ دوڑ اور نفسیاتی کھچاؤ نے اس کے خوبصورت چہرے پر اضمحلال طاری کر دیا تھا۔لیکن اس کی آنکھوں کی چمک بہت بڑھ گئی تھی اور یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے سر سے بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔

''اس طرف ہماری کونسی پوسٹ ہے......میرے خیال سے ''ترنگی'' پوسٹ ہوگی'' شیر عالم نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

''نہیں ہم اس سے ملحقہ پوسٹ ماکھانوالی کے نزدیک ہیں''......بشیر نے کہا۔

''کمپنی ہیڈ کوارٹر بھی شاید یہیں ہے۔چلو اچھا ہو گیا ادھر ہی چلتے ہیں'' شیر عالم نے کہا۔

''وہ جولڑکا تین چار روز پہلے جیل میں آیا تھا۔اسی علاقے کے گاؤں کا تھا۔اس کے ذریعے مجھے علم ہوا تھا کہ یہاں دوبارہ خان صاحب کمپنی کمانڈر بن کر آ گئے ہیں۔میری بہت عزت کرتے ہیں وہ......میرے خیال سے وہیں جانا بہتر ہے لیکن ہمیں اجالے کا انتظار کرنا چاہئے۔فائرنگ کی وجہ سے رینجرز والے بھی چوکس ہیں اور عین ممکن ہے کہ وہ بے خبری میں گولی نہ چلا دیں''۔بشیر نے کہا۔

''ٹھیک ہے''......شیر عالم نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔''تمہیں سردی تو محسوس نہیں ہو رہی''......اس نے گیتا نجلی کو مخاطب کیا......''میرا نام شیر عالم اور اس کا بشیر ہے''۔اس نے دونوں کا تعارف بھی کروا دیا۔

''نہیں'' گیتا نجلی نے مختصر جواب دیا۔عالمے!میرے دماغ میں ایک بات آئی ہے......گیتا نجلی کا کوئی نام رکھ دو اور اسے کہنا یہاں کسی کو بھی اپنا اصلی نام نہ بتائے۔تم میری بات سمجھ گئے ہو ناں......''

شیر عالم نے ایک لمحے کے لئے بشیر کے چہرے پر نظریں دوڑائیں اور اس کی ساری بات سمجھ گیا۔

''ہاں......تم اپنا نام عذرا بتا دینا......عذرا ولد مجید یہی نام تھا ناں تمہارے والد صاحب کا۔
اس سے زیادہ کچھ نہ بتانا۔ تمہیں میں کسی بڑے شہر کا ایڈریس بتا دیتا ہوں وہی ان لوگوں کو بتا دینا۔ کہنا کہ تم اپنے والد کے ساتھ انڈیا گئی تھی اپنی خالہ سے ملنے جہاں چار پانچ سال پہلے تمہارے والد بیمار ہو کر فوت ہو گئے جس کے بعد سے تم وہیں غیر قانونی طور پر رہائش پذیر ہو۔ اب ہماری مدد سے یہاں پہنچی ہو۔ آگے کی کہانی میں خود سنا دوں گا۔ میرا خیال ہے یہ لوگ ہم پر اعتماد کرتے ہیں۔ جب ہمارے لوگ آ جائیں گے تو ہمیں گھر جانے کی اجازت بھی مل جائے گی اور ہاں تم مطمئن رہنا۔ ہمارے ساتھ ہمارے گھر پر رہنا۔ بشیر کے دو بچے ہیں۔ اس کے گھر والے تم سے مل کر بہت خوش ہوں گے۔ میری تو صرف ایک بوڑھی ماں ہے یا پھر ہم چار بہن بھائی ہیں''۔

شیر عالم نے سرگوشی کے انداز میں انہیں بتانا شروع کیا۔ ''یہ نام بہت اچھا ہے۔ عذرا......ٹھیک ہے آج سے میرا یہی نام ہوا۔ معلوم نہیں میرے ماں باپ نے میرا کیا نام رکھا ہو گا۔ مجھے صرف مُنی یاد رہ گیا ہے۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے مجھے سوامی کے چنگل سے نجات دلا دی۔ تم لوگ پریشان نہ ہونا۔ میں کسی پر بوجھ نہیں بنوں گی......میں......''

''تم کیا فضول باتیں کر رہی ہو'' شیر عالم نے اسے ٹوک دیا۔ ''تمہارے دل میں یہ خیال بھی کیسے آ گیا''۔

''آواز نیچی رکھو......بے وقوف مت بنو۔ ابھی ہم خطرے کی حد عبور نہیں کر سکے'' بشیر نے اسے حقائق کی تلخی کا ادراک کروانا چاہا۔

''ٹھیک ہے......''

گیتا نجلی کے لئے اپنے جذبات پر قابو رکھنا ممکن نہیں تھا۔ کسی نہ کسی طرح اس نے خود کو سنبھالے رکھا۔ وہ ایک نئی زندگی کا آغاز کرنے جا رہی تھی۔ اس زندگی کا خواب اس نے لڑکپن میں تب دیکھا تھا جب اس نے ماں سوامی کی داشتہ بن کر ایک نفرت آلود زندگی جی رہی تھی۔

O

بشیر کے اشارے پر دونوں اس کے تعاقب میں چلنے لگے۔ فائرنگ اب رُک گئی تھی اور روشنی کرنے والے راؤنڈ جو بھارتی بی ایس ایف نے فضا میں داغے تھے آہستہ آہستہ ان کی مصنوعی روشنیاں ماند پڑنے لگی تھیں بالآخر ان کے خول زمین پر گر پڑے اور آسمان کو پھر رات کی سیاہی نے

نگل لیا۔

تینوں پاکستانی چیک پوسٹ کی طرف جا رہے تھے جب اچانک ہی انہیں ''ہالٹ، ہالٹ'' کی آوازوں نے رکنے پر مجبور کر دیا۔

''ہینڈز اَپ'' کسی نے للکار کر کہا۔ تینوں نے ہاتھ اٹھا دیئے۔ ٹارچ کی روشنی ان کے چہروں پر پڑی اور تین چار سائے ان کی طرف تیزی سے لپکے۔

''اوئے بشیرے تو کہاں؟''

مانوس سی آواز نے تینوں کو سکھ کا لمبا سانس لے کر ہاتھ نیچے گرانے کا حوصلہ دیا۔ یہ پاکستانی رینجرز تھے جو فائرنگ کی آواز پر چوکنے ہو کر بھارت کی طرف سے آنے والے راستوں پر مستعدی سے پھیل کر پہرہ دے رہے تھے۔

''چاچا منیر تم کیسے ہو؟''

بشیر نے بھی اپنے مخاطب کو پہچان لیا تھا اور اب دونوں ایک دوسرے سے گرمجوشی سے بغل گیر ہو رہے تھے۔

''اپنے بندے ہیں'' حوالدار چاچا منیر نے اپنے نوجوان ساتھیوں کی طرف دیکھ کر کہا جن کے تنے ہوئے اعصاب اس اطلاع سے کچھ ڈھیلے پڑ گئے تھے۔ ''اتنا لمبا عرصہ کہاں گزارا''۔ چاچا منیر نے پوسٹ کی طرف چلتے ہوئے کہا۔

''بس چاچا......لمبی کہانی ہے پوسٹ پر پہنچ کر سناتے ہیں''۔ بشیرے نے جواب دیا۔

''تو یہ ہنگامہ آرائی تمہارے لئے تھی۔ میں نے سوچا اس طرف تو چڑیا پر نہیں مارتی، یہاں سے کون سرحد عبور کرنے لگا ہے''۔ چاچا منیر نے ہنستے ہوئے کہا۔

پوسٹ پر ان کی آمد کی اطلاع شاید پہلے سے پہنچ گئی تھی کیونکہ یہاں موجود تین چار جوان جو شاید سو رہے تھے اُٹھ کر باہر آ گئے تھے۔

''اندر آ جاؤ''......حوالدار چاچا منیر نے جو اس پوسٹ کا انچارج بھی تھا ان کی راہنمائی اپنے کمرے کی طرف کرتے ہوئے کہا۔

تینوں اس کے کمرے میں موجود دو چارپائیوں پر بیٹھ گئے۔

''یہ شیر عالم ہے معلوم نہیں کبھی اس طرف سے کراس کیا ہے یا نہیں لیکن ہے بڑا جی دار اور یہ

بے چاری مسلمان عورت ہے ادھر اپنے عزیزوں کو ملنے گئی تھی وہیں پھنس کر رہ گئی اس کا نام عذرا ہے''۔بشیر نے حوالدار منیر سے اپنے ساتھیوں کا تعارف کروایا۔

''بیٹی! آرام سے بیٹھو......اب تم بالکل محفوظ ہو''

حوالدار چاچا منیر نے جس کی ساری جوانی انہی سرحدوں پر پہرے دیتے بڑھاپے کی بھینٹ چڑھنے لگی تھی اور جو انسانوں کے دور بہت اندر تک جھانک لینے کی قدرتی صلاحیت رکھتا تھا، نے گیتا نجلی کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار دیکھ کر اسے تسلی دی۔

وہ جانتا تھا کہ بشیر جھوٹ بول رہا ہے لیکن اس جھوٹ سچ کا پتہ لگانا اس کے فرائض میں شامل نہیں تھا اسے اس بات کا علم تھا کہ بشیر سیکورٹی والوں کے لئے ایک عرصے سے خدمات انجام دے رہا ہے۔

گزشتہ دس سال سے تو وہ اسے جانتا ہی تھا اسے علم تھا کہ انٹیلی جنس کے لوگ اس کی بہت عزت کرتے ہیں۔شیر عالم کا نام بھی اسے سنا سا لگا۔اس کے علم میں یہی بات آئی تھی کہ بشیر بھارت میں گرفتار ہو چکا ہے۔اس نے اندازہ کر لیا تھا کہ بشیر جیل سے فرار ہو کر آیا ہے اور یہ دونوں بھی اس کے ساتھی ہیں۔شاید دونوں میاں بیوی؟ یا پھر کوئی اور......

حوالدار چاچا منیر نے اس چکر میں پڑنے کی بجائے پوسٹ پر موجود ایک جوان کو چائے تیار کر کے لانے کے لئے کہا۔سردی کے بڑھنے کا احساس انہیں اب تک تو نہیں ہوا تھا لیکن اب محفوظ ہاتھوں میں پہنچنے کے بعد وہ موسمی اثرات بھی محسوس کرنے لگے تھے۔گیتا نجلی نے باقاعدہ کپکپانا شروع کر دیا تھا۔

''یہ کمبل اوڑھ لو بیٹی......'' چاچا منیر نے ایک طرف کرسی پر رکھا کمبل اس کی طرف بڑھایا۔

''لے لو عذرا......کمبل لے لو......ہمیں رات یہیں گزارنی ہے۔'' شیر عالم نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔گیتا نجلی نے کمبل اپنے جسم کے گرد لپیٹ کر خود کو سردی کی شدت سے قدرے محفوظ کر لیا تھا۔

''تم لوگ صبح تک آرام کرو۔صبح کمپنی ہیڈ کوارٹر اطلاع پہنچا دوں گا وہاں سے تمہارے دوستوں سے بھی رابطہ ہو جائے گا''۔حوالدار منیر نے چائے آنے پر انہیں کہا۔اسے خود دوبارہ اپنی جگہ واپس جانا تھا۔رات کی پہرے داری میں وہ کسی کوتاہی کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔

''ہاں......ہمیں کچھ آرام کر لینا چاہئے۔خان صاحب ہی ادھر کمپنی کمانڈر ہیں یا''؟......''نہیں ان کا دو ماہ پہلے تبادلہ ہو گیا تھا''۔حوالدار منیر نے بشیر کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

وہ تو انہیں ''خدا حافظ'' کہہ کر چلا گیا لیکن بشیر سوچ میں پڑ گیا کہ یہ نیا کمپنی کمانڈر نجانے کیسا ہو گا؟ خان صاحب سے اس کے خصوصی مراسم تھے اور ان کے ساتھ موجود گیتا نجلی کو بھی وہ شیر عالم اور بشیر والی حیثیت دیتے لیکن یہ نیا شخص نجانے ان سے کیا سلوک کرے۔

اس نے اپنے شک کا اظہار شیر عالم پر کر کے اسے اور گیتا نجلی کو مایوس کرنے کے بجائے فی الوقت صبح کا انتظار کرنا ہی مناسب جانا۔دونوں ایک چارپائی پر لیٹ گئے جبکہ گیتا نجلی کمبل اوڑھے دوسری چارپائی پر بیٹھی رہی۔شیر عالم اور بشیر نے تو کچھ دیر سو کر صبح کی تھی جبکہ گیتا نجلی نے ساری رات کروٹیں بدلتے گزاری تھی۔

O

صبح حوالدار منیر نے انہیں دو جوانوں کی حفاظت میں کمپنی ہیڈ کوارٹر کی طرف روانہ کر دیا......!!

کمپنی کمانڈر نے ان کا استقبال گرفتار قیدیوں کی حیثیت سے کیا تھا وہ چاہتا تھا کہ دونوں اس کے ان تمام سوالات کے جوابات دیں جو اس کے ذہن میں کلبلا رہے تھے جبکہ دونوں نے اپنے افسران کے آنے تک اس کی کسی بات کا جواب دینے سے انکار کر دیا تھا۔

''تم جانتے ہو کس سے بات کر رہے ہو؟'' کمپنی کمانڈر نے انہیں غصے سے لرزتی آواز میں کہا۔

''جی ہاں......اپنے ملک کے ایک افسر سے جسے نہ اپنی حیثیت کا احساس ہے اور نہ اس بات کا علم کہ ہم جیسے مہمانوں کے ساتھ کس طرح کا سلوک روا رکھا جاتا ہے۔ہم نے بتایا ہے کہ ہم کوئی سمگلر نہیں۔انٹیلی جنس کے لوگ ہیں۔آپ ہمارے افسران کو اطلاع کیوں نہیں دیتے۔آپ کا حوالدار مجھے جانتا ہے۔مجھے تو یہ سمجھ نہیں آ رہی کہ آپ بات کس لہجے میں کر رہے ہیں اور کیوں کر رہے ہیں جبکہ ہم اپنی شناخت کروا چکے ہیں''......بشیر نے کہا۔

''تم جو بھی کہو......میرے نزدیک ابھی تک تم تینوں مشکوک ہو۔میں اپنی تسلی کئے بغیر تمہاری کسی بات پر یقین نہیں کروں گا......اگر تو نے نہ بتایا کہ یہ عورت کون ہے تو میں اسے علیحدہ لے جا کر

تفتیش کروں گا‘‘۔ کمپنی کمانڈر کی گفتگو اور اس طرح اچانک پیش آنے والی صورتحال نے گیتا نجلی کو بوکھلا کر رکھ دیا تھا۔ وہ بڑی خوفزدہ دکھائی دے رہی تھی۔

’’دیکھو مسٹر تم جو کوئی بھی ہو...... ہم اب تمہاری کسی بات کا جواب نہیں دیں گے اور جہاں تک اس عورت کو لے جانے کا تعلق ہے تو اس کا کبھی تصور بھی نہ کرنا...... یہ ہماری حفاظت میں ہے اگر ہم کافروں کی سرزمین سے اسے بحفاظت یہاں تک لا سکتے ہیں تو اپنے ملک میں بھی انشاء اللہ اس کی حفاظت کر لیں گے‘‘۔ شیر عالم کو بھی طیش آنے لگا تھا۔

’’تم ہو کون لوئے؟ بڑی باتیں کر رہے ہو؟‘‘...... کمپنی کمانڈر بڑا اکھڑ اور بدتمیز آفیسر تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ نشے کی حالت میں باتیں کر رہا ہو۔ ’’عالمے تُو چپ کر...... ہم اس کی کسی بات کا جواب اپنے افسروں کے آنے تک نہیں دیں گے‘‘۔

بشیر نے چاہا کہ حکمت عملی سے کام لے کر معاملہ سنبھالے۔ اس کی جہاندیدہ آنکھوں نے کمپنی کمانڈر کی نیت کے فتور کا اندازہ لگا لیا تھا۔ گیتا نجلی کی شکل پر نظر پڑتے ہی اس کی آنکھوں کا رنگ بدل گیا تھا۔ وہ تو شکل سے ہی کوئی عیاش دکھائی دے رہا تھا۔ خوبصورت لڑکیوں سے جی بہلانا جس کا مشغلہ رہا ہو۔

’’تم یوں نہیں مانو گے‘‘ کمپنی کمانڈر نے اتنا کہتے ہوئے اپنی میز کے کونے پر لگے بٹن کو دبایا۔ پلک جھپکنے میں وہاں آٹھ دس مسلح رینجرز آ گئے۔ یہ لوگ شاید اپنے افسر کے غصے سے آگاہ تھے کیونکہ انہوں نے ضرورت سے زیادہ مستعدی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان پر رائفلیں تان لیں۔

’’لے جاؤ انہیں اور الگ الگ بند کر دو‘‘۔ کمپنی کمانڈر نے غصے سے پھنکارتے ہوئے کہا۔

’’دیکھو تم بہت زیادتی کر رہے ہو۔ اگر تم نے کوئی غلط حرکت کی تو اس کا بہت بُرا خمیازہ بھگتو گے‘‘۔ بشیر نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے اسے سمجھانا چاہا۔

رینجرز نے یہ سمجھا کہ وہ ان کے کمپنی کمانڈر پر حملہ کرنے جا رہا ہے۔ انہوں نے بشیر کو دھکا دے کر ایک طرف گرا دیا۔

شیر عالم نے چاہا کہ آگے بڑھ کر بشیر کو بچائے تو رینجرز اس پر پل پڑے۔ انہوں نے دونوں کو بندوقوں کے بٹ اور ٹھوکریں مارتے ہوئے باہر لے جانا چاہا۔ شیر عالم کا دماغ غصے سے پھٹنے کو آ رہا تھا۔ اس نے بے بسی اور طیش کے عالم میں انہیں گالیاں دینا شروع کر دیں جس پر وہ سب شیر عالم پر پل پڑے۔

اس صورت حال نے گیتا نجلی کو حواس باختہ کر دیا تھا۔ اس نے دیوانہ وار چیخنا چلانا شروع کر دیا۔ کمپنی کمانڈر نے اس کا بازو پکڑ کر اسے ایک طرف کھینچا۔

یہ آخری منظر تھا جو شیر عالم نے دیکھا۔ اس کے بعد ان دونوں کو اور کچھ دیکھنے کا موقع نہ ملا کیونکہ رینجرز کے جوان انہیں بندوقوں کی نوک پر پاؤں سے ٹھوکریں مارتے یہاں سے کچھ فاصلے پر ایک کونے میں موجود چھوٹی سی بیرک کی طرف لے گئے۔ جہاں ان دونوں کو انہوں نے بیدردی سے دھکے دے کر اندر پھینکا اور باہر سے تالا لگا کر دروازہ بند کر دیا۔ دونوں سکتے کے عالم میں کافی دیر تک چپ چاپ بیٹھے رہے۔ اپنوں کے اس بیہمانہ سلوک نے ان کے دماغ سن کر دیئے تھے۔ انہیں اس بات کا علم نہ ہو سکا کہ اس کمپنی کمانڈر جیسی کالی بھیڑیں جو ملک کے اکثر ذمہ دار عہدوں پر فائز ہیں غیر شعوری طور پر ہی سہی لیکن دشمن کا آلہ کار بنی ہوئی ہیں۔ یہی وہ لوگ تھے جو محب وطن پاکستانیوں کی اپنے گھٹیا اور غیر انسانی سلوک سے برین واشنگ کر دیا کرتے تھے۔ یہی وہ درندے تھے جن کی نا انصافیوں کے خلاف کئی شرفا سراپا احتجاج غنڈوں کا روپ دھار چکے تھے۔ لیکن اپنی وردیوں اور اپنے جیسے حرام کاروں کی مہربانیوں کے طفیل یہ لوگ احتساب سے بچے ہوئے بڑی لاپرواہی سے اس گھناؤنے دھندے میں مصروف تھے اور کوئی انہیں پوچھنے والا نہیں تھا۔ قانون نے انہیں انسانیت کی فلاح کے لئے اختیارات سے نوازا تھا۔ لیکن ان بھیڑیوں نے اپنے اختیارات کے بل بوتے پر خود کو فرعون بنا لیا تھا اور خدا کی اس زمین پر ’’نمرود شاہی‘‘ کے نمائندے بن کر بیٹھ گئے تھے۔

افسوسناک بات تو یہ تھی کہ دن بدن ان کی حرام کاریوں میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا تھا اور کوئی ان کے منہ میں لگام ڈالنے والا نہیں تھا......!!

ایک طرف چاچا منیر جیسے ایماندار اور ملک کی آن پر اپنی جانیں نچھاور کر دینے والے سرحدوں کے پہرے دار تھے جو راتیں اس لئے جاگ کر بسر کرتے تھے کہ اپنے ملک کے باسیوں کو سکھ کی نیند نصیب ہو اور دوسری طرف اسی فورس کے ایسے بدکردار آفیسر تھے جو اپنی حرکتوں سے غیور پاکستانی شہریوں کی راتوں کی نیند حرام کر رہے تھے......!!

’’بہت بُرا ہوا...... بہت بُرا ہوا۔ بشیرے میں اسے کبھی معاف نہیں کروں گا۔ میں اس کا خون پی جاؤں گا‘‘۔ شیر عالم نے بالآخر غصے سے دھاڑتے ہوئے بشیر کو جھنجھوڑ ڈالا۔

’’عالمے! میں جانتا ہوں اس نے کمینگی کا مظاہرہ کیا ہے۔ میں جانتا ہوں اس نے بڑی گھٹیا

حرکت کی ہے۔اس کے باوجود تم صبر کرو اور خود پر قابو رکھو۔ابھی اس ملک کے پاسبانوں کی غیرت نہیں مری۔ چاچا منیر بھی اسی فورس کا ایک نمائندہ ہے۔وہ خدا کے پُر اسرار بندے جنہوں نے رات ہمارے لئے چارپایاں خالی کردی تھیں۔اپنے آرام کو ہمارے لئے حرام کرلیا تھا،وہ ابھی زندہ ہیں۔ اسے سزا ضرور ملے گی۔تم کسی آفیسر کو آتو لینے دو''۔

بشیر کی ہر ممکن کوشش تھی کہ شیر عالم خود کو نارمل کرلے۔''بشیرے!تم سوچو اس بے چاری پر کیا بیت رہی ہوگی۔کیا یہی دن دیکھنے کے لئے اس نے اتنا طویل انتظار کیا تھا۔اُف میرے خدایا!اس کے دل و دماغ پر کیا گزری ہوگی اور یہ درندہ،یہ بھیڑیا نجانے اس سے کیا سلوک کرے''۔

''وہ اس کی طرف میلی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا۔عالمے!خدا کی قسم وہ میری بہن ہے میں اس کی طرف بڑھنے والے ہاتھ توڑ دوں گا۔اگر اس کی قسمت میں ابھی چار دن کی زندگی ہے تو کبھی بھول کر بھی کوئی گھٹیا حرکت نہیں کرے گا''۔بشیر کی آواز سے قہر برس رہا تھا۔

''بشیرے!یہ شیطان اور بدخصلت آدمی ہے۔اس سے کچھ بعید نہیں......اسے بہت سی قانونی موشگافیوں کا علم ہوگا۔خدا ہی جانے اب یہ ہمارے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے اس نے انٹیلی جنس والوں کو ہماری اطلاع ہی نہیں دی''۔

شیر عالم نے تشویش ظاہر کی۔

''اس کی فکر تم نہ کرو......حوالدار چاچا منیر کو علم ہے کہ ہم پاکستان آچکے ہیں۔اب خدا کے فضل سے یہ ہمیں جان سے تو مارنے سے رہا اور تم یہ نہ سمجھنا کہ وہ ہمارے حال سے بے فکر ہوگا اس نے ضرور اپنے ذرائع سے ہماری آمد سے انٹیلی جنس والوں کو مطلع کردیا ہوگا''۔دونوں ایک دوسرے کو طفل تسلیاں دیتے رہے،پھر وہ خاموشی سے آنے والے وقت کے منتظر ہو رہے۔

وہ نہیں جانتے تھے کہ انسانی کھال میں چھپے بھیڑیے سے ٹکرا گئے ہیں۔

O

کمپنی کمانڈر برکت نے تین مرتبہ محکمانہ جواب دہی کا سامنا کیا تھا لیکن اپنے بے پناہ اثر و رسوخ خصوصاً ایک بڑے سیاسی خاندان سے تعلق کے باعث وہ ہر دفعہ بڑا جرم کرکے صاف بچ نکلتا تھا۔اس کے متعلق مشہور تھا کہ تین سال پہلے سونے کی بڑی کھیپ کے ساتھ جو دو سمگلر سرحد عبور کرکے جارہے تھے۔اس نے انہیں دھوکے سے گرفتار کرکے مار ڈالا۔ان کی لاشیں بھارتی علاقے میں

پھینک دیں اور ان کا سارا سونا خود ہضم کرگیا۔

اس مسئلے پر بڑی لے دے ہوئی،اس کے خلاف انکوائری کی گئی اور ہیڈ کوارٹر سے ایک خصوصی ٹیم کو اس کے کالے کرتوت کا جائزہ لینے کے لئے اس طرف روانہ کیا گیا لیکن برکت بڑا گھاگ شکاری تھا۔اس کی کامیابی کا راز یہی تھا کہ وہ جرم کرکے کوئی ثبوت نہیں چھوڑتا تھا۔اس کے دو ماتحتوں نے حلفاً اس بات کی گواہی دی کہ واقعی برکت قصوروار ہے لیکن کوئی ثبوت ہاتھ نہ آنے پر اس کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی جاسکی۔اس نے کمال دلیری اور ہوشیاری سے اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر دونوں لاشیں بھارتی سرحد کے اندر اسی لئے پھینکی تھیں کہ وہ اس کیس کے تمام ثبوت ہی ضائع کردے۔

ہوائی فائرنگ کرکے اس نے بظاہر یہ تاثر بھی دے دیا تھا کہ دوسری طرف کوئی مقابلہ ہوا ہے۔اس نے بہت سوچ سمجھ کر یہ سارا منصوبہ بنایا تھا۔انکوائری ٹیم یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ اس کے پاس اپنی گولیوں کا مکمل ذخیرہ محفوظ تھا۔اس بات کا علم تو انہیں ہو ہی نہ سکا کہ برکت نے فائرنگ بھی سمگلروں ہی کی کلاشنکوف سے کی تھی۔اس نے پھر بھارتی سرحد کے اندر ان کی لاشوں کے نزدیک پھینک دیا تھا۔

سرحدی صورتحال اتنی کشیدہ تھی کہ دونوں ممالک کے افسران ایک دوسرے سے کسی مسئلے پر بات کرنا تو کیا ایک دوسرے کی شکل دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے تھے۔اس لئے اس واقعے کی تصدیق بھی نہیں ہوسکتی تھی۔انکوائری کمیٹی نے بڑی مایوسی کے عالم میں ہیڈ کوارٹر کو رپورٹ دی تھی کہ وہ ملزم کے خلاف کوئی ثبوت حاصل کرنے میں ناکام رہے ہیں لیکن ان کے دل اس بات کی گواہی دے رہے ہیں کہ جو الزام لگایا گیا وہ سچا تھا۔واقعی برکت نے یہ گھناؤنا کام کیا تھا۔لیکن محض دل کی گواہی پر اس کے خلاف محکمہ کوئی کارروائی نہیں کرسکتا تھا......!!برکت پھر بچ گیا......!!

اس واقعے کے بعد تین سال تک اسے سرحد سے دور عام سی ذمہ داریاں سونپی گئیں لیکن یہاں اس نے سامان کی خرید و فروخت کے چکر میں ایک لمبا ہاتھ مارا اور دوبارہ معتوب ہوکر پھر سرحدی ڈیوٹی پر آگیا۔

محکمے کی نظریں اس پر لگی تھیں اس کا علم برکت کو بھی تھا لیکن اس نے سونا اس طرح غائب کردیا تھا کہ کسی نزدیکی رشتہ دار کو بھی ہوا نہیں لگنے دی تھی......!!وہ مزید ایک آدھ سال نوکری کرنے کے بعد طبی بنیادوں پر استعفیٰ دینے کی منصوبہ بندی کرچکا تھا۔

یہ نوکری اس نے ابھی تک صرف بے ایمانی سے حاصل کردہ بے پناہ دولت کو چھپانے کے لئے ہی رکھی ہوئی تھی۔ وہ جانتا تھا ابھی تک سونے والے کیس پر تفتیش کرنے والے افسران نے اس سے نظریں نہیں اٹھائیں۔ اسے کسی ایسے وقت کا انتظار تھا جب حالات کچھ بہتر ہوں اور برکت چپ چاپ اپنے لوٹے ہوئے مال سمیت کسی دوسرے ملک میں جا کر باقی زندگی عیش و آرام سے گزار سکے۔

عورت اس کی ہمیشہ سے کمزوری رہی تھی۔ نجانے اپنے اختیارات سے فائدہ اٹھا کر وہ اب تک کتنی معصوم جوانیوں کو اپنی درندگی کی بھینٹ چڑھا چکا تھا۔ لیکن جب سے اس نے گیتا نجلی کو دیکھا تھا اس کی رگوں میں ہوس کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگا تھا۔ اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ کب اسے مہلت ملے اور گہری آنکھوں والی اس خوبصورت عورت کو کھلونا بنا کر رکھ دے۔ کمپنی کمانڈر برکت شیطان نما انسان تھا۔ وہ خیر سے دور اور شر کے نزدیک تھا۔ اس نے دنیا کو ہمیشہ اپنے دل کے آئینے میں دیکھا تھا۔ اسے دنیا کا ہر انسان اپنی طرح شہوت زدہ بھیڑیا دکھائی دیتا تھا۔

چوتھا باب

گیتا نجلی کو اس نے ذرا دھمکا کر اس سے ساری اصلیت اگلوالی تھی۔ خوف سے نیم مردہ گیتا نجلی نے اسے اپنی ساری کہانی رو رو کر اس لئے سنا دی تھی کہ شاید اس کے دل میں خوف پیدا ہو جائے اور وہ اس کو ''خصوصی کیس'' جان کر ہی اس پر رحم کھا لے۔ لیکن گیتا نجلی کی اصلیت جان کر جیسے برکت جیسے ہوس کے اندھے کے ہاتھوں بٹیرا لگ گیا تھا۔ اس کے شیطانی ذہن نے فوراً اسے یہی سوجھایا کہ یہ دونوں سمگلر اس خوبصورت ہندو لڑکی کو بھگا کر لائے ہیں اور وہ بھی مصلحت کے تحت مسلمان ہوئی ہے۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ اب تو وہ بغیر کسی حیل و حجت کے اس پر بلا شرکت غیرے اپنا حق رکھتا تھا۔ اس نے گیتا نجلی کو جو اپنا نام عذرا بتا رہی تھی۔ ابھی تک گیتا نجلی ہی جانا تھا اور اب اس کے حصول کے لئے کوشاں تھا۔ اس نے حسن و شباب کی اس شہزادی پر مستقل قبضہ جمائے رکھنے کا شیطانی منصوبہ سوچ لیا تھا اور اب وہ اس پر عمل کرنے جا رہا تھا۔

اپنے شیطانی منصوبے پر عمل پیرا ہونے کے لئے اسے سب سے پہلے اس بات کا اطمینان حاصل کرنا تھا کہ ابھی تک انٹیلی جنس والوں کو تو اس واردات کی خبر نہیں ہوئی؟ اگر وہ لوگ ابھی تک اس گرفتاری سے بے خبر تھے تو کمپنی کمانڈر بڑی آسانی سے شیر عالم اور بشیر کو سرحدی علاقے میں گولی مار کر ان کی لاشیں غائب کروا سکتا تھا۔ وہ بڑا گھاگ اور مکار آفیسر تھا۔ جس جگہ بھی جاتا پہلے سوسائٹی میں اپنے مطلب کے بندے ضرور اپنے گرد جمع کر لیا کرتا تھا جن کی مدد سے وہ اپنے گھناؤنے منصوبے پایہ تکمیل پہنچاتا تھا۔ مقامی سمگلروں اور بدمعاشوں سے اس نے یارانہ گانٹھ رکھا تھا۔ یہ لوگ اس کی ہوس رانیوں کے لئے سامان تسکین فراہم کیا کرتے تھے۔ وہ ان کی مدد سے دونوں کو مار کر ایسی جگہ غائب کروا سکتا تھا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی۔ لیکن اسے صرف ایک ہی فکر

دامن گیر تھی کہ اگر انٹیلی جنس والوں کو اس بات کی خبر ہو گئی کہ یہ لوگ زندہ یہاں تک پہنچے ہیں تو وہ اسے زندہ زمین میں گاڑ دیتے۔

اسے اس بات کی قطعاً پروا نہیں تھی کہ یہاں سے کوئی اس کے خلاف مخبری کرے گا کیونکہ وہ ایسی صورتحال کا سامنا متعدد مرتبہ کر چکا تھا۔ وہ قانونی موشگافیوں سے آگاہ تھا اور جانتا تھا کہ ثبوت کے بغیر اس کے خلاف قانون حرکت میں نہیں آ سکتا اور ثبوت وہ قانون کے ہاتھ کبھی نہ لگنے دیتا۔ البتہ انٹیلی جنس والوں کی بات اور تھی۔ اگر انہیں اس کے کرتوت کا علم ہو جاتا تو وہ قانونی مشگافیوں میں الجھے بغیر اس کے جسم سے کھال کھینچ کر الگ کر دیتے اور اس کے ساتھ وہی سلوک کرتے جو اب تک وہ متعدد بے گناہوں کے ساتھ کر چکا تھا۔

اپنے شکوک کی تصدیق کے لئے اس نے پوسٹ پر وائرلیس کر کے وہاں سے دریافت کیا کہ پوسٹ والوں نے ان لوگوں کی ایجنسی والوں کو خبر دی ہے یا نہیں......!

''سر! یہ تو معمول کی بات ہے......میں خود بشیر کو جانتا ہوں۔ اس لئے میں نے تلواڑہ پوسٹ کو مطلع کر دیا تھا کیونکہ آج ایجنسی والوں نے وہاں آنا تھا'' حوالدار منیر نے جواب دیا۔

''گدھے......اُلو کے پٹھے۔ آئندہ میرے حکم کے بغیر کبھی افسران بالا سے رابطہ نہ کرنا'' اس کا خون کھولنے لگا تھا۔

اس بوڑھے حوالدار نے اس کے سارے کئے کرائے پر پانی پھیر دیا تھا۔ لیکن اس نے ہار ماننا تو سیکھا ہی نہیں تھا۔ اب تو اسے ضد ہی ہونے لگی تھی۔ ہوس نے اسے اندھا کر دیا تھا۔ یہ خوبصورت چڑیا اس کے ہاتھ سے اسی طرح اڑ جائے گی؟

''نہیں......کبھی نہیں......ناممکن'' وہ اپنے آپ میں بڑبڑایا۔

''دیکھو میں تمہیں مقامی پولیس کے پاس لے جا رہا ہوں۔ قانونی طور پر ہم تمہیں یہاں نہیں رکھ سکتے۔ ہماری مجبوری ہے۔ وہاں معمول کی کارروائی کے بعد وہ لوگ تمہیں جس آدمی کے ساتھ بھی تم چاہو گی جانے کی اجازت دے دیں گے''۔ اس نے گیتا نجلی سے کہا۔

گیتا نجلی نے ایک لمحے کے لئے سوچا۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اس بات کا کیا جواب دے۔ اسے تو اب تک یہ بھی احساس نہیں ہو رہا تھا کہ وہ زندہ بھی ہے یا مر گئی......اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ جو کچھ اس کے ساتھ بیت رہی ہے وہ خواب نہیں حقیقت ہے۔ جس طرح پوسٹ پر

اس کا استقبال ہوا تھا اور بوڑھے حوالدار نے اسے بیٹی کہہ کر مخاطب کیا تھا۔

جس طرح سرحدی پاسبانوں نے اس کی طرف دیکھ کر احترام سے نظریں جھکا لی تھیں۔

اس کے بعد سے وہ بھی گمان کرنے لگی تھی کہ واقعی وہ اپنوں میں آ گئی ہے لیکن یہ سب کیا تھا؟ یہ شخص کون ہے؟ کیا یہاں بھی مہاراج سوامی جیسے لوگ رہتے ہیں؟

اس نے سوچا اور چکرا کر رہ گئی۔ ''دیکھو خدا کے لئے مجھ پر رحم کرو۔ میں تمہاری مسلمان بیٹی ہوں۔ میں ہندو کے چنگل سے آزاد ہو کر آئی ہوں۔ تم میرے ساتھ ایسا سلوک کیوں کر رہے ہو۔ تم مجھے شیر عالم کے پاس کیوں نہیں لے جاتے۔ وہ خود سب کچھ کر لے گا''۔ اس نے روتے ہوئے برکت کے سامنے ہاتھ باندھے۔

''اوہو! تو کیوں خوانخواہ رو رہی ہو......اپنا اور میرا وقت ضائع کر رہی ہو۔ میں نے تمہیں بتا دیا ہے کہ میں قانون کے ہاتھوں مجبور ہوں۔ اگر تم آرام سے نہیں جاؤ گی تو ہمیں زبردستی کرنی پڑے گی۔ کیا تم پسند کرو گی کہ تمہارے ساتھ زبردستی کی جائے''......شیطان نے ہوسناک نظروں سے اس کی گھبرائی ہوئی آنکھوں میں جھانکا......!

''مم......میں......'' اس نے رونا شروع کر دیا۔

''بند کر یہ رونا دھونا......چپ کر جاؤ ورنہ......'' اس نے اتنی بے رحمی سے گیتا نجلی کو ڈانٹا کہ بے چاری لرز کر رہ گئی۔

''آؤ میرے ساتھ پولیس سٹیشن......'' اس نے اتنا کہہ کر گیتا نجلی کا ہاتھ پکڑا اور اس کے نیم مردہ وجود کو جھٹکا دے کر اپنے کمرے کے باہر کھڑی جیپ میں پھینک دیا۔

''میں ذرا پولیس سٹیشن تک جا رہا ہوں......اس لڑکی کو پولیس کی حفاظت میں دینے کے لئے''۔ اس نے جان بوجھ کر اونچی آواز سے اپنے ماتحتوں سے کہا۔ اپنی روانگی سے متعلق اس نے یہی کچھ اپنے ڈیوٹی رجسٹر میں درج کیا تھا......!!

O

کمپنی ہیڈ کوارٹر سے باہر آتے ہی اس نے جیپ کو تیز رفتاری سے شہر کی طرف جانے والے راستے کی بجائے سرحدی علاقے کی طرف دوڑانا شروع کر دیا۔ سڑک یہاں کچی تھی اور تیز رفتاری کے سبب جیپ کو بار بار جھٹکے لگ رہے تھے۔ گیتا نجلی نیم مردہ سی بے دم ہو کر پچھلی سیٹ پر بیٹھی

تھی۔ اتنی خوف زدہ وہ رات کو جیپ میں ہونے والے سفر سے نہیں تھی جتنی خوفزدہ وہ اس وقت تھی......! خوف اس کے رگ و پے میں سرایت کر گیا تھا۔ اس کو اپنے حلق میں کانٹے اترتے محسوس ہو رہے تھے۔ اس کی زبان سوکھ کر تالو سے چمٹ گئی تھی اور یوں لگ رہا تھا جیسے اس کی آواز ہمیشہ کے لئے بند ہوگئی ہے اب وہ کبھی نہیں بول سکے گی۔ وہ اتنی سہم گئی تھی کہ اپنے ساتھ ہونے والے اس جبر پر احتجاج کی ہمت بھی نہیں کر پا رہی تھی۔

جیپ اب کھیتوں کے ایک سلسلے میں داخل ہو چکی تھی جہاں ایک کونے پر بنے ٹیوب ویل کے نزدیک اس نے جیپ روک دی۔ وہ شاید یہ نہیں چاہتا تھا کہ متعلقہ شخص کے علاوہ کوئی اور گیتا نجلی کو یہاں دیکھ لے اور مستقبل میں اس کے خلاف کوئی گواہی میسر آئے۔ کچھ سوچتے ہوئے وہ جیپ سے اتر گیا......!

''چپ چاپ یہاں بیٹھی رہو...... اگر آواز نکالی تو گولی مار کر یہیں پھینک جاؤں گا۔ تھانیدار صاحب اس ٹیوب ویل پر آئے ہوئے ہیں میں انہیں لینے جا رہا ہوں۔ وہ تمہیں اپنے ساتھ لے جائیں گے اور دو ڈھائی گھنٹے میں قانونی کارروائی پوری کر کے تمہیں شیر عالم اور اس کے ساتھی سے ملا دیں گے۔ اگر تو نے جیپ سے پاؤں باہر نکالا تو ماری جاؤ گی یاد رکھنا......''

برکت نے اسے اپنی دانست میں اچھی طرح ڈرا دھمکا کر یہیں منجمد کر دیا تھا۔ خود وہ تیز رفتاری سے ٹیوب ویل کی طرف جا رہا تھا......! کھیتوں کو پانی دیا جا رہا تھا اور کچی زمین کی وجہ سے اسے پھونک پھونک کر قدم رکھنے پڑتے تھے۔ ٹیوب ویل تک پہنچنے کے لئے اسے لمبا چکر کاٹ کر جانا پڑا اور آٹھ دس منٹ بعد وہ بمشکل ٹیوب ویل پر پہنچا۔

مکھو نے اسے کچھ فاصلے ہی سے اس طرف آتے دیکھ لیا تھا۔ وہ اس علاقے کا نامور سمگلر تھا اور آٹھ دس روز پہلے ہی ضمانت پر رہا ہو کر آیا تھا۔ اس کے خلاف قتل کا ایک آدھ مقدمہ ہمیشہ درج رہتا تھا۔ لیکن وہ بھی اس شیطان کی طرح کسی نہ کسی طرح قانون کی گرفت سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو ہی جاتا۔

اس وقت اچانک کمپنی کمانڈر کو اس طرف آتے دیکھ کر اس کا ماتھا ٹھنکا۔ اس نے دل میں موٹی سی گالی برکت کو دی کیونکہ وہ جانتا تھا کہ برکت کبھی مطلب کے بغیر یہاں نہیں آ سکتا۔ اب بھی ضرور وہ کسی چکر میں آیا ہوگا۔ اس کمبخت کی فرمائش بھی بڑی ہوتی تھی اور گزشتہ دو مہینے سے اس نے

ایک بھی چکر سرحد کے دوسری طرف نہیں لگایا تھا جبکہ ضمانت کروانے پر اس کا اچھا خاصا خرچ اٹھتا تھا......!! بادل نخواستہ اس نے اپنی گھنی مونچھوں کے نیچے ایک مسکراہٹ اپنے ہونٹوں پر چپکا لی اور استقبالیہ انداز میں آگے بڑھا۔

''جناب عالی! جناب عالی! ہمیں حکم دیتے حضور آپ کی خدمت میں خود حاضر ہو جاتے۔ آپ نے کس طرح زحمت کی...... دھن بھاگ...... دھن بھاگ......''

اس نے چاپلوسی اور مکاری کا مظاہرہ کیا۔

''تمہیں جیل سے آئے آج دس روز ہوگئے ہیں اور ابھی تک اپنے یاروں کی خبر نہیں لی۔

''مکھو! دیکھ لو تم ٹھیک نہیں کر رہے''۔ برکت نے شکوے کے سے انداز میں کہا۔

''مائی باپ! میری کیا مجال...... سوچا کوئی مال ہاتھ لگ لے تو حضور کے درشن کروں۔ آپ تو جانتے ہیں ادھر سے جو بنگالی عورتوں والا دھندہ چل رہا تھا وہ اب بند ہو گیا ہے ورنہ آپ کی خدمت میں کوئی کمی نہ رہتی۔ مائی باپ میں نے سوچا خالی ہاتھ آپ کے متھے کیا لگنا''۔

مکھو نے بے شرمی سے دانت نکالے۔

اس درمیان ٹیوب ویل پر بنے چھوٹے سے کمرے سے اس کے دو ساتھی بھی باہر آ گئے۔ کمپنی کمانڈر کو اچانک وہاں دیکھ کر وہ بھی پہلے تو ٹھٹھکے پھر حوصلہ کر کے اس طرف لپکے اور غلاموں کی طرح ماتھے تک ہاتھ لے جا کر اسے سلام کر کے مؤدب اس کے سامنے والی چارپائی پر بیٹھ گئے۔

''میں جناب کے لئے کوئی لسی پانی کا بندوبست کرتا ہوں''...... مکھو نے چاپلوسی سے کہا۔

''رہنے دو مکھو...... میں ذرا جلدی میں ہوں......''

برکت اچانک دو آدمیوں کے یہاں آ جانے سے کچھ پریشان ہو گیا تھا وہ ان لوگوں کے سامنے کوئی بات نہیں کرنا چاہتا تھا انہیں یہ بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ یہاں سے چلے جائیں۔ مرے پر سو دُرے اب مکھو اس کے لئے لسی پانی کا بندوبست کرنے چلا تھا۔ برکت کے لئے سوائے خون کے گھونٹ پینے کے اور کوئی چارہ نہیں رہا تھا۔ جتنا وہ مکھو کو منع کرتا، اتنا ہی اس کا اصرار بڑھنے لگا تھا۔ اب اس کے دونوں ساتھی بھی اس منت سماجت میں اس کے ساتھ شامل ہو گئے تھے۔ انہیں وہم ہو گیا تھا کہیں کمپنی کمانڈر صاحب ناراضگی کی وجہ سے ان کے لسی پانی کو ''ناں'' کر رہے ہیں۔

دونوں برکت کے آگے ہاتھ جوڑتے رہے اور مکھو اس کے ''ناں، ناں'' کرنے کے

باجود لسی لانے کے لئے چلا گیا۔

برکت کے لئے یہ بھی ممکن نہیں رہا تھا کہ یہاں سے اٹھ کر جیپ کے پاس واپس چلا جائے۔ اس طرح تو یہ دونوں گدھے اس سے چپک کر رہ جاتے اور اس کے قدموں میں گر کر بھی اسے جانے سے روک دیتے۔ بصورت دیگر مکھو انہیں زندہ زمین میں گاڑ دیتا۔ برکت کی جان آدھی یہاں اور آدھی جیپ میں اٹکی تھی۔

اس بات کا تو اسے اطمینان تھا کہ اس غیر آباد راستے پر شاید ہی کوئی مسافر آئے گا۔ اگر کوئی آیا بھی تو رینجرز کی جیپ دیکھ کر اس کے نزدیک پھٹکنے کی ہمت نہیں کرے گا اور جہاں تک گیتا بجلی کا سوال تھا اسے تو اس نے اتنا خوف زدہ کر دیا تھا کہ وہ اپنی جگہ سے اس کے حکم کے بغیر ہل بھی نہیں سکتی تھی۔

اس سب کچھ کے باوجود اس کی چھٹی حس نے اسے بے چین کئے رکھا۔ دس منٹ تک وہ خون کے گھونٹ پیتا مکھو کا منتظر رہا جو گاؤں میں اپنے گھر سے اس کے لئے لسی پانی لینے چلا گیا تھا۔

دس منٹ بعد اس کی واپسی لسی اور دودھ کے بھرے ہوئے برتنوں کے ساتھ ہوئی اور اس نے برکت کے ساتھ موجود گدھوں کو بھی لسی اور دودھ کے بڑے بڑے گلاس بھر کر تھما دیئے۔ اس طرح ان کے یہاں موجود رہنے کا جواز پیدا ہو گیا تھا۔

''مائی باپ یہ ناجو ہے...... شاہ والی کا رہنے والا ہے...... حضور نے اس کا نام تو سنا ہو گا'' اس نے دونوں میں سے ایک کا تعارف کروایا۔

''بھئی اسے کون نہیں جانتا''...... برکت نے دودھ کا گھونٹ زہر کے گھونٹ کی طرح حلق میں انڈیلتے ہوئے کہا۔

''آپ کا کتا ہے مائی باپ...... آپ یقین کیجئے میں نے آج اسے آپ کی خدمت میں سلام کرنے کے لئے ہی طلب کیا ہے...... حضور شہر سے بہترین مال آپ کے لئے تیار کروایا ہے۔ اپنی کوٹھی ہے اس کے اڈے کے باہر...... آج رات حضور وہیں گزاریں گے...... بڑی زبردست باندی آپ کی خدمت کے لئے طلب کی ہے...... حضور کا دل خوش ہو جائے گا''...... مکھو نے چرب زبانی کا مظاہرہ کیا۔

''ٹھیک ہے...... ٹھیک ہے پھر کبھی دیکھ لیں گے...... اس وقت تو میں تمہارے ساتھ ایک

ضروری کام سے آیا ہوں مجھے پہلے ہی بہت دیر ہو گئی ہے''...... برکت نے بے بسی سے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔

''حکم مائی باپ...... حکم کیجئے......'' مکھو نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

برکت کا جی چاہتا تھا کہ ہاتھ میں پکڑا گلاس اس کے منہ پر دے مارے یا پھر اپنا سر اس سے پھوڑ لے۔ وہ اسے کیسے سمجھاتا کہ کسی کی موجودگی میں وہ بات نہیں کر سکتا......!!

خدا خدا کر کے اس نے گھونٹ گھونٹ دودھ حلق میں اتارا۔ دیہات کی روایت کے مطابق مکھو نے دوبارہ گلاس بھرنا چاہا لیکن اس نے زبردستی مکھو کے ہاتھ سے گلاس چھین لیا۔

''میرا پیٹ ٹھیک نہیں، سمجھا کرو''۔ اس نے قریباً ڈانٹتے ہوئے مکھو سے کہا۔

''ٹھیک ہے حضور پھر دونوں برتن آپ کے ساتھ جائیں گے۔ اب میں اس طرح انہیں گھر تو نہیں لے جا سکتا''۔ مکھو نے کہا اور وہ دونوں بھی اس کی منت سماجت کرنے لگے۔ آدھ پون گھنٹہ ہونے کو آ رہا تھا اور وہ دونوں اٹھنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ برکت کے صبر کا پیمانہ بالآخر چھلک ہی پڑا۔

''مکھو! تیرے ساتھ ایک ضروری بات کرنی تھی...... ذرا اس طرف آ جا'' اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''ارے نہیں مائی باپ! بیٹھئے۔ تم چلو یار، اندر چلو، پھر بات کرتے ہیں'' مکھو نے اسے وہیں بیٹھنے اور دونوں کو وہاں سے ہٹ جانے کو کہا۔

''ابے الو کے پٹھے...... گدھے...... تو نے میرا اتنا وقت ضائع کر دیا''...... اس نے دونوں کے ہٹتے ہی مکھو کو بے تحاشہ گالیاں دینی شروع کر دیں۔

مکھو کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اپنے ''مائی باپ'' کا غصہ کس طرح ٹھنڈا کرے۔ وہ بڑا مکار قسم کا بدمعاش تھا۔ پلک جھپکتے میں کمپنی کمانڈر کے پاؤں میں جا گرا۔

برکت مزید ایک لمحہ ضائع کرنا نہیں چاہتا تھا۔

''دیکھو میری جیپ یہاں سے کچھ فاصلے پر کھڑی ہے'' اس نے وقت ضائع کئے بغیر اسے اپنی آمد کے مقصد سے آگاہ کیا...... اس میں ایک لڑکی موجود ہے۔ خبردار! اگر کسی نے اس کے جسم کو ہاتھ بھی لگایا...... آٹھ دس روز تک اسے غائب رکھنا ہے...... کسی کو ہوا نہیں لگنی چاہئے مکھو...... یاد

رکھنا......ورنہ تم تو جانتے ہو تمہارے ساتھ ہر وقت ''پولیس مقابلے'' کی گنجائش موجود ہے......آخری فقرہ اس نے لفظ چباتے ہوئے ادا کیا تھا۔

''اوہ مائی باپ! یہ اپنے بچے ہیں، آپ کے کتے ہیں ان کے سامنے ہی آپ حکم دیتے۔ آپ کے اشارے پر جان دے دیں گے۔ آپ نے......خیر! آیئے''۔

وہ اٹھ کھڑا ہوا......

''حضور! آج سے پہلے آپ کو کبھی شکایت کا موقعہ ملا ہے جو آئندہ کبھی ملے گا۔ بے فکر رہیے مالک! یہ تو ایک لڑکی ہے۔ ہم نے آپ کے حکم پر تین تین بنگالی لڑکیوں کو سنبھالا ہے۔ اس کی ہوا نہیں نکلنے دیں گے''۔

''پہلے ان دونوں کی فکر کرو''......برکت کا ذہن ابھی تک ان دونوں میں اٹکا تھا۔

''مالک! آپ مکھو کے ڈیرے پر آئے ہیں......انہیں اندھے اور بہرے سمجھیں ان کے متعلق کوئی شائبہ دل میں نہ رکھیں۔ بھول جائیں کہ ہم دونوں کے علاوہ یہاں اور بھی کوئی تھا''۔

اس نے اتنے اعتماد سے یہ بات کہی تھی کہ اب برکت کو اپنی بے وقوفی پر غصہ آنے لگا تھا ضرورت سے زیادہ احتیاط کے چکر میں اس نے خاصا وقت ضائع کر دیا تھا......!! واقعی مکھو کوئی معمولی بدمعاش نہیں تھا اس کے ڈیرے پر موجود کسی بھی شخص سے کسی خطرے کی توقع رکھنا بڑی احمقانہ بات تھی''۔ دونوں تیز رفتاری سے چلتے ہوئے جیپ تک پہنچے تھے، برکت نے بے چینی سے فوراً پچھلا دروازہ کھولا۔ اچانک اسے یوں لگا جیسے اندر موجود سانپ نے اسے ڈس لیا ہو۔ کمپنی کمانڈر برکت جھٹکے سے پیچھے ہٹا اور پاگلوں کی طرح تیزی سے جیپ کا چکر کاٹ گیا......

''کہاں گئی......کہاں گئی؟''

اس نے مکھو کی طرف دیکھ کر اس طرح کہا جیسے وہی اس کا ذمہ دار ہو۔

''بھاگ گئی مائی باپ......بھاگ گئی......'' مکھو کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اس بات کا کیا جواب دے۔

''مکھو! اپنے بندوں کو چاروں طرف پھیلا دو......جاؤ اسے ڈھونڈو......اسے کھوجو، ورنہ، ورنہ بہت بُرا ہوگا......بہت بُرا ہوگا''۔

برکت حواس باختہ ہو رہا تھا۔

''حوصلہ کیجئے مائی باپ......کیا ہوا؟ کہاں جائے گی سالی......آپ اس کا کچھ حلیہ وغیرہ بتائیں میں ابھی دس پندرہ بندے گھوڑیوں پر چاروں طرف پھیلا دیتا ہوں''۔

مکھو نے جان لیا تھا کہ اس سے بہتر چمچہ گیری کرنے کا موقعہ شاید اسے زندگی میں دوبارہ کبھی میسر نہیں آئے گا۔

برکت اس کی بات سن تو رہا تھا لیکن اسے سمجھ کچھ نہیں آ رہی تھی کہ اس بات کا اسے کیا جواب دے۔ اسے کس طرح گیتا نجلی کا حلیہ سمجھائے۔ کچھ بھی ہوا سے خود کو سنبھالنا چاہئے، اس نے سوچا......اس طرح ہاتھ پاؤں پھیلا دینے سے کمان سے نکلا تیر واپس تو نہیں آ جائے گا......! بڑی مشکل سے اس نے اپنے دل کی دھڑکنوں پر قابو پایا اور مکھو کو گیتا نجلی کا حلیہ اور جو کپڑے اس نے پہن رکھے تھے ان کا رنگ بتانے لگا......! اسے افراتفری میں یہ بھی یاد نہ رہا کہ گیتا نجلی کو حوالدار چاچا منیر نے اپنی بیٹی جان کر جو چادر دی تھی وہی اس نے اوڑھ رکھی ہوگی۔ جس میں اس کے کپڑوں کے رنگ چھپ جائیں گے......!

''مائی باپ اطمینان سے جائیں، دس کوس ادھر یا دس کوس اُدھر، جہاں بھی آپ کا شکار ہے گردن سے دبوچ کر آپ کے قدموں میں لا کر ڈال دیں گے''۔

مکھو نے برکت کو یقین دلانا چاہا۔ یہ تو مکھو اور برکت دونوں جانتے تھے کہ ایک دوسرے کو طفل تسلیاں ہی دے رہے ہیں ورنہ اس طرح ہاتھ سے نکلا شکار کب لوٹ کر واپس آتا ہے۔

''دیکھو......میری ایک بات کان کھول کر سن لو......تمہارے آدمیوں کو کبھی اس بات کا علم نہیں ہونا چاہئے کہ وہ اس لڑکی کو کس لئے ڈھونڈ رہے ہیں۔ میرا نام کبھی غلطی سے بھی اپنی زبان پر مت لانا......سمجھ گئے ناں......''

''سمجھ گیا مائی باپ......بالکل سمجھ گیا......''

مکھو کے لئے اس وقت بڑا مسئلہ یہ تھا کہ اس حواس باختہ کمپنی کمانڈر سے اپنی جان چھڑائے جو اپنے حواس کھو بیٹھا ہے اور کوئی بھی غلط حرکت کر سکتا ہے۔

''اور ہاں......اس کی اطلاع جو بھی ہو۔ غلط یا صحیح مجھے آج رات تک مل جانی چاہئے......طریقہ تم جانتے ہو''۔ جیپ میں بیٹھنے سے پہلے اس نے مکھو کو آخری ہدایت جاری کرتے ہوئے کہا۔ مکھو نے ایک مرتبہ پھر ہاں جی! حضور! مائی باپ! وغیرہ کی گردان جاری کی اور اس وقت

تک اسے رٹتا رہا جب تک کہ کمپنی کمانڈر برکت اپنی جیپ سمیت کھیتوں کے سلسلے کو عبور نہیں کر گیا۔

''کتا...... سالا...... حرامی...... میں اس کا دلال ہوں کیا جو اس کی ماں کو ڈھونڈتا پھروں''۔ مکھو نے اس کے نظروں سے اوجھل ہوتے ہی مغلظات بکنی شروع کر دی تھیں۔ وہ جانتا تھا کہ ایسی لڑکی اگر ہاتھ سے نکل جائے تو پھر دوبارہ قسمت سے ہی ہاتھ آتی ہے۔

جیل میں الگ خرچ ہوتا تھا اور ضمانتوں پر علیحدہ کباڑہ ہوتا تھا۔ اب وہ کہاں سے کمپنی کمانڈر کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے نئی بلا اپنے سر منڈھ لے...... مقامی تھانیدار کو یوں بھی اس سے خدا واسطے کا بیر تھا...... اس نے اپنی زندگی میں کبھی اتنا احمق تھانیدار نہیں دیکھا تھا جو خود ہی بلکہ اپنے کسی ماتحت کو بھی رشوت نہیں لینے دیتا تھا اور جس نے مکھو کا ناطقہ بند رکھا تھا۔

یہ اسی تھانیدار کی ہمت تھی جو اس نے مکھو کو گرفتار کر کے جیل کا منہ دکھایا تھا ورنہ تو وہ ہمیشہ ہی پولیس کو مطلوب رہا تھا۔ اسے یاد آ گیا جب اس نے کمپنی کمانڈر برکت کو سفارش کرنے کے لئے پیغام بھیجا تو اس نے پیغامبر سے کہا تھا کہ وہ ایسے بدتمیز پولیس انسپکٹر کے منہ نہیں لگنا چاہتا۔ یہ تھا اس کی وفاداری کا انعام......!

وقت آنے پر اس موذی نے کس طرح آنکھیں پھیر لی تھیں جس کے لئے اس نے جانے کتنی بے گناہ اور معصوم لڑکیوں کو اغوا کر کے اس تک پہنچایا تھا......! ''اونہہ......'' اس نے نفرت سے ہونٹ سکوڑے اور اپنے ٹیوب ویل کی طرف چل دیا۔

O

میجر جمال کو جب شیر عالم اور بشیر کے فرار ہو کر واپس پہنچ جانے کی اطلاع ملی تو بے اختیار اس نے کلمہ شکر ادا کیا...... جب سے دونوں گرفتار ہوئے تھے اسے ایک پل چین نہیں آیا تھا۔ انٹیلی جنس ڈیوٹی میں ایسے لوگوں کی حیثیت ٹشو پیپر سے زیادہ نہیں سمجھی جاتی۔ لیکن وہ کوئی عام قسم کا آفیسر نہیں تھا۔

خاندانی، خوددار، محب وطن اور اپنے ساتھیوں کے لئے جان نثار کرنے والا۔ اس نے اپنی زندگی میں ایک ہی باقاعدہ جنگ میں حصہ لیا تھا اور اپنی کمپنی کے کسی شہید کی لاش دشمن کے ہاتھ نہیں لگنے دی تھی۔

یہ تو اس کے دو زندہ ساتھی تھے جنہوں نے ملک وقوم کے لئے جان ہتھیلی پر رکھ کر خدمات انجام دی تھیں جنہوں نے بارودی سرنگوں کے درمیان سے گزر کر بھارتی فوج سے متعلق مطلوبہ

معلومات میجر جمال کو پہنچائی تھیں......!

''میں خود انہیں لینے جاؤں گا''...... اس نے اپنے جونیئر سے وائرلیس پیغام کے جواب میں کہا۔

پچیس تیس میل کا فاصلہ میجر جمال نے انتہائی برق رفتاری سے طے کیا تھا۔ اپنے آفس سے اس نے دو جوانوں کو ساتھ لیا اور رینجرز کے کمپنی ہیڈ کوارٹر کی طرف روانہ ہو گیا! یہاں پہنچ کر اس نے کمپنی کمانڈر کو غائب پایا اور جس حالت میں دونوں کو دیکھا اس کے بعد اسے اپنے آپ پر قابو رکھنا مشکل ہو گیا۔

''لاک کھولو'' اس نے غصے سے گرجتے ہوئے وہاں موجود جوانوں کو حکم دیا۔

''سر! ہم کمانڈر صاحب کے حکم کے بغیر......''

''شٹ اَپ...... ڈُواِٹ ناؤ''...... اس نے مقامی گارڈ کی بات کاٹ کر اسے ڈانٹ دیا۔

دونوں جوانوں نے میجر صاحب کو اس موڈ میں پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔ بے اختیار ان کے ہاتھ اپنی گنوں تک پہنچ گئے۔

گارڈ نے بے بسی سے میجر صاحب کی طرف دیکھا اور لاک کھول دیا۔

میجر جمال دیوانہ وار دونوں سے بغل گیر ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں بے اختیار نمی اتر آئی تھی۔

O

ملک وقوم کے ان گمنام ہیروز کے ساتھ اس سلوک کا اس نے زندگی بھر تصور نہیں کیا تھا۔ دونوں کو اپنے ساتھ لئے وہ کمپنی کمانڈر کے کمرے میں بیٹھ گیا تھا جبکہ اس کے جوان کمرے کے باہر ہی پہرے پر کھڑے ہو گئے تھے۔ وہ اپنے کمانڈر کے ایک اشارے پر کچھ بھی کرنے کو تیار تھے۔

دونوں نے میجر جمال کو مختصراً اپنے ساتھ ٹوٹنے والی قیامت کا احوال سنا دیا اور اسے بتایا کہ گیتا نجلی جس نے ان کے ہاتھوں پر اسلام قبول کیا اور جس کی مدد کے بغیر ان کا فرار ہو کر یہاں تک پہنچنا ناممکن تھا، کمپنی کمانڈر کی نیت اس کے متعلق خراب نظر آتی ہے۔

میجر صاحب کو یہاں کے سٹاف نے اطلاع دے دی تھی کہ کمپنی کمانڈر لڑکی کو پولیس کے حوالے کر گیا ہے اور یہی اس نے ڈیوٹی رجسٹر میں لکھا تھا۔ میجر جمال نے اس کمپنی کمانڈر کی

شہرت سن رکھی تھی۔اسے اندازہ ہو چلا تھا کہ یہاں اس کے ماتحت محض سرکاری پابندی کے تحت اس کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔کسی ایک کی آنکھوں میں بھی اس کمپنی کمانڈر کے لئے احترام نہیں پایا تھا۔

اس نے مقامی سٹاف کوفوری طور پر دونوں کے لئے یہاں کے ''میس'' میں موجود ہر کھانے پینے والی شے فراہم کرنے کا حکم دے کر ڈاکٹر کو دونوں کے طبی معائنے کی ہدایت کر دی تھی اوراب بڑے غصے سے اس کی واپسی کا منتظر تھا۔

O

کمپنی کمانڈر برکت کو اپنے ساتھیوں کی طرف سے کوئی فکر نہیں تھی وہ جانتا تھا کہ اس کے تمام ماتحت اس سے نفرت کرتے ہیں لیکن اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے کیونکہ رولز اینڈ ریگولیشنز میں جکڑے ان محب وطن سپاہیوں کو افسر کی اطاعت کا حکم دیا جاتا تھا۔یہ جاننے کی اجازت نہیں تھی کہ اس حکم کا پس منظر یا پیش منظر کیا ہے......!

اسے لڑکی کے ہاتھ سے نکل جانے کا بھی غم نہ ہوتا کیونکہ مکھو اور اس جیسے اور بہت سے درندے اس کے لئے ایک رات میں کسی بھی لڑکی کا شکار کھیل سکتے تھے لیکن گیتا نجلی میں کوئی خاص بات ضرور تھی۔

کوئی ایسی بات جس نے اس کے خون کی حدت بڑھا دی تھی۔اس نے تصور ہی تصور میں نجانے گیتا نجلی کے ساتھ کن کن ہوس رانیوں کے خواب دیکھے تھے اوراس کے ہاتھ سے یوں نکل گئی جیسے مٹھی سے ریت نکل جائے۔

اتنی کمزور عورت اسے دھوکہ دے گئی......! یہ احساس اس کے لئے بہت تکلیف دہ تھا۔ اب تو اس کی ایک ہی خواہش تھی کہ کسی طرح گیتا نجلی دوبارہ اس کے ہتھے چڑھ جائے اوروہ گن گن کر اس سے بدلہ لے سکے......

کمپنی ہیڈ کوارٹر تک پہنچنے تک اس نے خود کو خاصا سنبھال لیا تھا......! اپنے آفس کا دروازہ کھولنے سے پہلے اسے یہاں کی صورت حال کا اندازہ ہو گیا تھا اور وہ ذہنی طور پر آنے والے کسی بھی طوفان کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار تھا۔

میجر جمال کو وہاں دیکھ کر اس نے دونوں پاؤں جوڑ کر ایڑیاں بجاتے ہوئے اسے سیلوٹ کیا اور مودٔب ہو کر کھڑا ہو گیا۔

''انسپکٹر صاحب آپ کو اس بات کا علم تھا کہ یہ لوگ کون ہیں؟'' میجر جمال نے لگی لپٹی رکھے بغیر بات کی۔

''جی نہیں......'' کمپنی کمانڈر صاف مکر گیا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا، ہم نے تمہیں......'' شیر عالم نے غصے سے کچھ کہنا چاہا۔

''تم چپ رہو عالمے میں جو بات کر رہا ہوں'' میجر جمال نے اسے ہاتھ کے اشارے سے منع کیا اور دوبارہ کمپنی کمانڈر برکت سے مخاطب ہوا۔''کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ان دونوں نے آپ کو یہ نہیں بتایا کہ یہ کون ہیں؟'' میجر جمال نے بڑے ضبط کا مظاہرہ کیا۔

''جی ہاں......میرا مطلب یہی تھا'' کمپنی کمانڈر اپنی بات پر اڑا رہا۔

''آپ کو یہاں موجود بہت سے لوگ بتا سکتے تھے کہ یہ دونوں کون ہیں؟ جس پوسٹ سے انہوں نے سرحد عبور کی وہ لوگ انہیں جانتے تھے......اس بات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ انہوں نے آپ کو ان کے متعلق نہ بتایا ہو......'' میجر جمال کا چہرہ غصے سے لال بھبوکا ہو رہا تھا۔

''جب میں نے ان سے پوچھنا چاہا تو انہوں نے بدتمیزی کی جس پر میرے جوانوں نے انہیں بند اکر دیا''۔ کمپنی کمانڈر ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جھوٹ کے طومار باندھ رہا تھا۔

''اس کے باوجود آپ کو ہمیں مطلع کرنا چاہئے تھا۔آپ جانتے ہیں کہ قانونی طور پر بھی آپ اس کے پابند ہیں......'' میجر جمال نے اپنے ہاتھ میں پکڑی چھڑی غصے سے اپنے دوسرے ہاتھ پر مارتے ہوئے کہا۔''لیکن آپ کو اطلاع ہو گئی تھی''......

''ہمیں یہ اطلاع ہمارے ذرائع نے دی تھی۔ہمیں شک ہے کہ آپ ان دونوں کو مار دینے کی منصوبہ بندی کر چکے تھے۔اگر آپ کے نزدیک یہ مشتبہ ہیں تو بھی انہیں پولیس کے حوالے کیا جانا چاہئے تھا اور ہاں وہ لڑکی کہاں ہے؟''

میجر جمال نے غصیلی آواز میں کہا۔

''میں خود بہت پریشان ہوں سر! اس لڑکی کو میں پولیس سٹیشن چھوڑنے گیا تھا۔آپ تو جانتے ہیں کہ قانونی طور پر ہم کسی عورت کو اپنی حراست میں نہیں رکھ سکتے۔میرے خیال سے آپ کو غلط فہمی ہو گئی ہے بھلا میں انہیں کیوں ماروں گا۔میری ان بے چاروں کے ساتھ کیا دشمنی ہو سکتی ہے''؟

لڑکی اس وقت کہاں ہے، باقی باتیں میں دیکھ لوں گا'' میجر جمال نے مطلب کی بات

کہی۔

''بھاگ گئی......میں یہی تو عرض کرنے لگا ہوں کہ اس نے شاہ والی کے نزدیک پیشاب کا بہانہ کیا اور کھیتوں میں گھس کر اندر ہی اندر نجانے کہاں غائب ہو گئی...... مجھے تو سر! وہ لڑکی غلط معلوم ہوتی تھی......''

''شٹ اَپ......یو''

میجر جمال غصے سے کھول رہا تھا۔

''یہ بکواس کرتا ہے، اس نے خود اسے غائب کر دیا ہے'' شیر عالم نے غصے سے بے قابو ہوتے ہوئے کہا۔

''اس نے'' بشیر سے غصے کے مارے کوئی ڈھنگ کا لفظ بھی نہیں نکل پا رہا تھا۔

''دیکھو انسپکٹر! آج سے پہلے تمہارا واسطہ نجانے کن لوگوں سے رہا ہے...... میں تمہیں صاف بتا دوں کہ اگر شام ڈھلنے سے پہلے تم نے لڑکی کو ہم تک نہ پہنچایا تو خود کو گرفتار سمجھنا۔ آج تک تمہیں قانون کی زبان سمجھ نہیں آئی۔ اس مرتبہ ضرور آ جائے گی۔ میں انہیں لے جا رہا ہوں مجھے آج شام تک بہر صورت لڑکی چاہئے''

میجر جمال نے کھڑے ہو کر دونوں کو اپنے ساتھ چلنے کا اشارہ کیا۔

''سر! آپ ہمارے سینئر ہیں لیکن اس طرح مجھ پر الزام لگا کر آپ زیادتی کر رہے ہیں''...... ''انسپکٹر برکت نے مکاری کا مظاہرہ کرنا چاہا''۔

''شٹ اَپ......'' میجر جمال نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

''اس شخص سے کچھ بعید نہیں کہ اس نے گیتا نجلی کو کسی بدمعاش کے ہاتھ فروخت ہی نہ کر دیا ہو''...... بشیر نے جیپ میں سوار ہوتے ہی اپنی تشویش ظاہر کی۔

''میں اس کی ہڈیوں کا سرمہ بنا دوں گا...... اس حرام خور کی یہ ہمت''...... میجر جمال نے انہیں تشفی دینا چاہی۔

وہ جانتا تھا کہ دونوں کے دلوں پر کیا گزر رہی ہے۔ اسے اس بات کا بھی احساس تھا کہ اگر واقعی اس کمپنی کمانڈر نے کوئی حرام کاری کی ہے اور اسے اس کی کتنی بڑی سزا بھی مل جائے تو بھی اس زیادتی کا ازالہ نہیں ہو سکتا۔

''مطمئن رہو! میں اسے چھوڑوں گا نہیں''

اس نے اپنے آفس میں پہنچتے ہی اپنے صوبیدار کو طلب کرنے کے بعد ان سے کہا تھا اگلے ہی لمحے صوبیدار وہاں موجود تھا۔

صوبیدار صاحب! مجھے فوراً اس کمپنی کمانڈر کا کچا چٹھہ چاہئے'' میجر جمال نے صوبیدار سے کہا۔

''سر! میں اس کیس پر پہلے سے کام کر رہا ہوں۔ اس شخص کی سرگرمیاں مشکوک ہیں۔ اس کے تعلقات مکھو گروپ سے ہیں جس کے لوگ سمگلنگ کی آڑ میں جاسوسی بھی کرتے ہیں۔ آپ کو علم ہو گا کہ ہم نے چند ماہ پہلے مکھو کے ایک آدمی کے اڈے سے ایک انڈین ''سپائی'' کو گرفتار کیا تھا اور میں یہ بات بلا شک وشبہ کہہ سکتا ہوں کہ مکھو گروپ کو براہ راست اس کی سرپرستی حاصل ہے۔ میں نے اپنی رپورٹ میں اس وقت بھی انسپکٹر برکت کے متعلق شکوک کا اظہار کیا تھا اور یہ رپورٹ معمول کے مطابق رینجرز ہیڈ کوارٹر کو بھیجی گئی تھی...... وہاں بھی لوگ اس سے مطمئن نہیں اور اس پر سخت نگرانی لگی ہے...... لیکن خدا جانے یہ شخص کس طرح بچا ہوا ہے''۔

صوبیدار صاحب نے میجر جمال کو بتایا۔

''تم فوراً مکھو وغیرہ کو چیک کرو...... اس کے آدمیوں کو چیک کرو۔ مجھے شک ہے کہ اس نے ایک لڑکی کو جو ہماری ساتھی ہے اس گروہ تک پہنچا کر غائب کر دیا ہے۔ اس کا نام عذرا ہے۔ پہلے اس کا نام گیتا نجلی تھا۔ احتیاط سے کام کرنا ہے۔ ابھی تک وہ لوگ اگر لڑکی ان کے قبضے میں ہے تو اسے یہاں سے باہر نہیں نکال سکے ہوں گے۔ تمام راستے بند کر دو۔ ان لوگوں کے لئے لڑکی کو سمگل کرنا ناممکن بنا دو۔ ہمارے دونوں دوستوں کے ساتھ پہلے ہی بہت زیادتیاں ہو چکی ہیں اور ہاں صوبیدار صاحب اس کام کو پرسنل جان کر کرنا ہے''۔

میجر جمال بہت سنجیدہ تھا۔

''آل رائٹ سر!''......

صوبیدار احترام دے کر باہر چلا گیا۔

''تم آرام کرو...... میں خود اس آپریشن کی نگرانی کرتا ہوں۔ اس حرام خور کو چھوڑوں گا نہیں''...... اس نے اپنے دوسرے ماتحت کو بلا کر دونوں کے آرام کی ہدایت دی اور تیزی سے باہر نکل گیا۔

O

گیتانجلی نے صبح سے اب تک پے در پے جن حادثات کا سامنا کیا تھا اس کے بعد سے تو وہ ذہنی طور پر خود کو مفلوج محسوس کرنے لگی تھی۔ اس نے سوامی مہاراج کے آشرم میں بڑے بڑے بدمعاش اور سمگلر دیکھے تھے۔ وہ ان لوگوں کے کئی کام اور راز جانتی تھی لیکن آج تک ایسا نہیں ہوا تھا کہ اسے اس نوعیت کی منافقت کا سامنا کرنا پڑا ہو۔ سوامی مہاراج کے آشرم میں کسی کو اس کی عزت کی طرف میلی آنکھ سے دیکھنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ اس کی کتنے عرصے سے خواہش تھی کہ اپنی اصلیت کی طرف واپس لوٹ جائے اور اپنی زندگی کو اسی طرح دوبارہ شروع کرے جس طرح اس کے والد نے اس کا آغاز کیا تھا۔ یہ اس کی دلی دعاؤں کا نتیجہ تھا کہ اسے شیر عالم اور بشیر جیسے پاکستانی ملے تھے۔ اسے رہ رہ کر وہ نوجوان یاد آ رہے تھے جن سے اس زمین پر پاؤں رکھنے کے بعد اس کا واسطہ پڑا تھا۔

رات کے اندھیروں میں بھی ان کے چہرے حرارت ایمانی سے روشن تھے...... اس نے ان سب کی آنکھوں میں اپنے لئے احترام کے جذبات موجزن دیکھے تھے اور وہ رینجرز کا بوڑھا حوالدار، اس نے تو اس کے ساتھ بالکل بیٹیوں جیسے برتاؤ کیا تھا۔ اسے یاد آ گیا کہ صبح جب وہ انہیں جیپ پر چھوڑنے کمپنی ہیڈ کوارٹر آ رہا تھا تو اس نے بڑی محبت اور احترام کے ملے جلے جذبات سے ایک گرم چادر اسے دی تھی اور کہا تھا کہ ایک پاکستانی محافظ اپنی قوم کی بیٹی کے سر پر سب سے پہلے چادر ہی رکھا کرتا ہے۔ لیکن یہ بھیڑیا ان میں کہاں سے آ گھسا۔

سوامی کے آشرم میں رہنے سے اسے انسانی بدخصلتی کا ادراک ہو گیا تھا وہ مرد کے دل کا حال اس کے چہرے سے پڑھنے پر قدرت رکھتی تھی۔ جس لمحے ان تینوں کا سامنا اس کمپنی کمانڈر سے ہوا اسے تو تب ہی احساس ہو گیا تھا کہ یہ سوامی کی قبیل کا کوئی آدمی ہے۔

شیطان دوست انسان نما درندے کسی بھی مذہب اور ملت کا لبادہ اوڑھ سکتے ہیں۔ ان کا کوئی مذہب اور قوم نہیں ہوتی اور یہ سب ایک ہی قوم کا حصہ بھی ہوتے ہیں۔ اب یہ بھیڑیا اسے کہاں لے جا رہا ہے؟

اس سوال نے اس کی بے کلی میں اضافہ کر دیا تھا۔ برکت کے جیپ سے اترنے کے بعد اس نے ڈرتے ڈرتے باہر نظریں دوڑائیں دور دور تک وسیع وعریض کھیتوں کا سلسلہ پھیلتا چلا گیا تھا اس نے ایک لمحے کے لئے آنے والے وقت کا تصور کیا اور لرز کر رہ گئی۔

کیا اس نے ساری زندگی اسی روز بد کے لئے کانٹوں کی سیج پر گزاری تھی...... "نہیں...... وہ اپنی آبرو کا اس طرح خون نہیں ہونے دے گی" اس نے سوچا اور دوسرے ہی لمحے وہ ایک بدلی ہوئی عورت تھی۔ اپنی عصمت کی حفاظت کے لئے اپنی جان سے گزر جانے والی عورت! اس نے سوچا وہ مر جائے گی لیکن اس شیطان کا ارادہ پورا نہیں ہونے دے گی۔ اس لمحے گیتانجلی نے خود کو ایک بہادر عورت محسوس کیا جیسے اس کی ساری گمشدہ توانائیاں کئی گنا زیادہ ہو کر واپس لوٹ آئی ہوں۔ اس نے دروازہ کھولا اور باہر نکل آئی۔

بوڑھے حوالدار کی چادر ابھی تک اس کے کندھے پر موجود تھی۔ اس مضبوطی سے چادر کو اپنے جسم کے گرد لپیٹ لیا۔ کچھ سوچ کر اس نے جیپ کا ڈیش بورڈ کھولا جہاں کاغذات کے ساتھ ایک بٹوہ بھی پڑا تھا۔ گیتانجلی نے اسے کھولا اور اس میں موجود کچھ کرنسی نوٹ نکال کر مٹھی میں تھامے باقی بٹوہ اپنی جگہ رکھ کر اندازے سے اس طرف چلنے لگی جس طرف سے جیپ ادھر آئی تھی۔ دور دور تک کوئی ذی نفس دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ برق رفتاری سے قدم دھرتی وہ بالآخر اس پکے راستے تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئی جہاں اسے اِکا دُکا لوگ آتے جاتے دکھائی دے رہے تھے۔ مقامی آبادی کی عورتوں کی طرح اس نے چادر کا پلو بڑھا کر سر پر ڈال رکھا تھا جس سے اس کی پہچان ممکن نہیں رہی تھی اور یہ بات وہ جانتی تھی کہ کم از کم یہاں اسے کمپنی کمانڈر جیسا اور کوئی بھیڑیا نہیں ملے گا نہ ہی کوئی اسے پہچاننے کی کوشش کرے گا۔

پکے راستے کی طرف ایک بس کو آتے دیکھ کر اس نے لوگوں کو تیزی سے اس طرف جاتے دیکھا تو وہ بھی تیزی سے بس کی طرف چل دی۔ بس یہاں چند لمحوں کے لئے ہی رکتی ہو گی کیونکہ جیسے ہی اس نے بس میں قدم رکھا اس نے رینگنا شروع کر دیا۔ اس بس میں سوار ہونے والی وہ آخری سواری تھی۔ بھاگنے سے اسے سانس چڑھ گیا تھا اور اب وہ بس کی ایک سیٹ پر سکڑی سمٹی اپنے بے ترتیب سانس سنبھالنے لگی۔ اپنی مٹھی میں پکڑے نوٹوں کی مالیت کا اسے فی الوقت اندازہ نہیں تھا۔ اسے نہ تو اس بات کا علم تھا کہ کہاں موجود ہے نہ ہی یہ جانتی تھی کہ کہاں جانا ہے۔ اس کے دماغ میں ایک ہی سودا سمایا تھا کہ جتنی جلدی ممکن ہو یہاں سے دور چلی جائے......! وہ شخص جس کے چنگل سے وہ نکل بھاگی تھی جب واپس لوٹ کر اسے وہاں نہیں پائے گا تو کتنا خونخوار ہو جائے گا؟

اس نے سوچا اور اس کا دل دھل گیا۔ وہ جانتی تھی کہ کمپنی کمانڈر یہاں کا بے تاج

بادشاہ تھا اور اس کے فرار کے فوراً بعد وہ اس کی تلاش کے لئے زمین آسمان ایک کر ڈالے گا۔ وہ جلد از جلد یہاں سے کہیں بہت دور نکل جانا چاہتی تھی لیکن اسی سوال نے اسے چکرا کر رکھ دیا۔ بس کا کنڈیکٹر لوگوں سے کرایہ وصول کرنے اب سواریوں کی طرف آ رہا تھا۔ گیتا نجلی نے اپنے کان چوکنے کر رکھے تھے۔ وہ کوئی بھی نام سننا چاہتی تھی۔ بالآخر اس کی مراد بر آئی جب کنڈیکٹر نے اسے آگے بیٹھے بزرگ سے منزل دریافت کی تو اس نے بڑی اونچی آواز میں کسی جگہ کا نام لے دیا کنڈیکٹر اس کے پاس آیا تو گیتا نجلی نے بھی یہی نام دہرا دیا ایک نوٹ جو اس کے اندازے کے مطابق دس روپے مالیت کا تھا اس کی طرف بڑھا دیا۔

کنڈیکٹر نے اس کی شکل پر نظر ڈالے بغیر کچھ پیسے واپس لوٹا دیئے اور اپنے کام میں مصروف رہا۔

گیتا نجلی نے اپنا نقاب اور لمبا کر لیا تھا وہ کھڑکی سے بھی چوری چوری باہر کا منظر دیکھ رہی تھی۔ بس اب پکی سڑک پر رواں دواں تھی۔ اس درمیان اس نے تین چار جگہ سٹاپ کیا لیکن ابھی تک اگلی سیٹ والا بزرگ اپنی سیٹ سے نہیں اٹھا تھا پھر ایک سٹاپ پر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

گیتا نجلی بھی اس کے تعاقب میں باہر آ گئی۔ اس نے محسوس کیا یہاں بس کے آدھے سے زیادہ مسافر اترے تھے جس کا مطلب یہ تھا یہ کوئی بڑا سرحدی قصبہ ہوگا۔ یہاں تو اس موذی نے ضرور اس کے لئے جال پھیلا رکھا ہوگا؟ اس کے ذہن میں بجلی کے کوندے کی طرح یہ خیال لپکا۔

قدرتی بات تھی کہ اس کے فرار والی جگہ کے بعد یہی سب سے زیادہ بارونق جگہ تھی تو اس نے اس جگہ کو نظر انداز نہیں کیا ہوگا۔ بس کے باہر کا منظر مزید خوفزدہ کرنے والا تھا۔ یہاں لوگ بڑی تعداد میں کھڑے تھے جن میں کچھ وردی پوش بھی تھے۔ گیتا نجلی نے اندازے سے ایک طرف چلنا شروع کر دیا۔

اچانک ہی اس کے کان میں گاڑی کے انجن کے وسل کی آواز پڑی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ گاڑی یا تو جا رہی ہے یا پھر جانے والی ہے۔ اس نے اندازے سے وسل کی سمت چلنا شروع کیا اور چند گز کے بعد ہی اسے ریلوے لائن دکھائی دی۔ ریلوے لائن کی طرف جاتے ہوئے اسے پلیٹ فارم بھی نظر آیا جہاں لوگ ایک دوسرے کو دھکم پیل کرتے دکھائی دیئے۔

''وہ بھی لوگوں کو دیکھا دیکھی ایک ڈبے میں جا کر بیٹھ گئی'' یہاں آ کر اسے اندازہ ہوا کہ

پاکستانی ٹرینوں میں خواتین کے لئے الگ ڈبے موجود تھے کیونکہ ٹرین میں سوار ہونے والی خواتین کے ساتھ ساتھ وہ بھی جس ڈبے میں بیٹھی تھی وہاں خواتین اور بچے ہی نظر آ رہے تھے۔

یہ کوئی پسنجر ٹرین تھی جس میں اتنا زیادہ رش نظر آ رہا تھا۔ ٹرین کب چلی؟ کہاں رُکی؟ راستے میں کون کونسے سٹیشن آئے؟ اسے کچھ معلوم نہیں تھا۔ اس کے ساتھ بیٹھی ایک عورت نے شاید اس کی حالت پر رحم کرتے ہوئے اسے اپنے پاس پہلے سے موجود ایک ڈبے سے دودھ کا گلاس پینے کو دیا تھا اور اس کے ناں ناں کرنے کے باوجود زبردستی اسے پلا دیا تھا۔ ٹرین ایک جگہ بالآخر رُک گئی۔ شاید انہیں سفر کرتے ڈھائی تین گھنٹے ہو گئے تھے۔ اسے یہاں پہنچ کر احساس ہوا کہ اس ٹرین کا آخری سٹیشن تھا کیونکہ یہاں ساری ٹرین خالی ہو گئی تھی۔ اس کی خوش قسمتی تھی کہ ابھی تک ٹرین میں کوئی ٹکٹ چیکر نہیں سوار ہوا تھا ورنہ اس مرحلے پر اس کی گرفتاری اس کے لئے مزید مسائل پیدا کر سکتی تھی۔

اس نے اپنے سارے جسم کو چادر سے لپیٹ کر اسے سر پر اس طرح اوڑھ رکھا تھا جیسے یہاں مقامی عورتیں اوڑھتی ہیں لیکن اب جس سٹیشن پر ٹرین آ کر ٹھہری تھی وہ شاید کوئی بڑا اسٹیشن نہ تھا۔ اس نے دیکھا یہاں عورتیں کچھ زیادہ پردے کا خیال نہیں رکھتی تھیں۔

ڈرتے ڈرتے اس نے ماحول پر ایک طائرانہ نظر دوڑائی اور ایک جگہ اس کی نظریں رُک گئیں۔ پلیٹ فارم کے ایک کونے میں موجود ایک اشتہار کمپنی کے بورڈ سے جو انگریزی زبان میں لکھا تھا اسے اندازہ ہو گیا کہ وہ پاکستان کے بڑے شہر لاہور پہنچ چکی ہے جو آٹھ دس جماعتیں اس نے پڑھی تھیں اس دوران اس نے متعدد مرتبہ لاہور کا نام سنا تھا۔

آج اس نے لاہور دیکھ بھی لیا تھا!

O

مکھو کی جان عذاب میں آ گئی تھی......!

اس زندگی میں کبھی اس بات کا تصور نہیں کیا تھا کہ وہ فوجیوں کے ہتھے چڑھ جائے گا۔ ساری زندگی اس نے مقامی پولیس اور انسپکٹر برکت جیسے غداروں کی مدد سے اپنا مکروہ دھندہ کامیابی سے چلایا تھا۔ اس نے مقامی انتظامیہ کو قابو میں رکھنے کا سستا سا نسخہ تلاش کر لیا تھا اور ہر اس سرکاری اہلکار کو جو اس کے رستے کا روڑہ بن سکتا ہو رشوت کی چاٹ لگا کر اپنے راستے کا پتھر ہٹا دیا کرتا تھا لیکن یہ فوج والے نجانے کہاں سے اس کی جان کو آ گئے تھے......!

انسپکٹر برکت کی روانگی کے ڈیڑھ دو گھنٹے بعد ہی انہوں نے مکھو کو قابو کر لیا تھا اور اسے اپنے دفتر لے آئے تھے۔

''لڑکی کہاں ہے؟'' اس سے پہلا سوال ہوا تھا۔

''کونسی لڑکی؟''......مکھو کو واقعی ابھی تک سمجھ نہیں آئی تھی کہ وہ کس لڑکی کی بات کر رہے ہیں۔

''اس بے چارے کو تو لڑکی کا علم ہی نہیں......بھئی کسی غلط آدمی کو تو نہیں پکڑ لائے''۔ صوبیدار نے طنزیہ انداز میں اپنے ساتھیوں سے کہا۔

''تمہارا نام مکھو ہی ہے ناں......''......''ہاں جی''......''کہیں اپنا نام تو نہیں بھول گئے'' صوبیدار کو غصہ آنے لگا تھا۔

''نہیں مائی باپ میرا نام مکھو ہی ہے لیکن مجھے علم نہیں آپ کیا پوچھ رہے ہیں''۔ مکھو نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

''بتاؤ اسے شاید یہ کوئی اور زبان سمجھتا ہے''۔ صوبیدار صاحب نے اپنے جوانوں کو حکم دیا۔

ایک ساتھ تین جوانوں نے اس پر حملہ کیا اور مکھو کو دن میں تارے دکھائی دینے لگے۔

''میں ذرا باہر جاتا ہوں جب اسے یاد آ جائے تو مجھے بلا لینا''۔ یہ تھی صوبیدار صاحب کی آخری آواز جو اس نے سنی۔ اس کے بعد تو اسے یوں لگا جیسے اس کے کان اور آنکھیں بند ہو گئی ہوں۔ اس نے زندگی میں دو تین مرتبہ پولیس سے جوتے ضرور کھائے تھے لیکن یہ بہت پرانی بات تھی۔ اب تو طویل عرصے سے وہ سیاسی قسم کی بدمعاشی کر رہا تھا۔ اب تو اس کا جسم ایک جوتا برداشت کرنے کے قابل نہیں رہا تھا۔

اچانک ہی اسے یوں لگا جیسے اس کی پسلیاں ٹوٹ جائیں گی۔ اس کے انگ انگ سے درد کی ٹیسیں اُٹھ کر اس کے دل و دماغ کو ڈسنے لگی تھیں۔

''آخر کونسی لڑکی کے متعلق جاننا چاہتے ہیں یہ لوگ......کہیں اس انسپکٹر والی لڑکی کے متعلق تو نہیں......''

اچانک ہی ایک خیال بجلی کے کوندے کی طرح اس کے ذہن پر

لپکا۔''ٹھہرو......ٹھہرو......بتاتا ہوں......''

اس نے روتے اور منت سماجت کرتے ہوئے ہاتھ باندھ دیئے۔ اس کی آہ و زاری سن کر صوبیدار صاحب جو دروازے کے باہر کھڑے تھے اندر آ گئے۔

''کمال ہے بھئی......اتنی جلدی تمہیں یاد آ گیا''......انہوں نے اپنے جوانوں کی طرف تحسین آمیز نظروں سے دیکھا۔

''جناب میں آپ سے جھوٹ نہیں بول سکتا نہ ہی اس طرح آپ میری جان چھوڑیں گے لیکن جو بات میں کہنے جا رہا ہوں اس کی انکوائری کروا لیں اگر وہ غلط ہو تو مجھے گولی مار دیں۔ کہیں آپ اس لڑکی کے متعلق تو نہیں پوچھ رہے جو انسپکٹر برکت لایا تھا......''

اس نے صوبیدار سے کھسیاتے ہوئے کہا۔''ہاں......اس کے متعلق کہاں ہے وہ لڑکی''......اس کے جواب میں مکھو نے جتنی قسمیں اسے یاد تھیں دہراتے ہوئے کہا کہ اس نے اس لڑکی کی شکل بھی نہیں دیکھی۔

''کمال ہے تم نے اس کی شکل بھی نہیں دیکھی......انسپکٹر برکت تمہارے پاس اسے لایا بھی تھا اور تم اسے جانتے بھی نہیں......میرے خیال سے تم نے کافی آرام کر لیا، کیا خیال ہے ایک کورس اور نہ ہو جائے'' صوبیدار نے کہا۔

''آپ میری پوری بات سن لیں مائی باپ اس کے بعد جو دل آئے کریں''

یہ کہتے ہوئے اس نے صوبیدار کو بلا کم و کاست ساری بات سنا دی اور اسے یہ بھی بتایا کہ انسپکٹر برکت کے کہنے کے باوجود ان لوگوں نے لڑکی کو تلاش نہیں کیا کیونکہ وہ اس کوئلے کی دلالی میں اپنا منہ کالا کروانا نہیں چاہتا۔

''تم سچ بول رہے ہو؟'' صوبیدار نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

''جناب آپ میرے جسم سے بوٹی بوٹی الگ کر دیں تب بھی اس کے علاوہ میں کچھ نہیں بتاؤں گا'' یہ بات مکھو نے قدرے اعتماد سے کہی تھی۔

''لیکن مجھے تمہاری بات پر کیسے یقین آئے کہ واقعہ وہی ہے جو تم سنا رہے ہو؟'' صوبیدار نے پوچھا۔

''آپ ان دونوں سے پوچھ سکتے ہیں جو وہاں موجود تھے جن کے سامنے انسپکٹر برکت

اکیلا آیا تھا''......مکھو نے جواب دیا......

''کون تھے وہ دونوں؟''

صوبیدار کے سوال کے جواب میں اس نے دونوں عینی شاہدوں کے نام اور ان کے ممکنہ ٹھکانے بتادیئے۔

''ٹھیک ہے ہم دیکھتے ہیں......ایک بات یاد رکھنا اگر تم نے انسپکٹر برکت سے متعلق کوئی بات چھپانے کی کوشش کی تو ہم تمہیں بھی اس کے ساتھ ہی تفتیش کے لئے قلعے میں لے جائیں گے اور کسی کو کانوں کان پتہ نہیں چلے گا کہ مکھو نام کا کوئی آدمی بھی یہاں ہوا کرتا تھا یا نہیں......تم اچھی طرح جانتے ہو ہمارے قابو آ گئے تو تمہارا کیا حشر ہوگا''

''میں جانتا ہوں مائی باپ''......مکھو نے جواب دیا۔

صوبیدار نے اسے اپنے جوانوں کی حراست میں چھوڑا اور خود گارڈ کے ساتھ ان دونوں کی تلاش میں چلے گئے۔

دونوں اکٹھے ہی پکڑے گئے تھے۔ دو گھنٹے تک ان پر مختلف حربے آزمائے گئے لیکن انہوں نے بھی اس سے آگے ایک لفظ بتانے پر معذوری ظاہر کی۔ انہیں تو اس بات کا ابھی علم نہیں تھا کہ انسپکٹر برکت مکھو کے پاس کس کام سے آیا تھا وہ صرف یہ جاننے کے گناہگار ہوئے تھے کہ ان کی موجودگی میں انسپکٹر برکت آیا تھا لیکن کوئی لڑکی اس کے پاس نہیں تھی۔ رات گئے تک تینوں کے ساتھ مغزماری کرنے کے بعد وہ بالآخر اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ یہ تینوں جو بیان دے رہے ہیں وہی سچ ہے اور انہیں اس بات کا علم نہیں کہ لڑکی کون تھی؟ کہاں سے آئی؟ اور اب کہاں چلی گئی ہے؟

صوبیدار نے اپنی تفتیش مکمل کرنے کے بعد تینوں کو باری باری میجر صاحب کے سامنے پیش کر دیا تھا جن کی جہاندیدہ نظروں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ ان تینوں کو اس کے علاوہ اور کوئی معلومات حاصل نہیں ہیں۔

''دیکھو مکھو......تمہاری رہائی کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ انسپکٹر برکت کے جتنے کالے کرتوت تمہارے علم میں ہیں وہ سب ہمیں بتادو......لیکن اس بات کا خیال رکھنا کہ ہم بغیر ثبوت کے کوئی بات نہ سنیں گے نہ اس پر کان دھریں گے......یہی ایک صورت تمہاری جان بچاسکتی ہے ورنہ تم بھی اس کے ساتھ ہی قلعے کی سیر کرنے کے لئے تیار رہنا؟

میجر صاحب بالآخر ایک اور فیصلے پر پہنچتے ہوئے کہا۔

اندھے کو کیا چاہیئے......دو آنکھیں......اس نے جھٹ سے ہاں کہہ دی۔ وہ جانتا تھا کہ یہ فوجی لوگ ہیں۔ جہاں......انسپکٹر برکت نہ رشوت دے کر جان چھڑا سکتا ہے نہ ہی یہاں اس کی واقفیت اور اثر ورسوخ کام آئے گا......! دوسری طرف اسے خود بھی برکت سے جان چھڑانی تھی۔ اس کی فرمائشیں روز بروز بڑھتی جا رہی تھیں اور تعاون وہ اپنی مرضی سے کرتا تھا۔ مکھو نے ایک گھنٹے کے طویل بیان میں اپنے علم کی حد تک اس کے کالے کرتوت خوب بڑھا چڑھا کر بیان کر دیئے۔

اس نے انسپکٹر برکت سے متعلق جن سنگین حقائق کا انکشاف کیا تھا اس کے بعد اسے کھلا چھوڑنا میجر کے لئے ممکن نہیں رہا تھا۔

O

علی الصبح میجر صاحب مکھو کے بیان کی تفصیلات اور کل کے واقعات کی رپورٹ کرنے کے لئے اپنے بریگیڈ آفس پہنچ گئے۔

اعلی افسران کو ان لرزہ خیز انکشافات نے ہلا کر رکھ دیا۔ اگلے ایک گھنٹے کی کارروائی کے بعد جس میں رینجرز اور فوج کے اعلیٰ افسران کی ہنگامی میٹنگ شامل تھی۔ انسپکٹر برکت کو گرفتار کر کے تفتیش کرنے کے احکامات ملٹری انٹیلی جنس نے حاصل کر لئے تھے۔

میجر صاحب نے یہاں سے اپنے آفس واپس لوٹنے کے بجائے رینجرز کی گارڈ کے ساتھ کمپنی ہیڈکوارٹر کا رُخ کیا تھا۔

انسپکٹر برکت کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہیں آ سکتی تھی کہ میجر اس طرح بلائے ناگہانی بن کر اس پر ٹوٹ پڑے گا اور اس کی گرفتاری اور پھر تفتیش کا فیصلہ بھی اتنی اعلی سطح پر ہو جائے گا۔

اس نے اپنی دانست میں کچھ بڑوں کو کرپٹ کر کے اور مختلف حیلوں، بہانوں سے انہیں رشوت کی لت لگا کر یہ سمجھ لیا تھا کہ اب وہ من مانی کرنے کے لئے آزاد ہے اور کوئی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔

''میں نے تمہیں کہا تھا ناں کہ اب تمہیں اپنے ایک ایک جرم کی جوابدہی کرنا ہو گی......برکت تم پاکستان کے عظیم سرحدی محافظوں کے نام پر کلنک کا ٹیکہ ہو......تم جیسے لوگ زمین کا کوڑھ ہیں۔ تم نے پاکستان ہی سے نہیں، اپنے مادر وطن ہی سے نہیں بلکہ اپنے عظیم مشن سے غداری

کی ہے۔تمہیں خدا بھی کبھی معاف نہیں کرے گا۔ میں تمہیں وطن فروشی، غداری اور سمگلنگ کے مکروہ دھندے میں ملوث ہونے کے الزام میں گرفتار کرتا ہوں‘‘۔

یہ کہتے ہوئے اس نے اپنے جوانوں کو اشارہ کیا جنہوں نے اس کی وردی سے تمام بیجز اتار لئے۔تمام بیج اتار کر اسے حراست میں لے لیا گیا۔ بزدل انسپکٹر برکت بچوں کی طرح رونے لگا۔ تھوڑی دیر بعد وہ آرمی انٹیلی جنس کے ایک آفس میں اپنے جرائم کا حساب دینے کے لئے موجود تھا۔

اگلے روز صبح تک ہونے والی تفتیش نے یہ ثابت کر دیا کہ واقعی لڑکی انسپکٹر برکت کے ہاتھ سے نکل گئی ہے۔اس بات میں کوئی شک نہیں کہ وہ گیتا نجلی کو اس نیت سے لے کر گیا تھا کہ اسے اپنے جرائم پیشہ ساتھیوں کی مدد سے ٹھکانے لگا دے۔اس کی بدقسمتی کہ گیتا نجلی بھی اس کے ہاتھ سے نکل گئی اور اپنے گناہوں کا حساب چکانے کا وقت بھی آ گیا۔

میجر صاحب کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ دونوں کو کیا جواب دیں۔ان لوگوں نے بلاشبہ ملک و قوم کے لئے بے شمار خدمات انجام دی تھیں اور اب بھی بڑی دلیری سے فرار ہو کر آئے تھے۔

انہوں نے اپنے طور پر نزدیک والے دیہاتوں میں مخبروں کا جال ضرور پھیلا دیا تھا کہ اگر گیتا نجلی خوفزدہ ہو کر کہیں چھپ گئی ہے تو وہ اسے واپس لا سکیں۔

O

ایک مرتبہ پھر وہ ہونقوں کی طرح منہ اٹھائے ریلوے اسٹیشن پر کھڑی تھی۔اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی۔کیا کرے کدھر جائے؟ کس کو مدد کے لئے پکارے؟

پاکستانی سرحد میں داخل ہوتے ہی اس کے ساتھ جو سانحہ گزرا تھا اس نے گیتا نجلی کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں مفقود کر دی تھیں۔اس نے فی الوقت خود کو حالات کے رحم و کرم پر ہی چھوڑا ہوا تھا۔یہی اس کے اختیار میں تھا۔اس کے علاوہ وہ کچھ کرنے پر قدرت نہیں رکھتی تھی۔

سوامی مہاراج کے ساتھ رہتے ہوئے اس نے کم از کم مردوں کی چہروں سے ان کے اندر چھپی خباشت کو پڑھنے کا فن ضرور سیکھ لیا تھا۔شاید یہی وجہ تھی کہ اب اسے گھبراہٹ بھی ہونے لگی تھی۔ اس نے دیکھ لیا تھا کہ یہاں اب اسے اکیلی دیکھ کر کچھ اوباش قسم کے نوجوانوں نے اس کا طواف شروع کر دیا ہے وہ اس کے گرد گھیرا ڈال کر کھڑے ہو گئے تھے۔

گیتا نجلی کو اپنے حلق میں کانٹے سے اترتے محسوس ہو رہے تھے......وہ اس قابل بھی نہیں

تھی کہ کسی کو اپنی مدد کے لئے پکار سکے۔کیا بتاتی کسی کو؟ اسے تو اب تک یہ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ زندہ بھی ہی یا نہیں......کبھی کبھی تو اسے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس کا دم ہی گھٹ جائے گا اور وہ اسی طرح کھڑے کھڑے مر جائے گی۔اس کی آنکھوں کے سامنے پانی کی سبیل لگی تھی۔

چھوٹی سی پانی کی ٹینکی جس کے ساتھ تین چار ٹوٹیاں لگی تھیں اس سے بمشکل پندرہ بیس گز کے فاصلے پر موجود تھی۔شاید ایک دو ٹوٹیاں ہی سلامت رہ گئی تھیں جبکہ ٹوٹی ہوئی ٹوٹیوں میں سے پانی بہتا چلا جا رہا تھا۔پانی کے اس طرح ضیاع کو اس نے محسوس کیا۔یہ شاید پہلا احساس تھا جو اس کے ذہن میں سمایا جو اس بات کا ثبوت تھا کہ ابھی اس کے محسوسات زندہ ہیں ’’مجھے پانی پینا چاہئے‘‘۔یہ سوچتے ہوئے اس نے دل کڑا کر کے پلیٹ فارم میں گڑے اپنے قدم اٹھائے اور انہی بوجھل قدموں کے ساتھ کسی نہ کسی طرح پانی کی ٹینکی کے نزدیک پہنچ گئی۔ٹینکی کے ساتھ زنجیر سے منسلک ایک لوہے کا گلاس بھی لٹک رہا تھا اس کی حالت دیکھ کر گیتا نجلی کا دل نہ چاہا کہ وہ اس گلاس میں پانی ڈال کر پئے۔اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کی ’’اوک‘‘ سے پانی گھونٹ گھونٹ کر کے اپنے حلق میں اتارنا شروع کر دیا۔

بوند بوند پانی اس کے حلق سے گزرتا اس کے جسم میں داخل ہو رہا تھا اور گیتا نجلی کو یوں لگتا تھا جیسے دہکتے ہوئے آتش فشاں پر پانی کی پھوار گرنے لگی ہو......اسے اپنا وجود چٹختا محسوس ہو رہا تھا لیکن کہیں دور اس کے لاشعور میں ابھی تک محفوظ ہو جانے کا احساس باقی تھا۔کوئی نادیدہ طاقت جیسے اس کی پشت پر اس وقت سے آن کھڑی ہوئی تھی جب سے اس نے کلمہ شریف پڑھا تھا اور خود کو باقاعدہ مسلمان کر لیا تھا۔

کتنی بدقسمت ہوں میں! اس نے سوچا......جس کے ہاتھوں اسے نئی زندگی کی نوید ملی وہ ہی اس سے بچھڑ گیا......اس کی قسمت ہی ایسی تھی۔زندگی میں کوئی خوشی بھی آسانی سے اس کے ہاتھ نہیں لگی تھی۔معمولی سی خوشی کے حصول کے لئے اسے ہمیشہ بڑے بڑے پاپڑ بیلنے پڑے تھے۔

کچھ بھی ہو اس نے سوچا ’’بہر حال وہ سوامی کے آشرم سے زیادہ یہاں خود کو محفوظ سمجھتی تھی۔یہاں کم از کم وہ مسلمان کی حیثیت سے مر تو سکے گی۔‘‘ ’’بوتل پیاں ویاں سونہو‘‘......اس کی پشت سے اچانک ہی بلند ہونے والی آواز ہتھوڑے کی طرح اس کے دل و دماغ پر ٹھاہ سے لگی تھی۔

گیتا نجلی نے گردن گھمائی تو وہی گنجا سا ڈھلتی عمر کا شخص جس نے خضاب سے اپنی مونچھیں

اور سر پر رہ جانے والے چند بال رنگے ہوئے تھے اور کافی دیر سے اس کو ٹکٹکی لگائے گھور رہا تھا اپنے پیچھے کھڑا دکھائی دیا۔ بے شرمی سے اس کے دانت باچھوں سے باہر نکلے جاتے تھے۔

گیتا نجلی کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اسے کیا جواب دے۔ گھبراہٹ سے اس کے ہاتھ پاؤں پھولنے لگے تھے۔

اس نے چاہا کہ اس مصیبت سے چھٹکارہ حاصل کرے اور وہاں سے ہٹ کر لکڑی کے ایک بنچ پر آ کر بیٹھ گئی جس کے ایک کونے میں ایک بوڑھی عورت بیٹھی کھانس رہی تھی اور اس کے قدموں سے لپٹے دو بچے مسلسل رو رہے تھے۔ یہ بوڑھیا شاید ان کی نانی یا دادی تھی جس کی بہو یا بیٹی اپنے بچوں کے لئے پلیٹ فارم پر موجود چائے کے سٹال سے کچھ خریدنے گئی تھی کہ ان کے پیٹ کا دوزخ بھر سکے۔

اپنی دانست میں گیتا نجلی نے بڑا محفوظ مورچہ تلاش کیا تھا اور قدرے مطمئن ہو کر یہاں بیٹھی تھی۔ اسے امید نہیں تھی کہ وہ گنجا شیطان یہاں بھی آن مرے گا۔ اپنی نظریں سامنے کھڑی ٹرین پر گاڑے وہ لمبے لمبے سانس لے رہی تھی کہ اچانک اسے اپنے دائیں طرف قدموں کی آواز سنائی دی۔

''بوتل پسند نہیں تے کچھ ہور منگوا دیئے''۔ وہی منحوس آواز اس کے پردہ سماعت سے ٹکرائی۔ گیتا نجلی نے اس کی طرف دیکھا تو نہیں لیکن نجانے کیوں اسے غصہ آ گیا۔ وہ اچانک اٹھ کر کھڑی ہو گئی...... سوامی مہاراج کے آشرم میں کسی کو اس کے سامنے آواز اونچی کر کے بولنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی اور یہاں یہ بدتمیز شخص نجانے کہاں سے آن ٹپکا تھا۔

''دفع ہو جاؤ...... کتے کے بچے......'' وہ پھٹ پڑی......

اس کا لاوا جو گزشتہ 48 گھنٹوں سے اس کے اندر دھک رہا تھا آنکھوں کے آہنی پردے چیرتا ہوا باہر آ گیا۔ اپنی بے بسی پر اس نے رونا شروع کر دیا۔ گنجے کے لئے اس کا ردعمل بالکل خلاف توقع تھا۔ اس نے یہاں سے کھسک جانا ہی مناسب سمجھا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا غائب ہو گیا۔

''کیا بات ہے بی بی...... کیا ہوا؟''

اچانک ہی ریلوے پولیس کا ایک سپاہی ڈنڈا لہرتا اس کے نزدیک آ گیا۔ ''کچھ نہیں''...... گیتا نجلی نے کہا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ کسی کے سوالات کا سامنا کرے۔

سپاہی نے اس کی طرف دیکھا اس کے اندر کا شیطان بیدار ہو گیا۔ ''کہاں جانا ہے بی بی

تم نے......'' اس نے دوسرا سوال کیا۔ گیتا نجلی کو ایک ہی شہر کا نام آتا تھا کراچی...... اس نے جھٹ سے یہی کہہ دیا۔ ''کراچی''......

کانسٹیبل نے دھرایا اور اس کی طرف دیکھ کر معنی خیز انداز میں مسکرا دیا۔ ''کہاں سے آئی ہو؟'' اس نے اگلا سوال ذرا کرخت لہجے میں کیا تھا۔

''تمہیں کیا...... جاؤ اپنا کام کرو......''

گیتا نجلی کو غصہ آ گیا تھا۔ وہ بیک وقت خوفزدہ بھی تھی اور غصہ میں بھی دکھائی دیتی تھی۔ اگر وہ سرحد پار ہوتی تو کسی کو ایسے سوال پوچھنے کا مزہ چکھا دیتی لیکن فی الوقت وہ مجبور محض تھی...... کاش شیر عالم اس کے ساتھ ہوتا اس نے سوچا۔

سپاہی نے شاید اپنے ذہن میں کوئی شیطانی منصوبہ بنا لیا تھا اور اب وہ اس پر عمل کرنے جا رہا تھا۔ اس نے اپنی زندگی میں ایسی حسین لڑکی نہیں دیکھی تھی اور اس کی گھاگ نظروں نے یہ اندازہ بھی کر لیا تھا کہ یہ گھر سے بھاگی ہوئی ہے۔ اپنے شکار کو بھلا وہ کیوں اپنے ہاتھ سے جانے دے۔ یہی سوچ کر اس نے گیتا نجلی کو اپنے ساتھ چلنے کا حکم دیا۔

''میں نہیں جاؤں گی''...... گیتا نجلی نے قریباً چیختے ہوئے کہا۔

ریلوے پولیس کانسٹیبل سہم گیا کہیں کوئی اور مصیبت نہ آ جائے اس نے کوئی تماشا لگنے سے پہلے لیڈیز پولیس کی مدد حاصل کرنا ضروری سمجھا کیونکہ اب وہ اسے چھوڑ نہیں سکتا تھا اس ارادے کے ساتھ وہ نزدیکی کمرے کی طرف بڑھا۔

''ابھی دیکھتا ہوں کیسے نہیں جاتی......'' اس نے گیتا نجلی کو برا سا لفظ کہا۔

گیتا نجلی یہ تو سمجھ گئی تھی کہ یہ شخص کسی نیک ارادے سے واپس نہیں لوٹا، ضرور اپنے ساتھیوں کو مدد کے لئے بلانے گیا ہو گا۔

اس نے اندازہ کر لیا تھا کہ اگر اس کانسٹیبل کی جگہ کوئی بہت نیک اور پارسا پولیس والا بھی ہوتا تو بھی اس طرح کی خوفزدہ گھبرائی ہوئی اور اکیلی لڑکی کو ایک مرتبہ نظروں میں آنے کے بعد واپس جانے کی اجازت نہ دیتا۔

یہ بات ان کے فرائض میں شامل تھی کہ وہ مشتبہ عورتوں اور مردوں پر نگاہ رکھیں، یوں بھی آج کل تخریب کاری کی وارداتیں عام ہو رہی تھیں اور کسی پر بھی شک کیا جا سکتا تھا۔

"کیابات ہے بیٹی......تم پریشان کیوں ہو؟"

بوڑھیا نے جواب کھانسنے سے فارغ ہو چکی تھی اور اس کی بیٹی نے بھی اس کے قدموں سے لپٹے دونوں بچوں کے ہاتھوں میں بسکٹ تھما کر انہیں مطمئن کر دیا تھا اس کی طرف دھیان دیا۔

"کچھ نہیں ماتا جی"......! گیتا نجلی کے منہ سے بے ساختہ نکلا اور اسے اپنی غلطی کا احساس بھی ہو گیا اس نے غلط لفظ منہ سے نکال دیا تھا۔

"ہیں ماتا جی......! تیرا بیڑہ غرق جائے میرا مذاق اڑاتی ہے......" بوڑھیا نے اس بات کا کچھ اور ہی مطلب لیا تھا۔ "ماں جی میرا مطلب یہ نہیں تھا......دراصل میں بہت پریشان ہوں"......گیتا نجلی نے چاہا کہ بات کو سنبھال لے......بوڑھیا نے شاید دوبارہ اس کے منہ لگنا مناسب نہیں جانا تھا اور منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑا کر اپنا رُخ دوسری طرف کر لیا۔

اسی اثناء میں اس نے کانسٹیبل کو ایک موٹی سی خاتون کے ساتھ اپنی طرف آتے دیکھا اور گیتا نجلی کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

عین ان لمحات میں سامنے کھڑی ٹرین نے بھی رینگنا شروع کر دیا۔ جانے کس غیبی قوت نے اسے اپنا پاؤں پر سپرنگوں کی طرح اچھال دیا اور اس نے قریباً بھاگتے ہوئے ایک ڈبے کے پائیدان پر قدم جما دیئے۔ دوسرے ہی لمحے وہ ٹرین کی اندر تھی۔

O

ٹرین نے آہستہ آہستہ رفتار پکڑنی شروع کر دی تھی۔

جب ذرا ہوش آئی تو اس نے اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیا۔ یہ شاید اس گاڑی کا کوئی اعلیٰ کلاس کا ڈبہ تھا اور شاید ایئر کنڈیشن بھی......ڈبے میں سواریاں اپنی اپنی جگہ بیٹھ چکی تھیں اور پہلی ٹرین کے بالکل برعکس یہاں نہ تو کوئی دھکم پیل تھی نہ ہی وہ بدانتظامی اور کسی حد تک بدتمیزی دکھائی دے رہی تھی جس کا مظاہرہ اس نے پہلے والی ٹرین میں سارے راستے ہوتا آیا تھا۔

اس کے ہاتھ میں ابھی تک وہ بٹوا موجود تھا جو اس نے رینجرز انسپکٹر کی جیب سے نکالا تھا۔

اسے محض اتنا علم تھا کہ اس بٹوے میں اچھی خاصی رقم موجود ہے......لیکن کتنی رقم ہے؟ یہ وہ نہیں جانتی تھی۔

اسے اردو زبان پڑھنی نہیں آتی تھی لیکن وہ انگریزی تھوڑی بہت پڑھ لیتی تھی اور انگریزی کے لکھے الفاظ سے ہی اس نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ جس ڈبے میں سوار ہوئی ہے اس پر کراچی لکھا ہے۔

کرنسی نوٹوں کی مالیت کا اندازہ بھی وہ انگریزی الفاظ پڑھ کر ہی لگا سکتی تھی......! یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ ابھی تک پولیس یا انتظامیہ کے لوگوں نے اس کی موجودگی کا نوٹس نہیں لیا تھا اور وہ تماش بینوں کی ہی مرکز نگاہ بنی ہوئی تھی۔

دراصل جس سلیقے سے اس نے بوڑھے حوالدار کی چادر اپنے سر پر اوڑھ رکھی تھی اسے دیکھ کر ضرور ایک نظر اس کی شکل پر پڑنے کے بعد پہلی نظر میں وہ کسی بڑے گھرانے کی بہو بیٹی ہی دکھائی دیتی تھی......وہ کہاں بیٹھے؟

بھارت میں تو ایسی ٹرینوں کا ہر ڈبہ پہلے سے ریزرو ہوتا ہے یہاں نجانے کیا دستور ہے؟ اس کے نزدیک خاصی سیٹیں خالی تھیں اور بمشکل تین چار گز کے فاصلے پر موجود سیٹ پر ایک بوڑھی عورت اپنے جوان بیٹے کے ساتھ بیٹھی تھی۔

گیتا نجلی کو اپنے حال کی خبر نہیں تھی بے چاری کسی اور کی کیا خبر رکھتی۔ اس نے اندازہ ہی نہیں کیا کہ جب سے وہ ڈبے میں ڈری سہمی داخل ہوئی تھی اس وقت سے ہی اس نوجوان کی نگاہوں کا مرکز بنی ہوئی تھی۔

یہ بیرسٹر انور خان تھا......! نامور باپ کا ہونہار بیٹا......!

انور خان نے کم عمری میں بے حد شہرت اور عزت پائی تھی جو اسی کا حصہ تھا۔ وہ نامور جج کا بیٹا تھا۔ شاندار تعلیمی کیریئر کا حامل۔

اگر چاہتا تو آسانی سے اعلیٰ سروسز کا امتحان پاس کر کے کسی بھی سرکاری محکمے میں اعلیٰ ترین عہدے پر فائز ہو سکتا تھا لیکن اپنی خاندانی روایات کے عین مطابق اس نے سرکاری نوکری پر اعلیٰ تعلیم کو ترجیح دی اور قانون کی اعلیٰ ڈگری لندن سے حاصل کرنے کے بعد اپنے آبائی شہر میں اپنے والد کے ساتھ ہی جو اب ریٹائرمنٹ کی زندگی بسر کر رہے تھے پریکٹس شروع کر دی۔

اس نے کبھی بھی اپنے والد کی شہرت کو بیساکھیاں نہیں بنایا تھا۔ خود اعتمادی اس میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی اور یہی وجہ تھی کہ وہ دنوں میں شہرت حاصل کرتا چلا گیا۔ بڑے بڑے پیچیدہ اور لاینحل کیس اس نے حل کر دیئے۔ اس کی شہرت اپنے شہر سے نکل کر اب سارے صوبے میں پھیل گئی تھی۔ اس صوبے کے بڑے بڑے وزیر اور پیر اس کے مستقل گاہک بن چکے تھے۔

دو سال کی قلیل مدت میں اس نے اپنے ساتھ دس آدمیوں کی ایک ٹیم بنائی تھی اور اس شہر

کے لوگ جانتے تھے کہ بیرسٹر انور خان جس کیس کو ہاتھ ڈالے کامیابی اس کا مقدر بنتی ہے۔

اس نے آج تک کوئی کیس نہیں ہارا تھا لیکن گیتا نجلی پر ایک نظر پڑتے ہی اس نے یوں جانا جیسے وہ زندگی میں پہلا مقدمہ ہار گیا ہے۔

گھبرائی ہوئی اور قدرے خوفزدہ گیتا نجلی نے ٹرین کے اس ڈبے میں پہلا قدم رکھا اور دوسرا قدم انور خان کے عین دل پر پڑا......! ایک مرتبہ تو اس کا دل اتنا زور سے دھڑکا کہ جیسے ابھی سینے کا پنجرہ توڑ کر باہر آ گرے گا۔

کسی خوبصورت عورت کو دیکھنا اس کا پہلا تجربہ نہیں تھا۔ اس نے سکول کے بعد ساری تعلیم ولایت میں حاصل کی تھی اور دوران تعلیم ایک امیر گھرانے کا فرزند ہونے کے ناطے اسے دنیا کے بعض ایسے ممالک اور گوشے دیکھنے کا بھی اتفاق ہوا تھا جو عام آدمی کی پہنچ سے باہر تھے۔

اس نے بہت سے یورپی ممالک کے ساحلی علاقوں کا نظارہ کیا ہوا تھا۔ سمندر کنارے دھوپ میں لیٹی نیم برہنہ عورتوں کو دیکھا تھا جن کے جسم قدرت نے گوندھ کر بنائے تھے۔

لندن کی جس یونیورسٹی میں اس نے تعلیم حاصل کی تھی وہاں دنیا بھر سے منتخب طلباء ہی کو اکتساب کا موقع ملتا تھا۔ کیسے کیسے چہرے تھے جو اس کی زندگی میں آئے اور نکل گئے۔ کتنی لڑکیاں تھی جنہوں نے خواہش کی کہ وہ انور خان کے خوابوں کی دہلیز کو سجائیں لیکن اس کا دل کسی پر نہیں ریجھا۔ اس نے اپنی زندگی کی ترجیحات کا تعین بہت پہلے سے کر لیا تھا۔ اس کے نزدیک سب سے زیادہ اہم اور ضروری بات اس کی تعلیم تھی۔

جب تعلیم مکمل کرنے کے بعد وہ اپنے ملک واپس لوٹا تو اس کے والدین کی شدید خواہش تھی کہ وہ شادی کر لے ان کے گھر میں رونق آ جائے۔ والدین کی اکلوتی اولاد ہونے کے ناطے اس کے بغیر گھر خالی خالی لگتا تھا۔ اب جو جسٹس خان ریٹائر ہوئے تو ان کی خواہش تھی کہ اپنے پوتے پوتیوں کے ساتھ کھیلیں اور زندگی کے باقی دن ہنسی خوشی بسر کر جائیں لیکن انور خان نے ابھی تک ان کی بات نہیں مانی تھی اسے یوں لگا جیسے اب وہ اپنے والد کو انکار نہیں کر سکے گا۔

''بے چاری کب سے کھڑی ہے نجانے کون ہے''......

اسکی والدہ نے جنہیں گیتا نجلی پر ترس آنے لگا تھا اپنے بیٹے سے کہا۔

''ہاں ممی میں بھی دیکھ رہا ہوں...... بے چاری پریشان نظر آ رہی ہے''...... بیرسٹر انور

خان نے کہا۔

''بیٹی ادھر آ جاؤ...... یہاں بیٹھو''...... مسز خان نے جو ایک کالج میں نفسیات کی استاد تھیں پہلی ہی نظر میں ایک اندازہ قائم کرتے ہوئے اسے اپنے پاس بیٹھنے کو کہا۔

گیتا نجلی کے لئے فی الوقت اس پرخلوص پیشکش پر ہاں کہنے کے سوا اور کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ اس کے وجدان نے احساس دلایا تھا کہ یہ پہلے سے مختلف لوگ ہیں۔

معزز خاتون اور ان کے نوجوان بیٹے کے چہروں پر دور دور کہیں خباشت کے آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ گیتا نجلی ایک مرتبہ پھر ہمت کر کے قدم اٹھاتی ان کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گئی، بیٹھتے ہوئے اس نے شکریہ کے الفاظ انگریزی میں ادا کئے تھے۔

مسز خان نے جو کہ نفسیات کی استاد تھیں اس کے چہرے پر ایک نظر ڈالنے سے اس کے اندر مچلنے والے طوفانوں کا قدرے احساس کر لیا تھا اور ایک ماہر نفسیات کی حیثیت ہی میں اس کیس کو ڈیل کرنا چاہتی تھیں۔ انہوں نے جان بوجھ کر ابھی تک کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ وہ کوئی بھی سوال کر کے پہلے سے پریشان اس خوبصورت لڑکی کو مزید گھبراہٹ میں مبتلا کرنا نہیں چاہتی تھیں۔

چند لمحوں تک وہ خاموشی سے اس کی حرکات وسکنات کا جائزہ لیتی رہیں۔ انہوں نے محسوس کیا تھا کہ گیتا نجلی کی بے کلی کچھ کم پڑنے لگی ہے۔ قریباً پانچ منٹ اس کیفیت کی نذر ہو گئے۔

گیتا نجلی نے یہ تو جان لیا تھا یہ مہربان لوگ ہیں لیکن اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ انہیں اپنے متعلق کیا بتائے۔ ابھی وہ خاتون سے گفتگو کرنے کے لئے پر تول ہی رہی تھی جب اچانک ایک اور آفت آن پڑی۔ یہ ٹکٹ چیکر تھا......!

اس کی شکل پر ایک نظر پڑتے ہی گیتا نجلی کو اس کے ٹکٹ چیکر ہونے کا احساس ہوا تھا حالانکہ ابھی اس نے اپنی شناخت نہیں کروائی تھی لیکن اس نے وردی ایسی پہن رکھی تھی۔

ٹکٹ چیکر سیدھا ان ہی کی طرف آ رہا تھا......!

گیتا نجلی کے ہاتھ پاؤں پھولنے لگے تھے اس کے چہرے کی بدلتی رنگت نے مسز خان کو اس کی بے بسی کا احساس بہت اچھی طرح دلا دیا تھا۔

''ٹکٹ محترمہ!''......

سب سے پہلے ٹکٹ چیکر نے اس کی طرف ہاتھ پھیلایا تھا۔ گیتا نجلی پہلو بدل کر رہ گئی۔

اسے یوں لگ رہا تھا جیسے اچانک اس کے دل کی دھڑکن بند ہو جائے گی۔ اچانک ہی گھبراہٹ سے اس کا چہرہ پیلا پڑ گیا تھا۔ انور خان نے بھی اس کی بدلتی کیفیت کا اندازہ لگا لیا تھا اور دل میں اس کے لئے ہمدردی اور محبت کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا پایا تھا۔

''یہ ہمارے ساتھ ہیں''.....

پانچواں باب

گیتا نجلی کی سماعت سے مہربان خاتون کی آواز کیا ٹکرائی جیسے اس کے تن مردہ میں جان آ گئی...... بالکل ایسے ہی جیسے کبھی کبھی بند دل اچانک دوبارہ دھڑکنا شروع کر دے۔ اس کی آنکھوں میں بے اختیار نمی سی اتر آئی تھی۔

''او۔ کے میڈیم''...... ٹکٹ چیکر نے مسز خان کی شخصیت کا دباؤ محسوس کر لیا تھا۔

''ایک ٹکٹ شاید ہم سے گم ہو گیا ہے...... آپ کراچی کے لئے کاٹ دیں...... میرے خیال سے یہ سیٹ ریزرو نہیں ہے''......

انور خان نے ٹکٹ چیکر سے جو ماں بیٹے کی شخصیت سے خاصا دبا دبا دکھائی دے رہا تھا کہا

''او۔ کے سر''......

ٹکٹ چیکر نے ایک ٹکٹ کاٹ کر انہیں تھما دیا...... مسز خان نے اپنے پرس سے پیسے نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔

''شکریہ'' کہہ کر ٹکٹ چیکر آگے بڑھ گیا۔

''یہ ٹکٹ رکھ لو بیٹی اور گھبراؤ نہیں...... اللہ بہتری کرے گا''

مسز خان نے ٹکٹ اس کی طرف بڑھا دیا۔

گیتا نجلی نے کپکپاتے ہاتھوں سے ٹکٹ تھاما اور بے اختیار سسک پڑی۔ اس نے اپنا سر جھکا لیا تھا اور خود پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اگلے ہی لمحے اس نے مسز خان کا پُر شفقت ہاتھ اپنی کمر پر محسوس کیا۔

''بیٹی گھبراؤ نہیں تم پریشان دکھائی دیتی ہو...... مصائب بھی انسانوں کے لئے ہی بنے

ہیں ان کا سامنا حوصلے سے کرنا چاہئے.....تونے جانا کہاں ہے''......؟

مسز خان نے بڑے نرم لہجے میں دریافت کیا۔''مجھے کچھ علم نہیں''...... گیتا نجلی نے اپنی سسکیوں کا گلہ گھونٹتے ہوئے بمشکل یہ الفاظ ادا کیے۔

''اچھا کوئی بات نہیں......یہ لوتم چائے پی لو......'' یہ کہتے ہوئے انہوں نے اپنے پہلو میں دھری چائے کی بوتل سے ایک کپ میں تھوڑی چائے ڈالی اور اس کی طرف بڑھا دی۔

گیتا نجلی کا رونا بند نہیں ہو رہا تھا......

مسز خان نے بدستور اس کے کندھے پر شفقت سے ہاتھ دھرا ہوا تھا اور اسے تسلیاں دے رہی تھیں۔اس درمیان انور نے دو اور کپ چائے کے تیار کر لئے تھے اور ایک اپنی والدہ کے ہاتھ میں تھما دیا تھا۔مسز خان نے اسے بمشکل چائے پینے پر رضا مند کیا تھا۔ایک ماہر معالج کی طرح وہ بڑی مہارت سے ایک ایک کر کے اس کے زخموں پر پھاہا رکھ رہی تھیں۔چائے کے چند گھونٹ معدے میں اترتے ہی گیتا نجلی کو احساس ہو گیا تھا کہ اب وہ واقعی شیر عالم کی طرح محفوظ ہاتھوں میں آ گئی ہے۔

''بیٹی اگر برا نہ مانو......تمہارا نام پوچھ لوں......اس طرح تمہیں مخاطب کرنے میں آسانی رہے گی''

اس کے نارمل ہوتے ہی مسز خان نے کہا......میرا نام مسز خان ہے''......!

''عذرا'' گیتا نجلی کی زبان سے بے ساختہ وہی نام نکلا جو اسے شیر عالم نے دیا تھا۔

اس کے بعد مسز خان نے اس سے کوئی سوال نہیں کیا۔انہوں نے زبردستی گیتا نجلی کو چند بسکٹ کھلا دیئے تھے۔

عافیت کا تھوڑا سا احساس ہوتے ہی گیتا نجلی پر تھکاوٹ غالب آنے لگی تھی اور اسے یاد آ گیا کہ گزشتہ دو راتوں سے اس نے چند منٹ کی نیند بھی نہیں لی۔

''آپ شاید تھکی ہوئی ہیں کچھ دیر آرام کر لیجئے''......

اس مرتبہ انور خان نے اسے مخاطب کیا تھا۔ابھی تک اس نے گیتا نجلی سے ایک فقرہ بھی نہیں کہا تھا اور خاموشی سے محض اس کی حالت کا جائزہ ہی لیتا رہا تھا۔

''ہاں بیٹی......تھوڑی دیر نیند کر لو......تمہارے ذہن سے بوجھ ہٹ جائے گا''......انھوں نے سامنے کی برتھ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا جس پر انور خان نے اس کے لئے آرام دہ بستر بچھا دیا تھا۔

''شکریہ''......گیتا نجلی بُری طرح تھکی ہوئی تھی کہ اب اس کے لئے ''ناں'' کی معمولی گنجائش بھی باقی نہیں رہی تھی۔اس نے اپنے ہاتھ میں تھاما بٹوا مسز خان کو تھمایا اور برتھ پر لیٹ گئی......!

جیسے ہی اس کے تھکے ہوئے جسم کو ذرا سکون میسر آیا دوسرے ہی لمحے وہ نیند کی دیوی کی بانہوں میں جھولنے لگی......اور گہری نیند سو گئی۔

O

گاڑی کے باہر بلند ہونے والے شور سے ہی اس کی آنکھ کھلی تھی۔اسے اس بات کا احساس ہی نہ ہو سکا کہ وہ مسلسل پانچ گھنٹے سوتی رہی تھی۔گاڑی کے باہر تو طوفان بدتمیزی برپا تھا لیکن اس ڈبے میں ہر طرف خاموشی طاری تھی، گیتا نجلی نے لیٹے لیٹے ایک نظر ڈبے کے مسافروں پر ڈالی جو تمام لوگ یا تو گہری نیند سو رہے تھے یا پھر اونگھ رہے تھے۔اس نے دیکھا مسز خان اس کے سامنے والی برتھ پر سو رہی تھیں جبکہ ان کا بیٹا اپنی سیٹ پر آڑا ترچھا بیٹھا اونگھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

گیتا نجلی کو پہلا احساس یہی ہوا کہ اس نے اپنے محسنوں سے زیادتی کی ہے کیونکہ ان کے برتھ پر وہ ابھی تک قابض تھی۔

وہ اپنے دل میں انور خان کے لئے بڑی ہمدردی کے جذبات محسوس کر رہی تھی۔کسی غیر ارادی عمل کے تابع وہ برتھ سے اتر کر سیدھی اس کی کرسی کی طرف آئی تھی۔اسے اس طرح اچانک اپنی طرف آتے دیکھ کر انور خان سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

''آپ بسرام کیجئے میں نے آپ......'' گیتا نجلی خود پر بہت کنٹرول کرتی تھی کہ اس کے منہ سے ہندی کا کوئی لفظ نہ نکلے لیکن مجبور تھی۔

''میں ٹرین میں سو نہیں سکتا......اتنا لمبا سفر کر ہی نہیں سکتا۔وہ تو ممی کی وجہ سے......دراصل ممی جہاز میں سفر نہیں کرتی ڈاکٹر نے انہیں کچھ عرصہ سے منع کر رکھا ہے......آپ آرام کیجئے ناں......''انور خان نے بات سے بات نکالی۔

''نہیں اب آپ آرام کریں۔آپ کو بہت تکلیف دی میں نے''......گیتا نجلی ابھی تک سمجھ نہیں پائی تھی کہ اسے کیا کہے......اس نے سانولی رنگت والے اس لامبے قد کے انور خان کی بڑی بڑی آنکھوں میں ایسے سرخ ڈورے تیرتے دیکھے تھے جیسے کبھی وہ سوامی مہاراج کی آنکھوں میں دیکھا کرتی تھی لیکن یہ شراب یا شباب کا خمار نہیں تھا۔کم خوابی نے اس کی یہ حالت بنائی تھی......''

چھوڑیے آپ بھی کس چکر میں پڑ گئیں...... کچھ کھا لیجئے...... آپ نے کچھ نہیں کھایا اور کافی دیر سے سو رہی ہیں...... ممی بھی آپ کا انتظار کرتے کرتے سو گئیں"۔

انور خان کی آخری بات نے اس کی جذباتی حالت بڑی عجیب کر دی تھی۔ پاکستان کی سرحد میں داخل ہونے کے فوراً بعد سے اب تک وہ جس سلوک سے دوچار ہوئی تھی اس کو گیتا نجلی نے اس لمحے بھلا دیا تھا۔

یہ لوگ تو فرشتے بن کر اس کو موت کے منہ سے نکال کر زندگی کی طرف لے گئے تھے۔ اگر اس کی ملاقات ان سے نہ ہوتی اور پہلے جیسے لوگوں سے ہی رابطہ بہتا تو شاید وہ اب تک خودکشی ہی کر چکی ہوتی۔

شاید قدرت کو اس کی حالت پر رحم آ گیا تھا......!

گیتا نجلی کو اب بھوک کا احساس بھی ہونے لگا تھا۔

انور خان نے اپنے ہاتھوں سے کچھ پھل اس کے سامنے رکھے اور اس کے مجبور کرنے پر گیتا نجلی نے انہیں کھانا شروع کیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ عذرا کو خوامخواہ بولنے پر مجبور کرے اور اسے اپنے متعلق اپنی رائے بدلنے پر مجبور کرے۔ اب تک ماں بیٹے کے انتہائی شریفانہ سلوک نے ہی اس کا اعتماد بحال کیا تھا۔

O

اس کے پھل کھاتے ہوئے مسز خان بیدار ہو گئی تھیں لیکن انہوں نے جان بوجھ کر اسے یہ احساس دلانا مناسب نہیں سمجھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ بھی اٹھ کر ان کے نزدیک آ بیٹھیں۔ "کہو بیٹی! اب کچھ بہتر محسوس کر رہی ہو"...... انہوں نے بڑی شفقت سے دریافت کیا۔

"جی ہاں"۔

احساس تشکر سے گیتا نجلی نے نظریں جھکائے جھکائے جواب دیا۔ کراچی کب آیا؟ اتنا لمبا سفر کیسے کٹا۔ اسے وقت اور سفر کا احساس ہو ہی نہ سکا۔

شاید احساس تحفظ نے اسے مستقبل کے خطرات سے بھی بے نیاز کر دیا تھا اور وہ اپنی فطرت کے مطابق حالات پر شاکر ہو چکی تھی۔

انور خان کی بھی یہی کیفیت تھی لیکن اس نے سرشاری کے جس عالم میں سفر کاٹا تھا وہ اس کی زندگی کا یادگار اور خوبصورت تجربہ تھا۔ زندگی کے جس پہلو سے اسے آج آشنائی حاصل ہوئی تھی

اس سے وہ پہلے کبھی آگاہ نہیں رہا تھا۔

گہری آنکھوں والی اس ساحرہ نے اس کی نس نس میں محبت کا جو نشہ اتار دیا تھا اس نے آہستہ آہستہ بیرسٹر انور خان کو کاٹنا شروع کر دیا تھا......

یہ لڑکی کون ہے؟ وہ بہت سنبھل کر بات کیوں کرتی ہے؟

ان سوالات کے جوابات نہ اسے درکار تھے نہ اس نے ان پر دماغ لڑانا مناسب جانا۔ اس کے لئے یہی بہت تھا کہ وہ ہے۔ وہ جو اچانک ٹرین کا دروازہ کھول کر دھک سے اس کے دل میں آن براجی تھی جس نے بیرسٹر انور خان کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ ایک ایسے سرور سے اسے آشنا کیا تھا جس سے وہ آج تک محروم چلا آ رہا تھا۔ مسرت وانبساط کے یہ لمحات بہت طویل ہو کر اچانک بہت مختصر ہونے لگے تھے۔ ٹرین کراچی کینٹ کے سٹیشن میں داخل ہو رہی تھی اور انور خان سوچ رہا تھا کہ اب کیا ہو گا؟ کہیں خدانخواستہ یہ خوبصورت خواب ختم تو نہیں ہو جائے گا۔

زندگی کے کمزور ترین لمحات کی گرفت میں پھنسا بیرسٹر انور خان خود کو بچہ محسوس کر رہا تھا اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ اتنا کمزور کب سے ہو گیا ہے۔

"بیٹی کراچی آ گیا...... اگر تمہیں کوئی لینے نہیں آ رہا تو ہمارے ساتھ چلو پھر جہاں تم کہو گی ہم تمہیں چھوڑ آئیں گے" مسز خان جنہیں اب تک بہت باتوں کی سمجھ آ چکی تھی گیتا نجلی کو مخاطب کر کے بولیں۔ وہ جانتی تھیں کہ گیتا نجلی اس پیشکش کا جواب ہاں یا ناں میں نہیں دے پائے گی۔ فی الوقت انہوں نے یہی اندازہ لگایا تھا کہ عذرا کسی کھاتے پیتے گھرانے کی لڑکی ہے جو اپنے والدین سے ناراض ہو کر گھر سے چلی آئی ہے۔

شاید اس کے گھر والے اس کی شادی عذرا کی مرضی کے بغیر کرنا چاہتے ہوں۔ اس عمر میں عموماً گھروں سے بھاگنے والی لڑکیوں کے یہی مسائل ہوا کرتے ہیں۔ ان کی خواہش یہی تھی کہ یہ بھولی بھالی لڑکی غلط ہاتھوں میں پڑ کر اپنی زندگی تباہ کرنے کے بجائے ان کے ساتھ چلی آئے جس کے بعد وہ اس کو سمجھا بجھا کر اس کے گھر والوں کو اپنے ہاں بلا کر اسے خیر خیریت سے گھر بھیج دیں۔

گیتا نجلی نے ان کی بات سن کر سر جھکا لیا جس کا مطلب یہی تھا کہ وہ ان کے ساتھ جانے کو تیار ہے۔

مسز خان اور بیرسٹر انور خان کو لینے کے لئے ایک شاندار گاڑی آئی ہوئی تھی۔ مسز خان

نے اسے اپنے ساتھ ہی پچھلی سیٹ پر بیٹھا لیا تھا اور اب وہ گھر آ گئے تھے یہ گھر کیا تھا؟

ایک محل تھا...... ایسا محل اس سے پہلے گیتا نجلی نے شاید کبھی سوامی مہاراج کے ساتھ کسی کا دیکھا تھا یا پھر سپنوں میں دیکھا ہوگا۔ یہ بہت امیر لوگ تھے۔ گھر پر ان کا استقبال مسٹر خان نے کیا تھا لیکن گیتا نجلی نے ان کے انداز استقبال میں اپنے لئے بھی وہی محبت اور احترام پایا جو مسز خان اور انور خان کے لئے تھا۔

''بیٹا اگر تم آرام کرنا چاہو تو لیٹ رہو......'' مسز خان نے ایک سجے سجائے کمرے کی طرف اس کی رہنمائی کرتے ہوئے کہا۔

''جی میں تو بہت سو چکی ہوں......'' گیتا نجلی نے انکساری سے جواب دیا۔

''اچھا پھر نہا کر کپڑے بدل لو...... اوہو! شاید تمہارا سامان کہیں رہ گیا ہے فی الوقت تم یہ کپڑوں کا جوڑا پہن لو پھر میرے ساتھ بازار سے ریڈی میڈ سوٹ لے آنا اور انہوں نے گیتا نجلی کو کپڑوں کا ایک جوڑا تھماتے ہوئے کہا۔

''آپ...... آپ......'' اس سے آگے گیتا نجلی کچھ نہ کہہ پائی اس کا دل بھر آیا۔

''ارے تم پھر پریشان ہو گئیں...... اچھا چلو نہا دھو کر تیار ہو جاؤ اس طرح تمہارا دل بھی شاید ہلکا ہو جائے گا''۔

انہوں نے بڑی محبت سے اس کا بازو تھامتے ہوئے اس کی راہنمائی غسل خانے کی طرف کرتے ہوئے کہا۔

گیتا نجلی کے من میں تو بہت کچھ تھا لیکن وہ کچھ نہ کہہ سکی خاموشی سے غسل خانے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔ اندر موجود شیشے کے سامنے کھڑے ہو کر اس نے اپنے چہرے پر ایک نظر ڈالی۔ اسے اپنا چہرہ نجانے کیوں اس وقت اپنا دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ ایک مرتبہ پھر وہ بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو دی لیکن اس نے محسوس کیا کہ اس مرتبہ رونے سے جیسے اس کے دل کا بوجھ بہت ہلکا ہو گیا ہو۔

تھوڑی دیر بعد جب وہ نہانے سے فارغ ہوئی اور مسز خان کے دیئے ہوئے کپڑے پہن کر باہر آئی تو ایک نوکر نے اس کی رہنمائی ڈرائنگ روم تک کی جہاں باقی لوگ چائے کی میز پر اس کے منتظر تھے۔ اس کی لمبی سیاہ زلفیں کمر تک پھیلی ہوئی تھیں اور چہرہ کھلے ہوئے گلاب کی طرح دکھائی دے رہا تھا۔ بیرسٹر انور خان کو اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی ہالینڈ کے باغات میں پھیلی زرد پھولوں

کی قطاریں یاد آ گئیں...... وہ زرد گلاب کا پھول......

عذرا اس زرد گلاب کی صورت میں اس کے سامنے آ کر بیٹھ گئی۔ اس نے اپنی زندگی کا اہم ترین فیصلہ کر لیا تھا۔ اس نے سوچا کچھ بھی ہو جائے وہ اپنے راز سے پردہ اٹھا دے گی خواہ اس کی کچھ بھی قیمت ادا کرنی پڑے۔

O

تھوڑی دیر بعد گیتا نجلی انہیں اپنی روداد الم سنا رہی تھی۔ اس گھر کے مکینوں کی تعداد تین تھی یا پھر تین نوکر تھے جو اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ گیتا نجلی نے انہیں اپنی زندگی کے ایک ایک پل سے آشنا کر دیا تھا۔ جیسے جیسے وہ انہیں اپنی کہانی سنا رہی تھی۔ ان کے دلوں میں گہری ہی اترتی چلی جا رہی تھی۔ اس طویل داستان کا خاتمہ ایک مرتبہ پھر سسکیوں کی صورت میں ہوا۔ مسز خان کو جہاں اپنی ہجرت کے واقعات یاد آ گئے تھے وہاں ان اس کرب کا شدت سے ہوا جس سے یہ لڑکی دو چار تھی۔ اس نے محض اپنے ایمان کی سلامتی کے لئے اپنی جان کو کس عذاب میں مبتلا کیا۔ دونوں بزرگوں نے قدرت کا شکر ادا کیا کہ ابھی تک گیتا نجلی کا عزم پر اعتماد اپنے ارادے میں اٹل تھی۔

ان لوگوں کو دھوکہ نہیں دیا جا سکتا تھا۔ اگر مسز خان ماہر نفسیات تھیں تو مسٹر خان نے بھی ساری زندگی عدالتوں میں بسر کی تھی۔ ایک جج کی کرسی پر بیس سال مسلسل بیٹھنے کے بعد انہیں اب سچ جھوٹ کی پہچان میں دھوکا نہیں ہوتا تھا۔ یہاں موجود ہر فرد کو اس بات کا یقین تھا یہ لڑکی جو کچھ کہہ رہی ہے وہ حرف بحرف سچ ہے لیکن گیتا نجلی انہیں یہ نہیں بتا سکتی تھی کہ اس نے سرحد کہاں سے عبور کی تھی؟ بس پوسٹ پر وہ لوگ پہنچے تھے اس کا کیا نام تھا؟

اسے اتنا یاد تھا کہ جس سٹیشن پر وہ پہنچی تھی اس کا نام لاہور تھا...... اگر یہ بات اسے یاد نہ رہتی تو بھی وہ لوگ جانتے تھے کہ وہ کس سٹیشن سے ٹرین میں سوار ہوئی تھی۔

پنجاب کی سرحد تین چار سو کلومیٹر بھارت سے ملی ہوئی ہے جس علاقے کا اس نے ذکر کیا وہاں سے بھی خدا جانے اس نے کس طرف سے سرحد عبور کی تھی؟

ابھی وہ ذہنی طور پر اس پوزیشن میں بھی نہیں تھی کہ اسے کرید کرید کر اس سے نشانیاں دریافت کی جائیں۔

پہلی بات تو یہی تھی کہ سرحد انہوں نے رات کے اندھیرے میں عبور کی تھی اور دن کے

اجالے میں وہ ایک پل کے لئے بھی شیر عالم کے پاس نہیں ٹھہر سکی تھی کیونکہ اس ذلیل انسپکٹر نے ان لوگوں کو الگ کر دیا تھا اور اسے وہ اپنی جیپ میں کہیں لے گیا تھا جس کا نام اسے یاد نہیں تھا۔

اس کی حالت پے در پے صدمات نے ایسی کر دی تھی کہ اگر وہ چاہتی بھی تو کچھ نہ بتا سکتی۔ دل ہی دل میں وہ اس کے جذبہ ایمانی کو نجانے کتنی مرتبہ خراج تحسین پیش کر چکے اور اب اس کی مدد کرنا ان کا اخلاقی ہی نہیں بلکہ ملکی اور مذہبی فریضہ بھی بن گیا تھا۔

''بیٹی تم اپنا ماضی بھول جاؤ...... آج سے تم ہماری بیٹی ہو...... میری بیٹی...... ہم تمہارے لئے وہ سب کچھ کر گزریں گے جو ہمارے اختیار میں ہوا''......

جسٹس خان نے بڑے پُر اعتماد لہجے میں اسے کہا۔

انور خان کو اب علم ہوا کہ اس کا دل آخر غیر معمولی طور پر اس لڑکی کی طرف کیوں کھنچا جا رہا تھا۔ یہ کوئی معمولی لڑکی نہیں تھی۔

بیرسٹر انور خان کے تصورات سے بڑھ کر عظیم لڑکی ثابت ہوئی تھی پہلے ہی ایک تعلیم یافتہ اور مہذب انسان ہونے کے ناطے اس نے اس سے متعلق کوئی غلط رائے قائم نہیں کی تھی لیکن اب تو اس کے لئے اپنے دل میں محبت کے ساتھ احترام کے بھی بے پناہ جذبات محسوس کرنے لگا تھا۔

''انور بیٹے! تم عذرا بیٹی کا کیس تیار کرو تاکہ قانونی طور پر اس کے لئے کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہو جس کے بعد ہم انشاء اللہ شیر عالم کو تلاش کرنے کی کوشش کریں گے''...... جج صاحب نے اپنے ہونہار فرزند کی طرف دیکھ کر کہا۔

''او۔ کے ڈیڈی...... میں صبح ہی سارے کاغذات تیار کروا لوں گا''...... انور خان نے پُر اعتماد لہجے میں کہا۔

''عذرا بیٹی! فی الوقت ہم تمہارا تعارف اپنی بھتیجی کی حیثیت سے ہی کروائیں گے جو حال ہی میں بھارت سے یہاں آئی ہے...... یہ تمہاری سہولت کے لئے ہے...... ہمیں تو تمہارے ماضی پر فخر ہے لیکن یہ مناسب نہیں ہوگا کہ بہت سے لوگوں کو خوامخواہ ہم اپنا راز دار بناتے رہیں...... اس درمیان تم اردو زبان پڑھنے کی کوشش کرو...... مسز خان اس کا ذمہ لیں گی۔ امید ہے انشاء اللہ بہت جلد تم پاکستان کی باقاعدہ شہری بن جاؤ گی۔ اب بھی تم خود کو آج سے پاکستانی ہی سمجھو...... مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ اس گھر کو اپنا گھر سمجھنا''...... انہوں نے عذرا سے مخاطب ہو کر کہا۔

تھوڑی دیر میں شام ڈھلنے لگی تھی...... گیتانجلی محسوس کر رہی تھی کہ اس کے دل پر پڑا بھاری پتھر ایک طرف ہٹ گیا ہے اور اسے اپنا وجود ہوا میں تیرتا محسوس ہونے لگا تھا۔

اس کی زندگی بھر کی تپسیا رنگ لائی تھی۔ خان فیملی کی صورت میں اسے زندگی بھر کی ریاضت کا پھل مل گیا تھا۔ اس رات وہ گہری اور اطمینان کی نیند سوگئی۔

O

خان فیملی نے اپنی ترجیحات کا تعین کر لیا تھا۔

وہ قانونی لوگ تھے اور قانون کے دائرے سے باہر کسی بھی کام کو ہاتھ لگانا مناسب نہیں جانتے تھے۔ انہیں اس بات کا علم تھا کہ اس شہر میں لاکھوں غیر ملکی پاکستانیوں کی حیثیت سے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ان کے لئے چند گھنٹوں کے اندر عذرا کا شناختی کارڈ یا پاسپورٹ حاصل کرنا کوئی مشکل کام نہیں تھا لیکن وہ ایسا نہیں چاہتے تھے۔

وہ عذرا کو اب اپنی ذمہ داری سمجھ چکے تھے اور اس ذمہ داری سے کوتاہی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ صبح جب وہ بیدار ہوئی تو سورج ابھی بیدار نہیں ہوا تھا۔

یہ اس کی بچپن کی عادت تھی جو سوامی کے آشرم میں آنے کے بعد اور پکی ہوگئی تھی۔ اسے ہر روز علی الصبح اٹھ کر ''جاپ'' کرنا پڑتا تھا۔ عذرا تو جانتی تھی کہ اس ''جاپ'' کے الفاظ وہ اپنی زبان سے دوسرے بھگتوں کے ساتھ مل کر ضرور دہرایا کرتی تھی لیکن اس کے دل نے کبھی ان الفاظ کو قبول نہیں کیا تھا۔ اس کے لاشعور میں اس کی ماں کبھی نہیں مری تھی......

یہ اس کی ماں کی دعاؤں کا صدقہ تھا کہ اس کے دل میں ایمان کی شمع تب بھی روشن رہی جب وہ سوامی مہاراج جیسے درندے کے آشرم میں ہندومت کے مطابق زندگی بسر کر رہی تھی۔

اس نے زندگی میں ایک لمحے کے لئے بھی اس بات کو نہیں بھلایا تھا کہ اس کا جنم مسلمان عورت کے پیٹ سے ہوا اور اسے جب بھی موقعہ ملے گا اس جنم سے ضرور چھٹکارا حاصل کر کے اپنی اصلیت کی طرف واپس لوٹ جائے گی۔

ایک عورت ہونے کے ناطے اس نے شیر عالم کے تئیں اپنے لئے مخصوص جذبات کا احساس تو کر لیا تھا۔ اس نے یہ تو جان لیا تھا کہ شیر عالم کے دل میں اس کے لئے کوئی خاص جگہ ضرور موجود رہی ہے۔ شیر عالم نے ایک مرتبہ اس کا اظہار بھی کر دیا تھا لیکن یہ اس دور کی بات تھی جب دونوں

کو ہی ایک دوسرے کی اصلیت کا علم نہیں تھا۔ اس کے دل میں کبھی کبھی شیر عالم اور اس کے ساتھی سے متعلق یہ گمان تو ضرور ہوتا کہ یہ دونوں یہاں موجود باقی لوگوں سے کچھ مختلف عادات کے مالک ہیں لیکن وہ مسلمان بھی ہیں۔ اس کا علم اسے بہت بعد میں ہوا اور جب سے وہ دائرہ اسلام میں باقاعدہ داخل ہوئی تھی اس کے بعد سے تو شیر عالم کے لئے اس کے دل میں موجود احترام کا جذبہ کئی گنا بڑھ گیا تھا۔ اسے اس بات کا بھی احساس تھا کہ شیر عالم ضرور اس سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ اسی لئے تو اس نے عذرا کو اپنے گھر لے جانے کا ارادہ کیا تھا اور دوسری طرف بشیر کتنا عظیم انسان تھا وہ بھی......

اس نے شیر عالم کی طرح کبھی اس کی آنکھوں میں بھی اپنے متعلق ہوس کا شائبہ تک نہیں پایا تھا۔ کیا اب وہ دوبارہ زندگی میں کبھی ان سے مل پائے گی؟

قدرت نے اس کے ساتھ عجیب کھیل رچایا تھا۔ پہلے اسے خوشیاں دے کر چھین لیں پھر خوشیاں اس کی جھولی میں ڈال دیں لیکن نجانے کیوں اس کے دل کو قرار نہیں آ رہا تھا۔ وہ لاشعوری طور پر کوئی ایسا رشتہ شیر عالم سے قائم کر چکی تھی بظاہر جس کا کوئی نام نہیں تھا لیکن جس کی خلش اسے رلاتی تھی۔

خدا جانے شیر عالم اور بشیر کس حالت میں ہوں گے اس ذلیل انسپکٹر نے جس نے اپنا نام بظاہر مسلمانوں والا رکھا ہوا تھا ان بے چاروں کے ساتھ کیا سلوک کیا ہوگا؟ اس کے اس طرح ہاتھ سے نکل جانے کے بعد تو وہ زخمی سانپ کی طرح تلملاتا ہوا ان دونوں پر جھپٹ پڑا ہوگا۔

خدا جانے انٹیلی جنس والے ان کی مدد کے لئے پہنچے بھی ہوں گے یا نہیں؟ اگر دونوں نے اس ظالم انسپکٹر کے چنگل سے نجات بھی حاصل کر لی ہے تب بھی وہ اس کے اس طرح غائب ہو جانے پر کتنے پریشان ہوں گے۔

شیر عالم نے تو اسے کہاں کہاں نہیں ڈھونڈا ہوگا...... اور نہ جانے ابھی اور کہاں کہاں کی خاک چھانتا پھر رہا ہوگا...... ان سوالات نے اسے بہت پریشان کر رکھا تھا۔

اسے اور تو کچھ نہ سوجھا اپنا دھیان لگانے کے لئے اس نے ''یوگا'' کی وہ ورزشیں ضرور شروع کر دیں جن سے واقعی جسم اور ذہن سے بوجھ ہٹ جایا کرتا تھا۔

جب بیرسٹر انور خان اس کے کمرے کا کھلا دروازہ دیکھ کر اندر داخل ہوئے تو بھی وہ ''یوگا'' کا ایک مشکل ''آسن'' لگائے بیٹھی تھی۔

وہ اپنے دھیان میں اتنی مگن تھی کہ بیرسٹر انور خان کے کمرے میں آنے سے باخبر بھی نہ ہو

سکی جو ایک کونے میں اس کی پشت پر کھڑے بڑے انہماک سے ان کی عجیب و غریب حرکات کا جائزہ لے رہے تھے۔

جب ''آسن'' بدلنے کے لئے اس نے گردن گھمائی تو انور خان کو اس طرح انہماک سے اپنی طرف متوجہ دیکھ کر ایک لمحے کے لئے تو وہ گڑبڑا کر ہی رہ گئی۔

''سلام علیکم''

اس کے منہ سے یہ دو الفاظ اس طرح ادا ہوئے جیسے کسی نے اس کی چوری پکڑ لی ہو۔

''وعلیکم السلام...... ونڈرفل...... شاندار''...... بیرسٹر انور خان نے اس کے کمال فن پر داد دیتے ہوئے کہا۔

''دراصل مجھے بچپن سے عادت ہے ناں...... آپ......؟

''ارے عذرا بی بی...... آپ نے کوئی غلط کام نہیں کیا...... کمال ہے بھئی میں تو حیران رہ گیا ہوں اب تو مجھے ہی سب سے پہلے آپ کی شاگردی اختیار کرنی ہوگی...... بھئی اس ماڈرن زمانے میں بھلا کون ایسا بدقسمت ہوگا جسے اپنا جسم متوازن رکھنے کا شوق نہ رہا ہو اور آپ تو اس فن کی استاد دکھائی دیتی ہیں''

عذرا کو ابھی تک سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ انور خان اسے داد دے رہا ہے یا اس کا تمسخر اڑا رہا ہے پھر اسے احساس ہو گیا کہ وہ واقعی سیریس تھا اور جو اس کے دل میں بات تھی وہی کہہ رہا تھا۔

''میں آپ کو ناشتے کے لئے بلانے آیا تھا......'' انور خان نے اسے اپنی آمد سے مطلع کرتے ہوئے کہا۔ آپ جلدی سے نیچے آ جائیے پھر ہمیں اکٹھے ہی آفس جانا ہوگا۔ آپ کے کچھ قانونی کاغذات تیار کرنے ہیں۔

''جی بہتر......'' گیتا نجلی نے مختصر جواب دیا اور انور خان باہر آ گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ سب لوگ ناشتے کی میز پر موجود تھے۔ گیتا نجلی کو ان لوگوں نے عذرا کے نام ہی سے پکارا تھا اور قانونی دستاویزات میں بھی اسے عذرا خان بنا دیا اس کی سرپرستی کی ذمہ داری قانونی طور پر جسٹس خان نے قبول کی تھی۔

انور خان کے ساتھ کار میں سفر کرتے ہوئے عذرا خان نے اندازہ کر لیا تھا یہ لوگ بھی کوئی عام قسم کے شہری نہیں ہیں۔ اس کے دفتر میں اس سے ملاقات کرنے والوں کا خاصا رش تھا۔ دوپہر

کے بعد جب وہ اپنے روزمرہ کے معمولات سے فارغ ہوا تو ایک کورٹ میں عذرا خان کو ساتھ لے جا کر اس نے عذرا خان کا بیان قلم بند کروایا اور ذاتی ضمانت پر عدالت سے اسے اپنے ساتھ رکھنے کی قانونی اجازت لے لی تھی۔

''مطمئن رہنا میں ہر ممکن کوشش کروں گا شیر عالم اور بشیر کو تلاش کرنے کی......اخبارات میں اشتہارات دوں گا۔افسوس تمہیں کسی جگہ کا نام یاد نہیں ورنہ ہمارا مسئلہ حل ہو جاتا بہر حال پنجاب کے اخبارات میں بھی اشتہار شائع کروا دوں گا۔ممکن ہے وہ اشتہار ان لوگوں کی نظروں سے گزرے اور وہ تمہارے ساتھ رابطہ قائم کریں''......

انور خان نے نجانے کیوں اسے گاڑی میں بیٹھتے یہ بات کہہ دی۔

''خدا کے لئے ایسا ہرگز نہ کیجئے''......عذرا خان نے سہم کر جواب دیا۔

''میں سمجھا نہیں......بھئی اور کیا طریقہ ہو سکتا ہے تمہاری ملاقات کا''......انور خان نے حیرانی سے پوچھا۔

''دیکھئے میرے لئے بہت مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔آپ نہیں جانتے جس آدمی کے چنگل سے بچ کر میں یہاں تک پہنچ گئی ہوں اس کے ہاتھ کتنے لمبے ہیں......وہ خاموش نہیں بیٹھا ہوگا۔اس نے میری تلاش میں زمین آسمان ایک کر دیا ہوگا۔اس کے کارندے سرحد کے پار بھی ہیں اور اس طرف بھی موجود ہیں اور یہ لوگ سوامی مہاراج کے لئے کچھ بھی کر سکتے ہیں۔کچھ بھی......اور پھر وہ انسپکٹر بھی تو بہت ظالم ہے......اگر اس نے اشتہار دیکھ لیا تو مجھے......نہیں۔بھگوان کے لئے آپ ایسا سوچئے گا بھی نہیں......اگر آپ نے مجھے نئی زندگی دی ہے تو اب مجھے جینے کا حق بھی دیجئے''......

آخری بات اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہی تھی۔

''ارے بھئی آپ تو پریشان ہو گئیں......میں نے تو......خیر چلو چھوڑو اس بات کو اگر قسمت میں ہوا تو تمہاری ملاقات ان لوگوں سے ہو جائے گی۔واقعی تصویر کے اس پہلو پر میری نظر نہیں گئی تھیں''......

انور خان کو یوں لگا جیسے اس نے یہ بات کہہ کر اسے پریشان کر دیا ہو۔

O

گیتا نجلی نے یہ بات یونہی نہیں کہہ دی تھی......

گیانی مہاراج کے لئے مدن لال کی موت اور گیتا نجلی کا غائب ہو جانا اسے پاگل کر دینے کے لئے کافی تھا۔سوامی کی شخصیت تہہ در تہہ پُر اسرار تھی......اس کے کتنے روپ تھے؟ کوئی نہیں جانتا تھا۔وہ ایک ہی وقت میں گیانی تھا۔آشرم چلا رہا تھا۔اس کے حلقہ خاص کو علم تھا کہ وہ بہت بڑا اسمگلر ہے اور دنیا بھر کے جرائم پیشہ لوگوں سے اس کا گہرا رابطہ تھا......! لیکن اس کی ایک حیثیت کا علم سوائے سوامی مہاراج کے اور کسی کو نہیں تھا......کسی نے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہیں آ سکتی تھی کہ سوامی مہاراج بھارتی انٹیلی جنس ''را'' کا ایک سرکردہ آفیسر ہے۔

''را'' نے سوامی مہاراج کی آڑ میں جرائم سمگلنگ اور عورت فروشی کا ایک جال بچھا کر در اصل اس کی شخصیت کے گرد اگرد اتنے اسرار اکٹھے کر دیئے تھے کہ اب اس کی اصلیت بالکل دب کر رہ گئی تھی۔اس سے متعلق دو ہی اندازے قائم کئے جا سکتے تھے ایک تو یہ کہ وہ کوئی بڑی مہاتما شخصیت ہے اور سوامی ہے۔

دوسرا اندازہ زیادہ سے زیادہ یہی لگایا جا سکتا تھا کہ وہ اصل میں ایک جرائم پیشہ شخص ہے جس نے اپنے جرائم کی پردہ پوشی کے لئے سوامی مہاراج کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے اس کے جرائم کی فہرست بڑی طویل ہو سکتی تھی اور اس سے متعلق کچھ بھی بتایا جا سکتا تھا لیکن اس طرف تو کسی کا خیال ہی نہیں جاتا تھا کہ وہ بھارتی انٹیلی جنس کا ایک زیرک افسر ہے،جس نے بڑی کامیابی سے یہ جال پھیلا رکھا ہے جرائم اور بھگتی کی آڑ میں ''را'' بڑی کامیابی سے اپنا دھندہ چلا رہی تھی۔

بشیر اور شیر عالم کی یہ خوش قسمتی تھی کہ سوامی مہاراج کو ان کے پاکستانی یا مسلمان ہونے کا شک نہیں گزرا تھا۔اس کے نزدیک یہ دونوں صرف سمگلر تھے اور ان کا آنا جانا پاکستانی علاقے میں لگا رہتا تھا۔

اس نے بشیر اور شیر عالم کو سمگلنگ کے چکر میں ہی پاکستانی سرحد میں داخل نہیں کیا تھا بلکہ وہ ''را'' کے ایک طویل المیعاد منصوبے پر عمل پیرا ہونے جا رہا تھا جن علاقوں سے ان دونوں نے اپنی شناسائی کا دعوٰی کیا تھا وہاں سے ''را'' کو نئے ملازم بھرتی کرنے تھے۔

بھارتی انٹیلی جنس چاہتی تھی کہ اس علاقے سے اپنے لئے کچھ پاکستانی ایجنٹ تلاش کرے اور اس کے لئے وہ بڑا شاندار طریقہ استعمال کرتے تھے۔پہلے سوامی مہاراج بشیر اور شیر عالم کے ذریعے جو اس کے نزدیک ہندو ہی تھے پاکستانی سمگلروں کو کس بہانے اس طرف بلاتے پھر ان میں سے اپنے کام کے بندے تلاش کر کے انہیں پھانس لیتے۔

سرحدی علاقوں میں یہ معمول کی بات تھی اور بھارتی انٹیلی جنس اکثر پاکستانیوں کو جن کی زیادہ تعداد جرائم پیشہ اور ان پڑھ لوگوں کی ہوتی تھی سمگلنگ کے لالچ میں پھانس لیا کرتی تھی ان لوگوں سے کہا جاتا تھا کہ وہ آزادی سے بھارتی سرحد میں آجا سکتے ہیں اپنا دھندہ جاری رکھ سکتے ہیں لیکن انہیں بھارت کے لئے کچھ جاسوسی بھی کرنی پڑے گی۔

اس جاسوسی کی نوعیت بظاہر بڑے عام سی تھی جوان جاہل اور جرائم پیشہ افراد کے نزدیک غداری کے زمرے میں بھی نہیں آتی تھی انہیں کہا جاتا تھا کہ وہ اپنے علاقے میں پاکستانی فوج کی ہونے والی نقل وحرکت سے بھارتی انٹیلی جنس کو آگاہ کریں خصوصاً ان گاڑیوں کے نشانات آکر بتائیں جو پاکستانی فوج کے زیر استعمال رہتی تھیں۔

ان نشانات کی مدد سے پھر بھارت کے فوجی ماہرین اس علاقے میں موجود فوج کی تکنیکی حیثیت کا پتہ چلاتے تھے۔ کسی بھی سمگلر کے لئے یہ کوئی مشکل کام نہیں ہوتا تھا کہ اس میں کوئی خطرہ درپیش نہیں ہوتا تھا جب اس طرح کے تین چار کام لے لئے جاتے تو اسے کسی بھارتی جاسوس کو سرحد پار لے جانے اور واپس لانے کی ذمہ داری سونپی جاتی تھی جس کے بعد پھر یہ سمجھ لیا جاتا تھا کہ اب مچھلی پوری طرح جال میں پھنس چکی ہے۔

ان لوگوں کو ایک مرتبہ وطن فروشی کے راستے پر لگا کر انہیں اس بُری طرح ''را'' اپنے جال میں پھنسا لیتی تھی کہ پھر وہ مسلسل بلیک میل ہوتے رہتے اور ان کے ذریعے بھارتی انٹیلی جنس پھر پاکستان میں تخریب کاری کروایا کرتی تھی۔

''را'' نے اپنے ملک ہی میں نہیں ساری دنیا میں ایسے خطرناک ایجنٹ کا جال بچھا رکھا تھا جو غیر قانونی اور قانونی دونوں طرح کی سرگرمیوں کی آڑ میں دراصل ''را'' کا دھندہ چلا رہے تھے۔ بھارت میں سوامی مہاراج کے روپ میں ''را'' بہت مضبوط اور قابل اعتماد سیف ہاؤس موجود تھا۔

اس اڈے پر قریباً بھارت کی تمام اہم شخصیات کا آنا جانا لگا رہتا تھا ان میں اچھے لوگ بھی شامل تھے اور بُرے لوگ بھی۔ سوامی مہاراج کا اڈہ ''را'' کے لئے ایک شاندار چیکنگ پوائنٹ بھی تھا جہاں وہ بڑی معصومیت سے بڑے بڑے مجرموں کا پتہ لگایا کرتے تھے۔

یہ مجرم بظاہر تو سوامی مہاراج کے ساتھی ہوتے تھے لیکن جب سوامی مہاراج کی طرف سے اشارہ ملتا ''را'' اتنی خوبصورتی سے ان کا صفایا کر دیتی کہ کسی کو کانوں کان علم ہی نہیں ہو پاتا

تھا۔ بالکل یوں سمجھا جاتا تھا جیسے اس شخص کی موت معمول کی بات ہے کسی کا دھیان بھولے سے بھی سوامی مہاراج کی طرف نہیں جاتا تھا۔

O

مدن لال کا قتل کوئی ایسی بات نہیں تھی جسے نظرانداز کر دیا جاتا۔ گیتا نجلی کا فرار اس سے زیادہ تکلیف دہ تھا اور سوامی مہاراج کے لئے یہ دونوں ''انا کا مسئلہ'' بن گئے تھے...... وہ بہر صورت گیتا نجلی کی واپسی اور ان دونوں سمگلروں کی موت کا خواہش مند تھا جو پہلے تو ہندو بن کر اس کے آشرم میں مزے لوٹتے رہے لیکن بعد میں ثابت ہوا کہ دراصل وہی دونوں جیل سے فرار ہونے والے خطرناک پاکستانی جاسوس تھے۔

وہ غصے میں اپنے سر کے بال نوچنے لگتا تھا کہ آخر اتنی دیر تک وہ بے وقوف کیوں بنا رہا اس کا خیال اس طرف کیوں نہ گیا کہ یہ دونوں مفرور پاکستانی بھی ہو سکتے ہیں۔

اس کے ساتھ زندگی میں اس سے بڑا دھوکہ کبھی نہیں ہوا تھا اور اب وہ کسی بھی قیمت پر ان تینوں کی موت کا خواہش مند تھا۔ آج بہت عرصے بعد اس کے آشرم میں گیتا جی واپس لوٹے تھے۔

گیتا جی کا شمار سوامی مہاراج کے خصوصی چیلوں میں ہوتا تھا۔ اس کے خاص کارندوں کو ہی علم تھا کہ گیتا جی کوئی بہت بڑے آدمی ہیں جن کا بزنس بھارت ہی میں نہیں بلکہ دنیا کے کونے کونے میں پھیلا ہوا ہے اور وہ سوامی مہاراج کے ایک اشارے پر اپنی جان بھی ان کے قدموں میں بھینٹ کر سکتے تھے۔ لیکن اس بات کا علم صرف سوامی مہاراج کو تھا کہ گیتا جی دراصل رگھوناتھ سہائے بھارتی انٹیلی جنس کا ڈپٹی ڈائریکٹر ہے جس کا ''گیتا جی'' کور نام Cover Name تھا اور یہ واحد ایسی ہستی تھی جسے ''را'' کے ڈائریکٹر کے بعد سوامی مہاراج کی اصلیت کا علم تھا......

''را'' کی کامیابی کا راز یہی تھا کہ اس کے اعلیٰ افسران کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ سوامی مہاراج دراصل ''را'' کا اسسٹنٹ ڈائریکٹر ہے جو بھیس بدل کر آشرم چلا رہا ہے۔

اس وقت گیانی مہاراج اپنے خاص کمرے میں براجمان تھے اور چار داسیاں ان کی سیوا میں مگن تھیں جب گیتا جی کمرے میں ایک داسی کی معیت میں داخل ہوئے گیانی مہاراج کی شکل پر نظر پڑتے ہی گیتا جی ''ڈنڈوت'' (لیٹ کر پوجا کے انداز میں پاؤں چھونا) کرنے لگے۔

''شانتی......شانتی......'' سوامی مہاراج نے حسب عادت اپنا ہاتھ اٹھا کر اسے آشیر واد دی۔

یہ اشارہ تھا اس بات کا کہ اب گپتا جی اٹھ کر بیٹھ سکتے ہیں۔

''کہو بالکے! کہاں رہے اتنے دن...... اپنے گورو کی یاد نہیں آئی''

سوامی مہاراج نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

''آوشے مہاراج آوشے (ضرور) آپ کا خیال داس (غلام) کے من سے کبھی ایک لمحے کے لئے بھی نہیں جا سکتا۔ داس کے ہر سانس میں دل کی ہر دھڑکن میں آپ کے نام کی مالا جپی جاتی ہے مہاراج!...... میں جنوبی افریقہ گیا ہوا تھا...... من کو بہت بے کلی لگی تھی...... گورو کے چرن چھونے کو من اُتاولا ہوا جاتا تھا۔ چار روز پہلے جب میں سوسی واچن (ہندوؤں کا ایک وظیفہ) کر کے سویا تو خواب میں گورو مہاراج کے درشن ہوئے اور آپ نے مجھے طلب فرمایا۔ اس روز جہاز کی ٹکٹ بک کروائی اور آج دہلی پہنچتے ہی اپنے سوامی کے چرنوں کی دھول اپنے ماتھے پر سجانے کے لئے آ گیا ہوں......''

گپتا جی نے بڑی عقیدت سے ہاتھ باندھتے ہوئے اور اس انداز میں کہا۔

''آنند...... آنند...... بالکے آنند پراپت کرو گے......''

سوامی مہاراج نے اپنی مالا کے منکے گراتے ہوئے مالا والا ہاتھ اوپر اٹھا دیا۔ ''تم جاؤ داسیو! تم جاؤ اور بسرام (آرام) کرو...... ہم اپنے بھگت سے باتیں کریں گے''۔

سوامی مہاراج کا اشارہ پاتے ہی وہاں موجود داسیاں الٹے پاؤں واپس جانے لگیں ''اسے سکھینا''...... انہوں نے اچانک ہی کچھ سوچتے ہوئے کہا اور سانولے جسم کی ایک ساحرہ وہیں جم کر رہ گئی۔ اس کے چہرے پر گپتا جی کے لئے زیادہ دیر نظر جمانا ممکن نہیں تھا۔ حُسن اور جنسیت کا اتنا بھرپور امتزاج گپتا جی کو اس آشرم میں ہی نظر آ سکتا تھا۔

''ہمارے بھگت کے لئے ''سوم رس'' (اشارہ شراب کی طرف ہے) بندوبست کرو...... اتنے لمبے سفر سے لوٹا ہے۔ اسے آنند دو...... شانتی دو......''

سوامی مہاراج نے اپنے اصلی روپ کی طرف لوٹتے ہوئے کہا۔

''دھن بھاگیہ مہاراج...... داسی آپ کی کنیز ہے......''

سکھینا نے جھک کر گپتا جی کے سامنے اس طرح کورنش بجاتے ہوئے کہا تھا کہ اس کے جسم پر موجود ڈھیلا بسنتی رنگ کا چولا جسم سے قریباً الگ ہو گیا تھا اور اس کے گریبان کی ایک ہی جھلک نے گپتا جی جیسے گھاگ انٹیلی جنس آفیسر کے بدن پر بھی ایک لمحے کے لئے لرزہ طاری کر دیا تھا۔

سکھینا انہی قدموں سے واپس لوٹ گئی۔

''ابے سالے...... ایسی قیامت کی جھلک اس طرح اچانک نہ دکھایا کر ورنہ کسی روز تیرے آشرم ہی میں سورگباش ہو جاؤں گا''۔ سکھینا کے حادثے سے سنبھلتے ہی گپتا نے کہا۔

''گپتا جی...... ہم بھی کوئی معمولی سوامی نہیں ہیں۔ بڑی دھوم دھام سے آپ کا انتم سنسکار (مردے کی تدفین کی رسوم) کریں گے''۔

سوامی مہاراج نے قہقہہ لگایا۔

''کیا بات ہے، بہت عرصے بعد تمہیں اتنا بے چین دیکھا ہے...... معلوم ہوتا ہے تو نے مدن لال کے معاملے کو کچھ زیادہ ہر سیریس لے لیا...... ارے یار پھر کیا ہوا اب تمہارے کریڈٹ پر اتنے اتنے بڑے کارنامے ہیں کہ ''را'' کے نزدیک تمہاری حیثیت میں کبھی معمولی سی کمی نہیں آ سکتی پھر کیوں پریشان ہو...... بھئی سوامی یار! تم جانتے ہو اس کھیل میں کبھی کبھی نتائج اپنی توقع کے مطابق نہیں نکلا کرتے Be Relax یار کیوں ڈیپریس ہو رہے ہے Take it easy man ''را'' کو تم پر فخر ہے۔ مدن لال نے تو مرنا ہی تھا...... جس تیزی سے وہ حرام اکٹھا کر رہا تھا ایک دن اچانک سالے کا پیٹ پھٹ جاتا......''

گپتا جی!...... اس کے سامنے صوفے پر ٹانگیں پسار کر لیٹ گیا تھا۔

''گپتا جی...... میں اس کی موت کو اہمیت نہیں دے رہا...... بات اس کر مرنے کی نہیں...... لیکن جس بُری طرح میں (Cheat) ہوا ہوں۔ جس طرح میری بدھی (عقل) نشٹ ہوئی میرے دل و دماغ نے اس حادثے کو ہضم نہیں کیا...... وہ لوگ میرے مجرم ہیں اور انہیں بدترین سزا ملنی چاہئے۔ خواہ اس کی کچھ قیمت بھی ادا کرنی پڑے''۔

سوامی مہاراج نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

گپتا جی کو سوامی مہاراج کے جذبات کا احساس تھا اور یوں بھی اس کی عظیم خدمات کے پیش نظر ''را'' اس کے لئے کچھ بھی کرنے کو تیار تھی۔

''ٹھیک ہے...... کچھ کرتے ہیں لیکن بھگوان کے لئے مطمئن ہو جاؤ...... اور ہاں تمہارے پاس ان کی کوئی تصویر تو ہوگی......''

گپتا نے پوچھا۔

''گیتا جی! میں نے کہاناں کہ میری تو بدھی ہی نشٹ ہوگئی تھی...... میں نے اس لائن پر تو سوچا ہی نہیں تھا کہ سالے کبھی (Cheat) کر جائیں گے۔ یہی تو پچھتاوہ میری جان کو آ گیا ہے۔ میرے پاس گیتا نجلی کی تصویریں ہیں...... جس مقام سے ان لوگوں نے سرحد عبور کی ہے اس کے نزدیک اپنے لوگوں کا جال بچھا دو...... میرا من کہتا ہے کہ وہ مل جائیں گے...... گیتا جی! میں نے گیتا نجلی پر بہت محنت کی ہے...... اوش کنیا ہے وہ میں نے اسے کسی بڑے کام کے لئے بچار کھا تھا گیتا جی...... اس لئے نہیں کہ یہ سالے مسلے اس پر ہاتھ صاف کر جائیں...... آپ جانتے ہیں کہ وہ مسلمان کی بیٹی ضرور تھی اور اس کی اس کمزوری کو استعمال کر کے میں پاکستان میں اس کے ذریعے بہت بہتر نتائج حاصل کر سکتا تھا......''

سوامی مہاراج نے کہا گیتا جی کے جواب دینے سے پہلے سکھینا ''سوم رس'' لے کر آ گئی......! اس نے اپنے ہاتھوں سے دونوں کو جام بنا کر دیئے اور پھر اپنے لئے جام تیار کرنے لگی۔ گیتا جی اب سب کچھ بھول بھلا کر سکھینا کے پھیلائے جنسی طوفان میں ہچکولے کھانے لگے تھے۔ ''اب کچھ جل بھوجن (کھانے پینے) کا بھی بندوبست کرو۔ آج گیتا جی تمہارے خاص مہمان ہوں گے''۔

گیانی مہاراج نے سکھدیا کی طرف دیکھ کر آنکھ دبائی۔

گیتا نے بے شرمی سے دانت نکال دیئے۔

''سوامی میں خود کوشش کروں گا...... میری انتہائی کوشش ہوگی کہ تمہارے مجرموں کو تمہارے سامنے پیش کر دوں...... ان لوگوں کو سبق سکھانا یوں بھی ضروری ہو گیا ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ دشمن کا دماغ کسی معمولی کامیابی سے خراب ہو جائے''......

گیتا نے شراب کا لمبا گھونٹ حلق میں انڈیلتے ہوئے کہا۔

''گیتا جی! میں میں بھی یہی چاہتا ہوں''......

سوامی مہاراج نے مطمئن ہو کر گردن ہلائی۔ تھوڑی دیر بعد وہ کھانے کی میز پر موجود تھے۔ یہ میز بطور خاص سوامی مہاراج کے خاص مہمانوں کے لئے سجائی جاتی تھی۔ یوں تو اس آشرم کے دور دور تک بھی کوئی شراب یا گوشت کا تصور نہیں کر سکتا تھا لیکن اس میز پر انواع اقسام کے گوشت اور شراب سوامی مہاراج اور اس کے مہمان گیتا جی کے لئے موجود تھی۔ تین داسیاں ان کی خدمت پر مامور تھیں اور سکھدیا گیتا جی کے پہلو میں بیٹھی ان کے ہوش وخرد پر بجلیاں گرا رہی تھی۔

رات دیر گئے تک یہ گھناؤنا کھیل جاری رہا جس کے بعد سوامی مہاراج نے سکھدیا کو گیتا

جی کے ساتھ ان کے کمرے کی طرف روانہ کر دیا وہ اپنے دوست کے ایک ایک لمحے کو خوبصورت اور یادگار بنا دینا چاہتا تھا۔

''رگھو ناتھ سہائے ''را'' کا ڈپٹی ڈائریکٹر ہونے کے ساتھ ساتھ پاکستان ڈسک کا انچارج بھی تھا اور پاکستان میں تخریب کاری اور یہاں موجود ملکی اور غیر ملکی ایجنٹوں کا براہ راست انچارج بھی وہی تھا۔

سوامی مہاراج کو موہوم سی امید تھی کہ اس کے ذریعے شاید گیتا نجلی اس کے حرم میں واپس لوٹ آئے...... وہ گیتا نجلی کو ہر قیمت پر دوبارہ حاصل کرنا چاہتا تھا......

سکھدیا نے اس رات گیتا جی کی وہ خدمت کی کہ اسے اس سے پہلے سوامی مہاراج کے ہاں گزاری جانے والی تمام راتوں کو بھلا دیا۔

یوں تو گیتا جی ہی نہیں ''را'' کا کوئی بھی اعلیٰ آفیسر جب بھی ''را'' کے اس آشرم پر آیا تھا۔ اسے جسمانی تسکین کا ہر ممکن سامان بہم پہنچایا جاتا تھا لیکن گیتا کی اعلیٰ حیثیت کے پیش نظر اس کے لئے خصوصی اہتمام ہوتا تھا۔

O

مرزا نام تھا اس کا......! لیکن یہ اصلی نام نہیں تھا۔ اس کھیل میں کسی کا اصلی نام کسی اور کو نہیں بتایا جاتا ان کے اپنے ساتھیوں کو بھی نہیں۔ اسے بھی سب مرزا کے نام ہی سے جانتے تھے۔ اس کی قومیت کا بھی کسی کو علم نہیں تھا۔ کوئی نہیں جانتا تھا وہ پاکستانی ہے یا بھارتی؟

مرزا پاکستان میں ''را'' کا کیس آفیسر تھا۔ گزشتہ دس سال سے اس کا پاکستان میں آنا جانا رہتا تھا۔ اگر وہ ہندو تھا تو بھی اب اس کو کوئی پہچان نہیں سکتا تھا۔

مرزا کا تعلق بھی ''را'' کے خاص لوگوں سے تھا۔ اس نے پاکستان مین تخریب کاروں کا جال بچھا رکھا تھا جس میں زیادہ تعداد ان پڑھے لکھے بیروزگار نوجوانوں کی تھی جو اپنی بدقسمتی کے ہاتھوں مرزا کے جال میں کہ ہمیشہ کے لئے اس کے ہاتھوں میں کھلونا بنے رہتے اور مرزا جب بھی چاہتا موم کی گڑیا کی طرح ان کی گردن مروڑ دیتا۔

اس کے رابطے خصوصاً پاکستان کے اس علاقے میں تھے جہاں سے گیتا نجلی کے ساتھ بشیر اور شیر عالم نے سرحد عبور کی تھی۔

مرزا اس وقت رگھوناتھ سہائے کے سامنے بیٹھا تھا جس کی میز پر تین تصویریں رکھی تھیں شیر عالم اور بشیر کی تصاویر اس نے پولیس ریکارڈ اور جیل سے حاصل کی تھیں اور گیتا نجلی کی تصویر اسے سوامی مہاراج سے مل گئی تھی۔

''ان تینوں کو اچھی طرح پہچان لو''......رگھوناتھ نے مرزا کی طرف دیکھتے ہوئے تصاویر اس کے سامنے پھینک دیں۔

''ٹھیک ہے مہاراج''......مرزا نے تینوں تصاویر دیکھ کر میز پر رکھ دیں۔ رگھوناتھ نے اپنی میز کے دراز سے ایک اور پیکٹ نکال کر مرزا کے سامنے رکھ دیا۔

''اس میں ان تصاویر کی کچھ کاپیاں ہیں جو تمہارے کام آئیں گی یہ لوگ بارڈر سیکورٹی فورس کے کمانڈنٹ مدن لال کو قتل کر کے سرحد عبور کر گئے ہیں......ہمارے منہ پر بھرپور طمانچہ رسید کیا ہے انہوں نے......مرزا! انہیں تلاش کرو جس طرح بھی ممکن ہو انہیں تلاش کرو یہ ''را'' کی انا کا مسئلہ بن گیا ہے۔ ہماری ناک کٹ جائے گی......اس لڑکی گیتا نجلی کو ہر قیمت پر زندہ واپس لانا ہے اور ان دونوں کو......''اس نے نفرت سے ہونٹ سکوڑے۔

''ان دونوں کو بھی زندہ لا سکو تو کیا کہنے اگر نہ آئیں تو کتے کی موت مار ڈالنا مرزا ہمارے مجرم دنیا کے کسی بھی کونے میں ہوں انہیں سزا ضرور ملنی چاہئے''۔ رگھوناتھ نے مونچھوں پر الٹا ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''ایسا ہی ہوگا مہاراج......میں خود دیکھوں گا اس معاملے کو......موراں والی میں ہمارا ایک بڑا کامی بندہ ہے اس کو کام سونپتے ہیں'' مرزا نے چاپلوسی کا بہترین مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

''کچھ بھی کرو مرزا، کام ہونا چاہئے......آج تک ایسا ہوا نہیں کہ تمہیں کوئی کام ہم نے سونپا ہو اور تم نے پورا نہ کیا ہو......رقم کی پروا نہ کرنا......خصوصی فنڈ سے جتنے روپے جس کرنسی میں چاہئے نکلوا لو''......رگھوناتھ نے واقعی اسے اپنا انا کا مسئلہ بنا لیا تھا۔

سوامی مہاراج گو کہ اس کی طرح ''را'' کا ہی اعلیٰ آفیسر تھا لیکن سب سے بڑھ کر اس کا دوست تھا اور دوست بھی ایسا جس نے سکھنیا جیسی داسیوں کو اس کی سیوا پر لگا دیا تھا۔ ایسے شخص کا کام تو ہونا چاہئے تھا خواہ اس کی کتنی ہی قیمت کیوں نہ ادا کرنی پڑتی......مرزا تھوڑی دیر بعد وہاں سے رخصت ہو گیا۔

اس کے لئے یہ کوئی انوکھی بات نہیں تھی لیکن اس سے پہلے اتنی شدت سے کبھی رگھوناتھ

سہائے نے کوئی مطالبہ نہیں دہرایا تھا۔

مرزا کو معاملے کی سنگینی سمجھنے میں زیادہ دیر نہ لگی اور اس نے اندازہ کر لیا کہ گیتا نجلی نامی اس لڑکی کا کوئی نہ کوئی تعلق ''را'' کے ڈپٹی ڈائریکٹر سے ضرور رہا ہوگا اور یہ دونوں پاکستانی جاسوس جو جیل سے فرار ہوئے ہیں اس لڑکی کو بھی اپنے ساتھ بھگا کر لے گئے ہوں گے جاتے جاتے انہوں نے مدن لال کا بھی صفایا کر دیا ہوگا۔

واقعہ کچھ بھی رہا ہو اسے اپنے افسران کے حکم کی تعمیل کرنی تھی۔ وہ ''را'' کا پرانا نمک خوار تھا اور قریباً دس سال سے ان کے لئے خدمات انجام دے رہا تھا۔ مرزا رہنے والا تو پاکستان کا تھا لیکن اس نے ایک شادی بھارت میں بھی کی ہوئی تھی۔ اس کا تعلق ایک خاص فرقے سے تھا جس کے پیرو کار دونوں طرف آباد تھے اور اس کا آنا جانا اکثر اپنے فرقے کی تقریبات پر لگا ہی رہتا تھا۔

مرزا ایک سرحدی گاؤں میں رہتا تھا جہاں وہ اچھی خاصی اراضی کا مالک بھی تھا اس نے شہر میں رہائش اختیار کر لی تھی اور ایک شاندار کوٹھی میں نوکروں کی فوج کے ساتھ فردوکش تھا۔

شہر میں اس کا لمبا چوڑا کاروبار تھا کاروباری حلقوں میں وہ اپنی اصول پسندی اور ایمانداری کی وجہ سے بڑا معتبر مقام رکھتا تھا۔ اس کا تعلق جس فرقے سے تھا اس کے لوگ بظاہر اسی طرح اصول پسند، ایماندار اور ملنسار بن کر زندگی گزار رہے تھے۔ لیکن ان کے دلوں میں پاکستان کے خلاف بغض بھرا ہوا تھا اور موقعہ ملنے پر وہ اس کا مظاہرہ کرنے سے بھی نہیں چوکتے تھے۔

مرزا کس طرح ''را'' کے جال میں پھنس گیا؟

یہ بھید کبھی نہ کھل سکا۔ بظاہر اس میں کوئی ایسی کمزوری نہیں تھی جس کو ''را'' استعمال کر کے اسے بلیک میل کر سکے لیکن اس میں ایک کمزوری بالآخر ''را'' نے ڈھونڈھ ہی نکالی اور یہ اس کی ذات کا بڑا خلا تھا جس میں سے کوئی بھی باآسانی اندر داخل ہو سکتا تھا۔

مرزا پیدائشی مسلمان تھا......ایک سرکاری محکمے میں دوسرے درجے کا افسر اور اپنی ملازمت کے سلسلے ہی میں اس کا تبادلہ ایک ایسے شہر ہو گیا جہاں اس فرقے کے لوگ زیادہ تعداد میں آباد تھے۔

مرزا کو بچپن ہی سے عورتوں سے معاشقے کی علت لگ گئی تھی جس نے بالآخر اسے کہیں کا نہ رکھا۔

اس فرقے کے لوگوں کو ایسے گدھوں کی ضرورت اکثر رہتی تھی۔ انہوں نے مرزا کی اس کمزوری کو خوب خوب استعمال کیا اور اس کے سامنے عورتوں کی قطار لگاتے چلے گئے۔ مرزا شباب کی

طغیانیوں میں ایسا ڈوبا کہ پھر کبھی نہ ابھر سکا......اس نے اپنا مذہب چھوڑ کر باطل مذہب اختیار کر لیا اور اس فرقے کی ایک ایسی عورت سے شادی کر لی جو ایک کروڑ پتی زمیندار کی بیوہ تھی۔

اس شادی سے مرزا کے ہاتھ بے شمار دولت آ گئی لیکن اس کا جی اپنی بیوی سے جلد ہی بھر گیا۔ یوں بھی اس نے یہ شادی عشق کے لئے تو نہیں کی تھی اسے تو دولت چاہئے تھی جو بالآخر اسے مل گئی۔ اس درمیان اپنے فرقے کی جماعت ہی کے چکر میں اس کا آنا جانا بھارت میں شروع ہو گیا جہاں اس نے سلمٰی سے معاشقہ چلا لیا اور اس سے شادی بھی کر لی۔

یہ شادی دراصل ''را'' کا کارنامہ تھی۔ انہوں نے اندازہ کر لیا تھا کہ مرزا ان کے قابو آ جائے تو بڑے کام کا آدمی ہے۔ اس شادی نے مرزا کے ہاتھ پیر باندھ کر رکھ دیئے اور چند مہینوں میں ہی اس کے تعلقات ''را'' سے گہرے ہوتے چلے گئے جس کے بعد ایک دن وہ آیا جب اس کے ہاتھوں ''را'' نے باقاعدہ ایک تخریب کاری کروا کر اسے اپنا مستند ایجنٹ بنا لیا۔

مرزا میں اگر غیرت نام کی کوئی چیز ہوتی تو اپنے دین ہی کو کیوں چھوڑتا؟ اس کی زندگی کی ترجیحات کچھ اور تھیں۔ اس نے اپنا زندگی کا مقصد دولت، عورت اور شراب بنا لیا تھا اور اس تکون میں بند ہو کر اپنے اوپر اصول پسندی، ایمانداری اور شرافت کے مخصوص لبادے اوڑھ کر دن رات ''را'' کے اشاروں پر بندر کی طرح ناچ رہا تھا۔

مرزا کا طریق واردات بڑا خطرناک لیکن بہت آسان تھا۔ وہ شہر کی کئی نام نہاد سوسائٹیوں کا عہدیدار تھا اور سوسائٹی کے اکثر حلقوں خصوصاً پسے ہوئے طبقات میں اس کا آنا جانا لگا رہتا تھا۔ مرزا کی نظر سوسائٹی کے ان نوجوانوں پر لگی رہتی تھیں جو فرسٹریشن کا شکار تھے......ایسے نوجوان اس کا خصوصی شکار ہوتے تھے۔

مرزا پہلے ان سے دوستی گانٹھتا پھر انہیں بُری عادتیں ڈالتا جس کے بعد انہیں ذہنی اور جسمانی طور پر اپنا محتاج کر کے ''را'' کے حوالے کر دیتا ایسے نوجوانوں کو پہلے سیر کرنے کے بہانے بھارت بھیجا جاتا جہاں وہ دہلی میں جا کر بھارتی انٹیلی جنس کے خرچ پر عیاشیاں کرتے جس کے بعد انہیں ''را'' اپنے شکنجے میں اس طرح جکڑتی کہ پھر اس کے اشارے پر وہ بندروں کی طرح ساری زندگی ناچتے رہتے تھے۔

O

ناصر بھی ایک ایسا نوجوان تھا......!

مرزا کی اس سے ملاقات ہوئے ابھی چھ سات ماہ ہی گزرے تھے لیکن ان چھ سات مہینوں میں اس نے ثابت کر دیا تھا کہ آج تک مرزا نے جھک ہی ماری ہے کیونکہ ناصر جیسا ذہین مہرہ اسے میسر نہیں آیا تھا۔

''را'' سے ناصر کے تعلقات اتنے گہرے ہو گئے تھے کہ اب انہوں نے ناصر کو براہ راست ہدایات دینی بھی شروع کر دی تھیں حالانکہ اس سے پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا تھا اور اپنے لوگوں کو مرزا خود ہی کنٹرول کیا کرتا تھا۔

آج کل بھی ناصر تخریب کاری کا ایک خصوصی کورس کرنے دہلی آیا ہوا تھا۔ بظاہر تو وہ پاکستانی پاسپورٹ پر ویزہ لگوا کر آیا تھا لیکن اصل میں وہ ایک خاص مشن پر آیا ہوا تھا۔ ''را'' کا طریق کار یہی تھا کہ پاکستان میں موجود اپنے ایجنٹوں کو جب بھی بھارت بلانا مقصود ہوتا وہ انہیں قانونی طریقے سے ویزہ کی درخواست داخل کرنے کے لئے کہتے انہیں ویزہ مل جاتا جس کے بعد وہ سیر سپاٹے اور عیاشی کے بہانے دہلی آ جاتے چونکہ یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی اس لئے کسی کا دھیان اس طرف نہیں جاتا تھا۔

ناصر کا تعلق چونکہ اس سرحدی علاقے سے تھا جہاں سے گپتا کے کہنے کے مطابق ان لوگوں نے سرحد عبور کی تھی اور یہاں کے بیشتر جرائم پیشہ لوگوں سے ناصر کا ملنا جلنا رہتا تھا۔ اس لئے مرزا نے اس کو یہ کام تفویض کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ ناصر کے ذریعے کم از کم اس بات کی تصدیق کر سکتا تھا کہ یہاں کوئی ایسا واقعہ ہوا بھی ہے یا نہیں۔

اس وقت وہ لوگ اس ضمن میں دہلی کے ایک مسلمان ہوٹل کے کمرے میں بیٹھے تھے جس میں ''را'' کا ایک آفیسر بھی موجود تھا۔

ناصر نے اپنا کام دہلی میں مکمل کر لیا تھا۔ اس نے تخریب کاری کا ایک چھوٹا سا کورس کرنا تھا جو مکمل کرنے کے بعد اب یہاں صرف عیاشی کر رہا تھا۔

''تم کل ہی واپس لوٹ جاؤ''......مرزا نے اسے تلقین کی۔

''ٹھیک ہے مرزا صاحب......بے فکر ہو جایئے۔ اس علاقے میں بہت سے رینجرز اور اتھارٹی کے لوگوں تک اپنی رسائی ہے۔ میں انہیں زمین کی ساتویں تہہ سے بھی نکال لاؤں گا۔ آپ

مہربانی سے کچھ کیش کا فوراً بندوبست کر دیں'۔

ناصر نے مرزا کو اطمینان دلاتے ہوئے کہا۔

مرزا کو ناصر کی یہی عادت بُری لگتی تھی...... وہ کام کرنے سے پہلے اس کا معاوضہ طلب کر لیا کرتا تھا اور یہ معاوضہ اتنا زیادہ ہوتا تھا کہ بسا اوقات مرزا کے ہاتھوں کے طوطے اڑ جایا کرتے۔ وہ ''را'' سے جس کام کے لئے پچاس ہزار روپے لیا کرتا تھا اسے مقامی ایجنٹوں کے ذریعے دس ہزار روپے میں مکمل کر کے بقیہ چالیس ہزار اپنی جیب میں ڈال لیتا تھا۔ لیکن ناصر بہت ہوشیار تھا۔

شاید اسے مرزا کی اس چالاکی کا علم ہو گیا تھا اور وہ مرزا سے پہلے ہی اتنے زیادہ پیسے طلب کر لیتا تھا کہ اس کے لئے کچھ گنجائش باقی نہیں بچتی تھی۔ ایک مرتبہ مرزا نے اشارے سے اس بات کا ذکر ''را'' میں اپنے انچارج گپتا سے کیا تھا لیکن اس نے مرزا سے کہہ دیا تھا کہ وہ کم از کم ناصر کے معاملے میں پیسوں کی پروانہ کیا کرے...... یوں بھی ''را'' والوں کو کام سے مطلب تھا۔

وہ پاکستان کو نقصان پہنچانے کی کچھ بھی قیمت ادا کر سکتے تھے۔ ''ٹھیک ہے یار نوجوان کبھی اس سے پہلے تمہارے ساتھ کوئی وعدہ خلافی ہوئی ہے؟'' مرزا نے چڑ کر کہا۔

''اس میں مرزا صاحب...... وعدہ خلافی والی بات نہیں آپ تو جانتے ہیں کہ ہمارے دھندے میں وعدوں کی کیا حیثیت یا اہمیت ہے جس سے بات بھی کریں گے وہ ہمارے سوال کا جواب دینے سے پہلے ہاتھ پھیلا کر اپنا معاوضہ طلب کرے گا''۔ ناصر نے مسکراتے ہوئے کہا وہ مرزا کے دلی جذبات کا اندازہ کر سکتا تھا۔

''یہ لو...... اور پیسوں کی فکر نہ کرنا...... یہ سمجھو کہ گپتا صاحب کا ذاتی کام ہے...... انہیں ہر صورت میں مثبت رزلٹ چاہئے۔ بہر صورت، سمجھ گئے ناں؟''

''را'' کے اس آفیسر نے جوان کے ساتھ موجود تھا پاکستانی کرنسی نوٹوں کا ایک بنڈل اپنے بریف کیس سے نکال کر ناصر کو تھما دیا۔

''او۔کے میں چلتا ہوں۔ امید ہے اب مرزا صاحب سے پاکستان میں ہی ملاقات ہو گی'' ناصر نے نوٹوں کی گڈی بغیر گنے اپنے بیگ میں رکھتے ہوئے کہا۔

آپ لوگوں نے اسے بہت سر چڑھا لیا ہے'' ناصر کے باہر نکلتے ہی مرزا نے ''را'' کے آفیسر سے کہا۔

مرزا صاحب آپ ایسی باتوں سے نہ گھبرایا کریں، یہ لوگ اپنے مادر وطن سے غداری کرتے ہیں تو ان کے کچھ مطالبات ہوتے ہیں۔ ہمارے رشتہ دار تو نہیں ہیں...... اگر انہیں دولت ہی نہ ملے تو پھر اپنی جان ہتھیلی پر لے کر کیوں گھومتے پھریں گے......

''را'' کے آفیسر نے مسکراتے ہوئے مرزا صاحب کو ٹال دیا۔

O

ناصر اگلے روز ہی پاکستان پہنچ گیا......!

اپنے وطن پہنچ کر اس نے حسب سابق اپنے آفس کا رُخ کیا جہاں میجر کیانی اس کے استقبال کے لئے موجود تھے۔

''سناؤ جوان کیسا رہا ٹرپ''

میجر کیانی نے اپنی گھنی مونچھوں کے نیچے چھپی مسکراہٹ کو نمایاں کیا۔

''جناب بڑا شاندار...... اس مرتبہ آپ کے لئے ایک اور نئی خبر لایا ہوں......'' ناصر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اچھا...... تو مرزا صاحب پھر کوئی نیا کارنامہ سرانجام دینا چاہتے ہیں''...... میجر کیانی نے اس کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھا۔

''کارنامہ تو نیا نہیں...... البتہ کام کی نوعیت ذرا مختلف ہے''...... یہ کہہ کر ناصر نے میجر کیانی کو دہلی میں ہونے والی گفتگو اور ''را'' کی طرف سے اس کام کے لئے پیشگی ملنے والا نوٹوں کا بنڈل تھما دیا۔

''ویل ڈن مائی بوائے...... ویل ڈن''

انہوں نے نوٹوں کا بنڈل ناصر کی طرف واپس لوٹاتے ہوئے اسے شاباش دی ''را'' نے اپنی دانست میں بڑی ہوشیاری دکھائی تھی اور وہ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ پاکستان میں انہیں کھل کھیلنے کی مکمل آزادی ہے۔

پاکستان انٹیلی جنس ان کی طرف سے کبھی غافل نہیں رہی تھی۔ یہ اطلاع ملنے پر کہ پاکستان نوجوانوں کو ورغلا کر ''را'' والے ان سے تخریبی کارروائیاں کرواتے ہیں۔ پاکستانی انٹیلی جنس نے ''را'' کے تخریب کاری کے تربیتی کیمپوں تک رسائی حاصل کرنے کے لئے اپنے کچھ ذہین افسروں کو غداروں کے روپ میں ان کیمپوں تک پہنچا دیا تھا۔

یہ لوگ بظاہر ''را'' کے لئے کام کرتے تھے لیکن عملاً وہ پاکستان انٹیلی جنس کے لوگ تھے اور ''را'' کے کیمپوں میں موجود غداروں کے کوائف اور ''را'' کے عزائم جانتے رہتے تھے جس کے بعد یہ معلومات پاکستان انٹیلی جنس کے مرکز میں پہنچتی اور وہاں سے پھر ایک ہنگامی آپریشن تیار کیا جاتا تھا جس کے ذریعے جہاں ایک طرف ''را'' کے گھناؤنے عزائم کو ناکام بنایا جاتا تھا وہاں اس بات کا بھی اہتمام کیا جاتا تھا کہ ''را'' کو کسی مرحلے پر یہ شک نہ گزرے کہ یہ لوگ ڈبل کراس ہیں اور ان کے کیمپوں میں پاکستان انٹیلی جنس کے لوگ بھی گھس آئے ہیں......

ناصر کو بطور خاص مرزا پر نگران مقرر کیا گیا تھا......مرزا کی وطن دشمن سرگرمیوں پر پاکستان انٹیلی جنس کو ڈیڑھ سال پہلے شک گزرا تھا جس کے بعد سے انہوں نے ایک منصوبے کے تحت اپنے انتہائی ذہین آفیسر ناصر کو اس سے ٹکرایا تھا اور اس کے ذریعے ناصر نے ''را'' تک رسائی حاصل کر لی تھی......پاکستان انٹیلی جنس کی پالیسی یہ تھی کہ وہ مرزا کے غدار ساتھیوں کے متعلق مکمل معلومات حاصل کر کے اس سارے گروہ کا قلع قمع کریں۔

ناصر نے میجر کیانی کو بتا دیا تھا کہ اس مرتبہ مرزا کی طرف سے کیا فرمائش موصول ہوئی ہیں اور اس کام میں ''را'' کا ڈپٹی ڈائریکٹر گپتا براہ راست دلچسپی لے رہا ہے۔

''اس کا مطلب ہے کہ معاملہ خاصا سنگین ہے......'' میجر کیانی نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

''سر! آج تک گپتا کی شکل بھی ہم میں سے کسی نے نہیں دیکھی۔ اس کے باوجود کہ وہ ''پاکستان ڈیسک'' کا انچارج ہے......مرزا ہی شاید ایسی واحد شخصیت ہے جس سے اس کا براہ راست رابطہ رہتا ہے لیکن حیرانگی کی بات یہ ہے کہ اس مرتبہ گپتا نے اپنے ماتحت کو بطور خاص میرے پاس بھیجا اور اس نے یہ رقم بھی مجھے دی ہے۔ آپ تو جانتے ہیں کہ مرزا اس معاملے میں ڈنڈی مار لیتا ہے شاید اس لئے ان لوگوں نے پہلے ہی براہ راست ادائیگی کر دی ہے......''

''تم آرام کرو، میں دیکھتا ہوں......بہر حال انہیں مطمئن تو کرنا ہے۔ کوئی نہ کوئی کہانی تو سنانا ہی پڑے گی''......میجر کیانی نے کہا۔

O

ناصر اٹھ کر باہر آ گیا۔ اسے اب میجر کیانی کی طرف سے تفصیلات کا انتظار تھا جس کے بعد ہی اس نے مرزا کو رپورٹ پیش کرنی تھی۔

میجر کیانی نے اس روز شام تک ساری معلومات اکٹھی کر لی تھیں۔ وہ شیر عالم کو ذاتی طور پر جانتے تھے اس نے میجر کیانی کے ساتھ بھی کچھ عرصہ کام کیا تھا۔ اس بات کا تو انہیں علم ہو گیا تھا کہ وہ دونوں بھارتی جیل توڑ کر فرار ہوئے ہیں لیکن کسی جیل سے فرار ہونے والے کے متعلق ''را'' کی اتنی زیادہ دلچسپی کا کیا جواز تھا؟ اس بات کی سمجھ انہیں نہیں آ رہی تھی۔ انہیں معلوم ہوا تھا کہ انسپکٹر برکت کی وجہ سے گیتا نجلی کا بھی کچھ پتہ نہیں چل رہا کہ وہ کہاں چلی گئی۔

یہ بھی ممکن تھا کہ خوفزدہ ہو کر اس نے دوبارہ سرحد عبور کر لی ہو اور اب بھارت پہنچ چکی ہو؟ انہیں تو اس بات کا علم نہیں تھا کہ گیتا نجلی خان فیملی کے پاس محفوظ ہے......

اس سے پہلے بھی بہت سے لوگ بھارتی جیلوں اور عقوبت خانوں سے فرار ہو کر اپنی جان بچا کر پاکستان پہنچنے میں کامیاب ہو چکے تھے لیکن ''را'' نے کسی کا تعاقب نہیں کیا تھا۔

جہاں تک ان دونوں کا تعلق تھا تو وہ بھی کوئی ایسا کارنامہ انجام دے کر نہیں آئے تھے کہ ''را'' انہیں مرنے مارنے پر تُل جاتی۔ شاید مدن لال کی موت نے ''را'' کو برافروختہ کر دیا ہو؟ انہوں نے مفروضہ قائم کرنا چاہا لیکن بی ایس ایف کے ایک ڈپٹی کمانڈنٹ کا قتل؟ آخر ''را'' کا اس سے کیا تعلق ہو گا۔

بھارت میں کتنی انٹیلی جنس ایجنسیاں کام کر رہی ہیں۔ مدن لال کی شہرت اس کے علاوہ کیا تھی یہی کہ وہ پاکستانیوں کی قتل و غارت گری میں بہت دلچسپی لیتا تھا اور پاکستان انٹیلی جنس کے پاس یہ معلومات بھی تھیں کہ مدن لال نے کروڑوں روپے اس دھندے سے کمائے تھے۔

ایسے آدمی کی موت کا ''را'' اتنی سنجیدگی سے کیا نوٹس لے گی؟

میجر کیانی نے آخری رائے یہی قائم کی تھی کہ مدن لال کی موت ہی اگر اس انتقامی کارروائی کی وجہ ہے تو ضرور اس کے گپتا سے خاص تعلقات رہے ہوں گے۔ لیکن پاکستان انٹیلی جنس کے پاس گپتا سے متعلق جو معلومات موجود تھیں ان میں دور دور تک مدن لال کے اس کے ساتھ معمولی مراسم کا کوئی اشارہ بھی موجود نہیں تھا......!

اب میجر کیانی کے ذہن نے ایک دوسری لائن پر سوچنا شروع کیا اور انہوں نے مدن لال اور گپتا کا کوئی مشترک دوست ڈھونڈنا چاہا......!

گپتا بڑا مکار ہندو تھا......اس کی سرگرمیاں اتنی پُر اسرار اور محدود تھیں کہ اس سے متعلق

بہت سی باتوں پر اسرار کا پردہ پڑا تھا۔

اچانک ہی میجر کیانی کے ذہن میں ایک خیال بجلی کے کوندے کی طرح لپکا انہیں اپنے ایک بھارتی ایجنٹ کی چند ہفتے پہلے ملنے والی رپورٹ کے کچھ مندرجات یاد آ گئے۔ اس ایجنٹ کو پاکستان انٹیلی جنس نے گپتا سے متعلق تازہ ترین معلومات خصوصاً اس کا حلقہ احباب جاننے کی خدمات تفویض کر رکھی تھیں اور اس نے چند ہفتے پہلے جو رپورٹ دی تھی اس میں نئی بات یہ تھی کہ گپتا کا مشہور ہندو یوگی سوامی مہاراج کے آشرم میں جانا لگا رہتا تھا۔

گپتا یعنی رگھوناتھ سہائے کوئی دھارمک آدمی نہیں تھا۔ اس نے تو زندگی میں سوائے ضرورت کے کبھی مندر کا منہ نہیں دیکھا ہوگا پھر ایک سوامی کے آشرم میں اس کی آمدورفت سے پاکستان انٹیلی جنس نے بظاہر یہی رائے قائم کی تھی کہ دیگر امیر اور عیاش ہندوؤں کی طرح وہ بھی آشرم میں موج میلہ کرنے جاتا ہوگا کیونکہ اکثر ہندو ان آشرموں میں جہاں دھرم کے نام پر جنسیت کی دکانیں کھلی تھیں یہی کچھ کرنے کے لئے اس آشرم کو چلانے والے سوامی کے چیلے بن جایا کرتے تھے۔

میجر کیانی جانتا تھا کہ کسی بھی عیاش طبیعت انسان کے لئے ان آشرموں میں عیاشی کا جو سامان موجود ہے وہ شاید انہیں یورپ نے کسی بھی ریڈ لائٹ ایریا میں نہیں ملتا ہوگا...... وہ ان آشرموں کو ”دھارمک ریڈ لائٹ ایریا“ کہا کرتا تھا۔

ممکن ہے یہی ایک رشتہ اس انتقامی کارروائی کا باعث بن رہا ہو؟ انہوں نے سوچا۔

ممکن ہے یہ کارروائی اس سوامی مہاراج کے لئے کرائی جا رہی ہو کیونکہ شیر عالم اور بشیر اسی آشرم کی ایک لڑکی کے ساتھ فرار ہوئے تھے اور آشرم کے سوامی نے اسے اپنی انا کا مسئلہ بنا لیا ہو۔

میجر کیانی بڑا ذہین آفیسر تھا۔ وہ بات سے بات نکال کر ایک ایک گرہ کھول کر مسئلے کا بڑا سائنٹیفک اور مدلل حل تلاش کیا کرتا تھا۔ اس کے ذہن نے یہ بات ماننے سے بھی انکار کر دیا کہ محض ایک لڑکی کی خاطر یہ سب کچھ کیا جا رہا ہو۔ ایسی ہزاروں لڑکیاں ان سوامیوں کے قدموں سے لپٹی رہتی تھیں۔

شیر عالم نے جو بیان اپنی ایجنسی کو دیا تھا اس کی کاپی میجر کیانی کے سامنے دھری تھی وہ جانتے تھے کہ شیر عالم جھوٹ نہیں بول سکتا اس نے گیتا انجلی کے متعلق جو کہانی بیان کی تھی اگر وہ سچ تھی تو اس بات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ وہ کبھی کسی ہندو حرام کاری کا ذریعہ بنی ہو؟

مدن لال کا سوامی مہاراج سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟ اس نے سوچا......

اگر مدن لال کا سوامی سے کوئی تعلق تھا اور سوامی مہاراج نے اس کی موت کو اپنی انا کا مسئلہ بنا لیا ہے اور اس کے دباؤ دینے پر رگھوناتھ سہائے ڈپٹی ڈائریکٹر ”را“ اپنے بہترین ایجنٹ مرزا کے ذریعے ان تینوں کو سزا دینے پر تلا ہے تو ضرور یہ سوامی مہاراج بھی کوئی غلط آدمی ہے۔

میجر کیانی کو مدن لال کے کالے کرتوت کا علم تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اکثر سوامی بھی اپنے آشرم کی آڑ میں غیر قانونی کارروائیاں کرتے تھے لیکن مدن لال جیسے شخص کے ساتھ وہی سوامی ہاتھ ملائے گا جس کا کوئی نہ کوئی تعلق انٹیلی جنس کے دھندے سے رہا ہو؟

کہیں یہ سوامی مہاراج بھی بھارتی انٹیلی جنس ”را“ کا سیف ہاؤس تو نہیں ہے؟ وہ اچانک چونک اٹھا......! کون ہے یہ پُراسرار سوامی؟ اسے اس سوال کا جواب تلاش کرنا تھا۔ اگر یہ ”را“ کا کوئی کور (Cover) تھا تو اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔

اس وقت رات ایک پہر گزر چکی تھی اور شام ڈھلنے کے بعد سے میجر کیانی اپنے سامنے مختلف فائلوں کا ڈھیر سجائے کمرے کو اندر سے لاک کر کے اس معاملے کو سلجھا رہے تھے۔ یہ ان کی عادت تھی جب تک وہ کسی مسئلے کو سلجھا نہیں لیتے تھے اپنے تمام معمولات کو موقوف رکھتے تھے۔ انہیں سکون نہیں ملتا تھا اور ایک بے کلی سی لگی رہتی تھی...... آج بھی جب یہ بات سلجھی تو میجر کیانی کو یوں لگا جیسے ان کے سر سے منوں بوجھ اتر گیا ہو۔

”میں تمہیں دیکھ لوں گا سوامی مہاراج“...... انہوں نے دل ہی دل میں کہا اور دروازہ کھول کر باہر آ گئے۔ رات بڑی تیزی سے اپنا سفر مکمل کر رہی تھی...... روشنی کی ایک سرمئی لکیر چھاؤنی کی دیوار کے ساتھ لگے درختوں کے عقب سے نمودار ہو رہی تھی جب میجر کیانی اپنی جیپ میں مطمئن ہو کر اپنے گھر کی طرف جا رہے تھے۔

O

شیر عالم کے لئے زندگی کا اب کوئی مقصد باقی نہیں رہ گیا تھا۔ گیتا انجلی سے ملاقات کے بعد اسے زندگی کا مفہوم مل گیا تھا۔ اس نے دل ہی دل میں کئی محل بنائے اور سجائے تھے۔ اسے اس بات کا علم تھا کہ ایک مرتبہ بھارتی حکومت کے چنگل سے بچ نکلنے کے بعد اس کے افسران اسے دوبارہ بھارت نہیں بھیجیں گے کیونکہ دوبارہ اس کا بھارت جانا خودکشی کے مترادف ہوتا۔

اب اس نے ذہنی طور پر اس پیشے سے علیحدگی کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ باقی زندگی

اطمینان سے عذرا کے ساتھ کسی گاؤں میں گزار دے۔ اس کی آبائی زمین اور ایک مکان ابھی تک مضافاتی علاقے میں موجود تھے جہاں وہ بڑے آرام سے چھوٹا موٹا کاروبار کر کے زندگی کے باقی دن ہنسی خوشی گزار سکتا تھا۔

کتنے خواب سجائے تھے اس نے اور کس طرح یہ خواب اچانک ہی چکنا چور ہو گئے۔ جس صورتحال سے وہ دوچار تھا اس کا تصور تو وہ بھارت کی سرحد میں بھی نہیں کر سکتا تھا یہ تو اس کا اپنا ملک تھا۔

انسپکٹر برکت نے جیسے اس کا نشیمن ہی جلا کر خاک کر دیا تھا۔ اس بات کا تو اسے یقین تھا کہ میجر صاحب نے گیتا نجلی کی تلاش میں زمین آسمان ایک کر دیا ہوگا۔ انہوں نے انسپکٹر برکت کی بات پر آنکھیں بند کر کے یقین نہیں کیا ہوگا۔ عین ممکن ہے وہی سچ ہو جو انسپکٹر برکت نے بیان کیا تھا۔ اس کا کہنا تھا گیتا نجلی بھی اس کی جیپ سے اتر کر فرار ہو گئی تھی۔

اگر یہ بات ٹھیک تھی اور واقعی اپنی عزت بچانے کے لئے گیتا نجلی نے اتنی بہادری کی تھی کہ جیپ سے اتر کر بھاگ گئی تو وہ کہاں گئی ہوگی؟ اسے پاکستان کے متعلق تو کچھ علم نہیں تھا۔ اس بے چاری کو تو اس بات کا بھی علم نہیں تھا کہ وہ اس وقت کہاں تھی؟ یہاں کے دیہات، سڑکیں، اسٹیشن، شہر، اسے کسی بات کا پتہ نہیں تھا۔ پھر وہ کہاں گئی ہوگی؟ کہیں گیتا نجلی واپس سرحد کی طرف تو نہیں چلی گئی؟

شیر عالم نے سوچا اور لرز کر رہ گیا۔ اگر یہ سچ تھا تو یہ بہت بھیانک سچ ہوتا۔ شیر عالم کو یاد آیا کہ بشیر نے ان دونوں کے سامنے اس علاقے کا ذکر کیا تھا جہاں سے انہوں نے سرحد عبور کی تھی۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ گیتا نجلی نے وہی نام یاد رکھا ہو اور دوبارہ اسی پوسٹ سے سرحد عبور کر لی ہو۔ یہ بات شیر عالم کو بھی معلوم تھی کہ ایک مرتبہ بھارتی سرحد میں قدم رکھنے کے بعد کوئی گیتا نجلی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔ اس کے پاس سوامی مہاراج کا اتنا مضبوط حوالہ موجود تھا کہ کسی کو اس کی طرف میلی آنکھ سے دیکھنے کی جرات بھی نہیں ہو سکتی تھی۔

اس بات میں تو کوئی شک نہیں تھا کہ گیتا نجلی کو حالات نے بُری طرح مایوس کر دیا تھا۔ اس نے پاکستان سے متعلق جو خواب سجائے تھے وہ تو چکنا چور ہو گئے تھے۔ شیر عالم ہی اس کی واحد امید تھا اور وہ بھی اسے نہ مل سکا تو عین ممکن ہے اس کے پاس اپنی پرانی زندگی کی طرف واپس لوٹ جانے کے علاوہ کوئی چارہ ہی باقی نہ رہا ہو۔

سوامی مہاراج کو مطمئن کرنے کے لئے اس کا صرف یہ کہہ دینا کافی تھا کہ وہ دونوں اسے

بندوق کی نوک پر اغوا کر کے لے گئے تھے اور موقعہ ملتے ہی وہ واپس بھاگ آئی ہے۔ اس طرح وہ سوامی کے دل میں اپنے لئے پہلے سے موجود جگہ میں کئی گنا مزید اضافہ کر سکتی تھی۔ اس کے لئے دوبارہ آشرم میں پہلے سے زیادہ عزت اور مان کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے مواقع موجود تھے۔

اگر اس کی سوچ صحیح تھی تو یہ اس کی مردانگی کے لئے سب سے بڑا چیلنج تھا۔

وہ اپنی موجودہ حیثیت کو بھلا بھی دے تو بھی وہ ایک مسلمان تو تھا۔ گیتا نجلی اس کے حسن و جوانی پر عاشق نہیں ہوئی تھی اسے اگر شیر عالم سے کوئی دلچسپی تھی تو محض یہ کہ وہ مسلمان پاکستانی تھا۔ ورنہ تو سوامی مہاراج کے آشرم میں اس سے ہزار گنا خوبصورت، جوان اور دولت مند لوگ آیا کرتے تھے اور کسی کے لئے محض یہ اشارہ ہی کافی تھا کہ گیتا نجلی اس کی طرف متوجہ ہے وہ ایسی ہی تھی جس کے لئے کوئی بھی نوجوان اپنے دل و جان کا نذرانہ پیش کرنا باعث فخر جانتا۔

''بہت بُرا ہوا...... بہت بُرا ہوا......''

اس نے دل ہی دل میں کہا اور مایوس ہو کر گردن جھکائی۔

''میں جانتا ہوں شیر عالم تمہارے دل و دماغ میں جو جنگ جاری ہے'' بشیر نے جو اس کے ساتھ ہی بیٹھا تھا اسے گہری سوچ میں مبتلا دیکھ کر کہا۔ شیر عالم نے گزشتہ پانچ چھ روز سے زندگی کے معاملات سے قطعی لاتعلقی اختیار کر لی تھی اس کی یہ حالت کم از کم بشیر کے لئے قابل برداشت نہیں تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اس کا دوست کتنے مضبوط اعصاب کا مالک ہے لیکن جو حادثہ جانکاہ اس پر گزرا تھا وہ اس کے اپنے اعصاب پر بجلی گرا دینے کے لئے کافی تھا۔

وہ شیر عالم کے لئے اپنے دل میں ہمدردی اور محبت کے جذبات محسوس کر رہا تھا لیکن اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کرے؟

میجر صاحب نے ان دونوں کو گھر جانے کی اجازت دے دی تھی اور کچھ زادِ راہ بھی کر دیا تھا، ساتھ ہی کہہ دیا تھا کہ اگر کبھی ان کی مدد کی ضرورت ہو تو وہ بلا جھجک ان سے آ کر مل لیں۔ میجر صاحب ان کے لئے یہی کچھ کر سکتے تھے کیونکہ وہ قانونی طور پر بھی میجر صاحب کی ذمہ داری میں نہیں تھے۔ یہ تو ان کی خصوصی محبت اور وطن دوستی کے جذبات تھے جن کے تابع انہوں نے دونوں سے کہہ دیا تھا ورنہ انہیں بھی اس بات کا علم تھا کہ زندگی کی جو شطرنج انہوں نے بچھائی تھی اس کا کھلاڑی جیت کر بھی ہار جاتا ہے۔

شیر عالم کا اس دنیا میں سوائے ایک ماں اور دو بھائیوں کے اور کوئی نہیں تھا۔ اس کی ماں

شادی کے دس سال بعد ہی بیوہ ہوگئی تھی لیکن اپنی بیوگی کو اس نے کبھی مجبوری یا معذوری نہیں بنایا تھا۔ معاشرے کے جس طبقے سے اس کا تعلق تھا وہاں تو کنواریوں کی شادی ہی والدین کے لئے مصیبت بن جاتی ہیں بیواؤں کا تو معاملہ ہی کچھ اور تھا۔

اپنے خاوند کی چند ایکڑ اراضی کے سہارے اس نے اپنے تینوں بیٹوں کو اپنی استعداد کے مطابق پڑھا لکھا بھی دیا تھا۔ شیر عالم کو تو فوج میں جانے کا شوق انٹیلی جنس میں لے گیا تھا جبکہ اس کے دونوں بھائی سرکاری محکموں میں دوسرے درجے کے آفیسر تھے۔ ان دونوں کی شادیاں ہو چکی تھیں لیکن جب بھی شیر عالم کی ماں نے اسے شادی کے لئے کہا اس نے انکار کر دیا اور اسے انتظار کرنے کا کہہ دیتا۔

ماں بے چاری کب تک انتظار کرتی۔ دو بیٹوں کے سر پر سہرے سجے۔ ان کے ہاں بچوں نے جنم لیا۔ شیر عالم کی ماں نے زندگی کو خیر باد کہہ دیا۔ وہ اپنی دانست میں اس سے زیادہ شاید اور کچھ کر بھی نہیں سکتی تھی اگر اب تک زندہ تھی تو اس کا سبب شیر عالم ہی تھا جب وہ بھارت میں قید ہوا کچھ عرصہ بعد ماں نے زندگی کی قید سے رہائی حاصل کر لی۔ اپنی ماں کی موت کی خبر شیر عالم کو جیل ہی میں مل گئی تھی لیکن اس نے دل پر پتھر رکھ لیا۔

اب جو گیتا نجلی اسے ملی تھی تو اس کے لئے زندگی کے مفہوم اجاگر ہونے لگے تھے لیکن اب گیتا نجلی بھی نہیں رہی تھی۔

O

''بشیرے میں گیتا نجلی کو تلاش کروں گا......'' اس نے اچانک ہی یہ کہہ کر بشیر کو چونکا دیا۔

''میں سمجھا نہیں......تمہارا کیا مطلب ہے کیوں نہیں تلاش کریں گے لیکن ابھی تمہیں آرام کی ضرورت ہے، مل جائے گی وہ بھی اس نے کہاں جانا ہے''۔

اس نے اپنے دوست کو مطمئن کرنا چاہا حالانکہ اس کی بات کا مطلب بشیر اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ شیر عالم کیا کہہ رہا ہے۔

''بشیرے! گیتا نجلی واپس چلی گئی ہے......شاید مجھے دوبارہ بھارت جانا پڑے، میں تمہاری دوستی کے لئے تمہارا شکر گزار ہوں لیکن یہ ہرگز نہیں چاہوں گا کہ تم بھی میرے ساتھ اس جہنم میں دوبارہ چھلانگ لگاؤ'' شیر عالم نے ٹھہرے ہوئے پُرسکون لہجے میں کہا۔

''عالمے! جب بھی ایسا موقع آیا تو مجھے پیچھے نہیں پاؤ گے......فی الوقت تم اس مسئلے پر

ذہن کو نہ الجھاؤ اور خود کو پریشان نہ کرو......میرے خیال سے ہمیں گیتا نجلی کی تلاش کا آغاز یہاں سے کرنا چاہئے۔ ابھی ہم نے کیا ہی کیا ہے کہ مایوس ہو کر بیٹھ رہیں۔ پہلے ہم خود کوشش کرتے ہیں میرا دل کہتا ہے وہ تمہیں ضرور ملے گی''۔ بشیر نے اسے تسلی دینا چاہی۔

''بشیرے یار وہ عام لڑکی نہیں تھی۔ اس میں ضرور کوئی خاص بات تھی جو مجھ جیسے پاپی کا دل بھی اس کی طرف کھنچا چلا گیا۔ میں نے تو زندگی میں کبھی اس مسئلے کو اہمیت ہی نہیں دی۔ بشیرے یار ساری زندگی یہ پچھتاوا میری جان کو لگا رہے گا کہ ایک مسلمان ہو کر میں اس کی مدد نہ کر سکا۔ بڑا ظالمانہ سلوک ہوا ہے اس کے ساتھ۔ اس نے یقیناً سرحد عبور کر لی ہوگی۔'' اسے پاکستانی راستوں کا علم بھی نہیں۔ اس کے پاس تھا ہی کیا ایک گرم چادر اور تن کے کپڑے''۔

شیر عالم خاصا اداس دکھائی دے رہا تھا۔

''عالمے! یہ دنیا نیکی سے کبھی خالی نہیں رہی۔ مجھے اس بات کا افسوس ہے کہ برکت نے ہمارے ساتھ بہت بُرا سلوک کیا۔ لیکن میرا دل کہتا ہے کہ گیتا نجلی محفوظ ہاتھوں میں ہے یہ بھی ممکن ہے کہ قدرت نے اسے برکت جیسے درندے کے چنگل سے بچانے کے لئے بھاگنے میں مدد دی ہو۔ یہ بھی تو ممکن ہے کہ اسے تمہارے جیسا کوئی ہمدرد مل گیا ہو اور اس نے گیتا نجلی کو پناہ دے دی ہو''۔ حالانکہ تم خود کہہ چکے ہو کہ اسے کسی جگہ، مقام کا نام یاد نہیں تو رابطہ کیا وہ دیواروں سے کرتی، پھر یہ بھی تو ممکن ہے کہ مقامی دیہاتوں میں سے اسے کوئی ہمدرد میسر آ گیا ہو اور اس نے خاموشی ہی بہتر جانی ہو۔ ابھی گیتا نجلی کو اس بات کا علم تو نہیں ہوا کہ انسپکٹر برکت گرفتار ہو چکا ہے اور اسے اپنے ایک ایک ظلم کا حساب دینا پڑے گا۔ اس بات کا علم یقیناً اسے پناہ دینے والے کو بھی نہیں ہوگا۔ دیہاتوں میں یوں بھی کوئی بات ڈھکی چھپی نہیں رہتی۔ اسے پناہ دینے والے کو یہ خوف بھی لگا ہوگا کہ اگر اس کے گاؤں کے کسی جرائم پیشہ شخص کی نظر گیتا نجلی پر پڑ گئی یا کسی بھی طرف انسپکٹر برکت کو اس کی اطلاع ہو گئی تو گیتا نجلی کے ساتھ ساتھ وہ بھی مصیبت میں پڑ جائے گا''۔

بشیر نے چاہا کہ اس طرح دلائل دے کر اپنے دوست کو فی الحال تو مطمئن کرے وہ نہیں چاہتا تھا کہ شیر عالم جذباتی ہو کر سرحد عبور کر جائے کیونکہ وہاں لوگ جانے کب سے اس کے منتظر بیٹھے ہوں گے اور اب بھارت میں ان کی گرفتاری کا مطلب سوائے موت کے اور کچھ نہیں تھا۔

جان بوجھ کر وہ اپنے دوست کو موت کے پیچھے منہ میں کیوں دھکیلتے۔

"بشیر یار میرا ذہن تو آؤٹ ہو چکا ہے۔ مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آ رہی کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے بس تم یہ جان لو کہ جب تک گیتا نجلی کی خیریت کی اطلاع نہیں مل جاتی، میں چین سے نہیں بیٹھ سکوں گا"۔ اس نے کہا۔

دونوں کچھ دیر آپس میں باتیں کرتے رہے جس کے بعد بشیر نے اس کے سامنے ایک لائحہ عمل رکھ دیا۔ اس کے مطابق دونوں کے نزدیک دور کے دیہاتوں میں موجود اپنے پیشے سے متعلق اپنے دوستوں کے ذریعے گیتا نجلی کی تلاش کا پروگرام بنایا تھا۔ "کچھ دن آرام کرلو پھر ہم اس مشن پر نکلیں گے"۔ بشیر نے آخر میں کہا۔

"بھائی بشیر مجھ سے صبر نہیں ہوگا۔ تم جانتے ہو مجھ سے صبر نہیں ہوگا"۔ عالم شیر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"ٹھیک ہے پرسوں چلیں گے۔ بھیکووال میں بھٹی کے ڈیرے پر جائیں گے وہ اس علاقے کا سب سے بڑا اسمگلر ہے اور ہمارا اچھے بُرے وقت کا ساتھی، مجھے امید ہے وہ ہماری ہر ممکن مدد کرے گا"۔ بشیر نے بالآخر ہتھیار ڈال دیئے۔

شیر عالم کے لئے اس کے گھر میں ایک دن مزید ٹھہرنا بھی عذاب بنتا جا رہا تھا۔ وہ اگلے ہی لمحے کچھ کر گزرنا چاہتا تھا۔ اسے گیتا نجلی کو بہرصورت حاصل کرنا تھا خواہ اس میں جان کا زیاں بھی ہو جاتا۔

O

چھٹا باب

تیسرے روز جب وہ صبح جانے کی تیاری کر رہے تھے تو بشیر کے گھر کے دروازے پر جیپ آ کر رکی جس سے میجر درانی برآمد ہوئے، انہوں نے سول کپڑے پہن رکھے تھے ان کے ساتھ اگلی سیٹ پر ایک اور نوجوان لمبا تڑنگا آرمی آفیسر بیٹھا تھا۔ شیر عالم نے بڑے غور سے اس کی طرف دیکھا۔ "چہرہ جانا پہچانا دکھائی دے رہا تھا"۔ اس نے بشیر کے کان میں سرگوشی کی اور دوسرے ہی لمحے اسے میجر کیانی یاد آ گیا میجر درانی ان کی طرف آ رہے دونوں سے باری باری انہوں نے گرم جوشی سے معانقہ کیا اور میجر کیانی سے ان کا تعارف کروایا۔

"ہم ایک دوسرے کے لئے اجنبی نہیں ہیں!"۔ شیر عالم نے جواب دیا۔

"بھئی کیانی کی بہت خواہش تھی تمہارے ساتھ ملاقات کرنے کی۔ دراصل سرحد پار سے تمہارے لئے کچھ پیغام تھا یہ چونکہ ان لوگوں کا میدان ہے اس لئے میں نے کہا بھائی تم خود ہی مل لو۔ میں سفارش کر دوں گا"۔ میجر درانی نے فوجیوں کے انداز سے بات کرتے ہوئے کہا۔

"سر! ہم اس سے پہلے اکٹھے کام کر چکے ہیں"۔ شیر عالم نے دوبارہ کہا۔

"ٹھیک ہے یار پھر تو خوب نبھے گی تمہاری......"

میجر کیانی کا قہقہہ بلند ہوا۔

بشیر نے انہیں بیٹھک میں بٹھا کر چائے منگوائی تھی اور میجر درانی اسے بتا رہا تھا کہ ان لوگوں نے گیتا نجلی کی تلاش ختم نہیں کی۔ "اب تو ہمارے ہاتھ اس کی تصویریں بھی لگ گئی ہیں اور آسانی پیدا ہو گئی ہے"۔ یہ کہتے ہوئے اچانک میجر کیانی نے ناصر کے ہاتھ آنے والی ان کی تصویریں نکال کر ان کے سامنے رکھ دیں۔

''یہ کہاں سے آگئیں جناب؟ بشیر نے حیرانگی سے پوچھا۔

''یار یہی تو بتانے آئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ تمہارے ساتھ رشتہ داری گانٹھنے پر تل گئے ہیں''۔ میجر کیانی نے قہقہہ لگایا۔

''شیر عالم یہ تصویریں'' ''را'' نے اپنے پاکستان ایجنٹوں کو روانہ کی ہیں اس ہدایت کے ساتھ کہ جس طرح ممکن ہو تم تینوں کو زندہ یا مردہ بھارت واپس پہنچایا جائے۔ اس سلسلے میں ہم تمہارے پاس آئے ہیں''۔ میجر کیانی نے کہا۔

''تا کہ تمہیں زندہ واپس پہنچا دیں۔''

میجر درانی کو تو قہقہہ لگانے کے لئے فقرہ چاہئے تھا۔

''ٹھیک ہے سر! یوں بھی اب زندگی بے معنی ہو کر رہ گئی ہے''۔ شیر عالم کا اس لہجے میں بات کرنا کیانی کے لئے اچھنبے کی بات تھی۔ وہ گزشتہ تین چار سال سے اس کے ساتھ کام کر رہے تھے اور جانتے تھے کہ موت کے منہ میں بھی شیر عالم قہقہے لگایا کرتا تھا۔

''معلوم ہوتا ہے تم نے گیتا نجلی کی گمشدگی کو کچھ زیادہ محسوس کیا ہے''۔ میجر کیانی نے تشویش ظاہر کی۔

''پاگل ہے جناب اس کا ذرا دماغ گھوم گیا ہے۔ میں کہہ رہا ہوں مل جائے گی اور اسے یقین ہی نہیں آتا۔ بے صبرا کہیں گا''۔ بشیر نے بڑے دکھی لہجے میں کہا۔

''شیر علم میری یہاں آمد کا ایک خاص مقصد ہے۔ تم جانتے ہو ہمارے پیشے کا پہلا اصول یہی ہے کہ دوست ہو یا دشمن اسے کم سے کم معلومات فراہم کی جائیں۔ ہم دوستوں کو بھی اندھیرے میں رکھتے ہیں تا کہ اگر کبھی وہ دشمن کی گرفت میں آ بھی جائیں تو دشمن کو بتانے کے لئے ان کے پاس اپنے ملک سے متعلق کم از کم صحیح معلومات نہ ہوں لیکن جہاں تک تمہارا تعلق ہے تم جانتے ہو میں تمہیں اندھیرے میں نہیں رکھوں گا؟ میں تم سے ہر بات صاف صاف کہہ دوں گا۔ میجر کیانی نے چائے کا گھونٹ حلق میں انڈھیلتے ہوئے کہا۔''

''حیرت اور کسی حد تک پریشانی کی بات یہ ہے کہ تمہارے متعلق اس نوعیت کے احکامات ''را'' نے اس سے پہلے کبھی جاری نہیں کئے۔ ہمارے بہت سے ساتھی بھارتی جیلوں سے فرار ہو کر پاکستان پہنچے ہیں لیکن کی تلاش میں ''را'' نے کبھی کوئی ٹیم روانہ نہیں کی جبکہ تمہارے معاملے میں ایک

نئی روایت قائم کی جا رہی ہے۔ اس سے زیادہ حیران کن بات یہ ہے کہ ''را'' کا ڈپٹی ڈائریکٹر رگھوناتھ سہائے عرف گپتا براہ راست بھی کیس میں دلچسپی لے رہا ہے اور یہ احکامات اس کے حکم پر ہی جاری کئے گئے ہیں۔ میں نے اس سلسلے میں بہت مغز ماری کی کہ آخر گپتا اس معاملے میں اتنی زیادہ دلچسپی کیوں لے رہا ہے۔ کڑیاں ملا کر بالآخر میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ سوامی مہاراج کوئی غیر معمولی شے ہے۔ اتنی اہم شخصیت جس کی معمولی ناراضگی بھی ''را'' برداشت نہیں کر سکتی۔ سوامی مہاراج کے غیر ممالک میں بھی آشرم موجود ہیں۔ ہمارے پاس یہ رپورٹس موجود ہیں کہ پاکستان کے خلاف ''را'' نے غیر ممالک خصوصاً یورپ، امریکہ اور کینیڈا میں جو جال بچھا رکھا ہے اور پاکستان کے خلاف بین الاقوامی سازشوں کے جو جال بنے جا رہے ہیں ان تمام کھیلوں میں یہ سوامی اور ان کے آشرم اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ خصوصاً پاکستان ایک اعلیٰ شخصیات جو وطن دشمن ہیں ان کے ساتھ رابطوں اور میٹنگز کے لئے انہی آشرموں کا سہارا لیا جاتا ہے۔ یہ بات تو طے شدہ ہے کہ یہ سوامی مہاراج ''را'' کا بہت بڑا آدمی ہے اس کی آڑ میں ہی بین الاقوامی شطرنج کے مہرے بچھائے اور پھر کھیلے جاتے ہیں۔ میرے خیال سے فی الوقت تم دونوں کا منظر سے غائب ہو جانا بہت ضروری ہے۔ ایک تو چاہتے ہیں کہ ''را'' کو یہاں تمہاری تلاش میں الجھائے رکھیں تا کہ ان کے زیادہ سے زیادہ نیٹس (Nets) ہماری نظروں میں آ سکیں۔ دوسری طرف تمہاری عظیم خدمات کے پیش نظر ہماری یہ بھی خواہش ہے کہ ہم تمہیں امریکہ کے ایک شہر میں حال ہی میں قائم ہونے والے سوامی مہاراج کے ایک آشرم تک پہنچا دیں۔ آج کل اس شیطان کی آمد و رفت کی اطلاعات وہاں سے ملتی رہتی ہیں۔ تمہیں سوامی کے نزدیک رہنے کا موقعہ ملا ہے۔ یقیناً کچھ شناسا چہرے تمہاری نظر میں ہوں گے۔ ممکن ہے تم ان میں سے کسی کو پہچان لو اور اپنے ان غداروں کی ریشہ دوانیوں سے بھی باخبر ہو سکو جو اپنے مادر وطن کا سودا دشمن سے کرتے ہیں۔ ہمیں یہ تفصیلات درکار ہیں۔ جہاں تک گیتا نجلی کا تعلق ہے ایک بات میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ اس نے سرحد پار نہیں کی۔ یا تو وہ خوفزدہ ہو کر کہیں روپوش ہو گئی ہے یا پھر ہمدرد ہاتھوں میں پہنچ گئی ہے۔ جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے تو ہم ہی نہیں ''را'' بھی اس کی تلاش میں ہے اور کوئی نہ کوئی اس تک پہنچ جائے گا۔ اگر دوسری بات سچ ہے تو اس سے ہمدردی رکھنے والا کوئی شخص اس کی ساری کہانی سننے کے بعد اس کی گرفتاری کا خطرہ مول نہیں لے گا۔ ہاں یہ ضرور ممکن ہے کہ اپنے طور پر وہ تمہاری تلاش شروع کر چکا ہو۔ گیتا نجلی ہرگز ہرگز نہیں

چاہے گی کہ میڈیا کے ذریعے تم تک پہنچے یا تمہیں اپنے ٹھکانے سے آگاہ کرے کیوں کہ وہ ہم سب سے زیادہ سوامی کے متعلق جانتی ہے اور اسے یہ دھڑکا ہمیشہ لگا رہے گا کہ اشتہار اگر سوامی کے کسی آدمی کی نظر سے گزرا تو وہ اسے کبھی نہیں چھوڑیں گے۔ دوسری طرف اسے یہ بھی خوف لگا ہوگا کہ انسپکٹر برکت ہی کہیں تم سے پہلے اس تک نہ پہنچ جائے کیونکہ اس بات کا علم تو اسے نہیں کہ انسپکٹر برکت اپنے انجام کو پہنچ چکا ہے۔'' میجر کیانی کی بات کا خاتمہ ایک طویل خاموشی کا نقطہ آغاز تھا۔

اس کی بات سن کر وہاں موجود ہر شخص گہری سوچ میں مبتلا دکھائی دے رہا تھا۔ میجر کیانی کی بات ان سب کے دل کو لگ رہی تھی۔ اس نے جو کچھ کہا تھا وہ برحق تھا۔ اس کی گفتگو کی سچائی سے انکار ممکن نہیں تھا۔ انٹیلی جنس کے طریق کار کے برعکس اس نے واقعی کوئی لگی لپٹی رکھے بغیر ساری بات ان سے کر دی تھی۔

اس نے دونوں پر اندھے اعتماد کا مظاہرہ کیا تھا۔ انٹیلی جنس کی زبان میں Blind Game کھیلی تھی لیکن اس بھرپور اعتماد کے ساتھ کہ اس کا چلایا ہوا تیر نشانے پر لگے گا۔ اس کے مخاطب بظاہر تو عام سے پاکستانی تھے لیکن اصل میں وہ کیا تھے؟ کیا کر سکتے تھے؟ کیا کچھ کر گزرنے کی طاقت رکھتے تھے؟

اسے ان سب باتوں کا بخوبی علم تھا۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ ان کا ماضی کیا ہے۔ اس نے گزشتہ دو دن اور دو راتیں ان کے ماضی سے متعلق معلومات حاصل کرنے میں گزارے تھے۔ ان سب لوگوں سے فرداً فرداً ملاقات کی تھی جن کے ساتھ کبھی ان دونوں نے کام کیا تھا۔

میجر کیانی کو اس بات کا بخوبی علم اور احساس تھا کہ ان لوگوں نے جرنیلوں سے کم کارنامے انجام نہیں دیئے تھے۔ ماضی میں پاکستانی انٹیلی جنس کے احکامات کی تعمیل میں انہوں نے بھارتی افواج سے متعلق بہت اہم اور حساس نوعیت کی فائلیں جان پر کھیل کر فراہم کی تھیں۔ وہ ان کے ٹیلنٹ کو ضائع کرنے کی بجائے اس کا مثبت استعمال چاہتا تھا۔ میجر کیانی ایک محبِ وطن آفیسر تھا اپنے ملک و قوم کی بھلائی اس کا مطمع نظر تھا اور اس کے لئے وہ کچھ بھی کر سکتا تھا۔ وہ چاہتا تو بڑی آسانی سے دوسرے افسروں کی طرح خود امریکہ جا کر عیاشی کرتا اور فائلوں کا پیٹ بھر کر واپس آ جاتا۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ اس نے صحیح لوگوں کا صحیح کام کے لئے انتخاب کیا تھا۔

میجر درانی سے طویل گفتگو کے بعد اس کا یقین اس بات پر مزید مستحکم ہو گیا تھا کہ یہ دونوں

کوئی غیر معمولی کام کر گزرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور پاکستانی غداروں کے غیر ملکی روابط کو ننگا کر کے دکھائیں گے۔ اس طویل خاموشی کو بالآخر میجر درانی نے توڑا۔

''شیر عالم تم دونوں میرے ساتھی ہو۔ ہم نے بہت عرصے اکٹھے کام کیا ہے۔ میں ایمانداری سے سمجھتا ہوں کہ موجودہ حالات میں تمہارے لئے اس سے شاندار پیشکش اور کوئی نہیں ہو گی۔ اس میں ملک و قوم کا بھی فائدہ ہے۔ امریکہ قانونی حیثیت سے جاؤ گے۔ ایک دوست کی حیثیت سے میں تمہارے لئے بہترین فیصلہ یہی کر سکتا تھا۔ جہاں تک گیتا نجلی کا تعلق ہے اس کی تلاش میں حکمت اور ہوشیاری زیادہ ضروری ہے اس بات کو کبھی نہ بھولنا کہ ''را'' اس کے تعاقب میں ہے اور ہم میں سے کسی کی معمولی سی لغزش اسے کتنا نقصان پہنچا سکے گی۔ اس کا تم تصور بھی نہیں کر سکو گے۔ ''را'' کو اطلاع پہنچ جائے گی کہ تمہارے گھروں تک رسائی ہونے کے بعد یہ علم ہوا ہے کہ تم دونوں پُراسرار طور پر روپوش ہو چکے ہو یا تمہیں پاکستانی انٹیلی جنس نے غائب کر دیا ہے......اور گیتا نجلی بھی تمہارے ساتھ غائب ہے۔ بصورت دیگر اگر تم دونوں نے مل کر اسے ڈھونڈنا شروع کر دیا تو تمہارے ساتھ ''را'' کے مقامی ایجنٹ سائے کی طرح چپک جائیں گے اور تمہارے تعاقب میں چلنا ان کا کام مزید آسان کر دے گا۔ ایسی حالت میں گیتا نجلی کے لئے خطرات بڑھ جائیں گے۔ ہم اسے تمہاری امانت سمجھ کر اس کی حفاظت کریں گے اور میرا وعدہ رہا کہ تم سے کوئی بات نہیں چھپائی جائے گی۔ تم اپنا کام مکمل کر کے واپس آ جاؤ یا وہیں رہنا چاہو ہم گیتا نجلی کو تمہارے پاس ضرور پہنچا دیں گے۔ میرے خیال سے تمہیں حالات نے اتنا تجربہ کار تو ضرور کر دیا ہوگا کہ تم سچ اور جھوٹ کا فرق جان سکو۔'' انہوں نے اپنی بات مکمل کر کے شیر عالم کے چہرے پر نظریں گاڑ دیں۔

بشیر کے لئے تو بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا لیکن وہ دیکھ رہا تھا کہ شیر عالم کے چہرے پر تذبذب کے آثار نمایاں ہیں جبکہ اس کے ایک جانثار دوست کی حیثیت سے بشیر جانتا تھا کہ ان دونوں کی بقا ہی اس میں ہے اور یہ راستہ انہیں کسی محفوظ منزل کی طرف لے جائے گا۔

اس سے پہلے شیر عالم اپنے منہ سے کوئی ایسی بات نکالے جو ان کے لئے پیشکش لانے والے ان فرشتہ نما انسانوں کو کچھ اور سوچنے پر مجبور کرے اس نے خود ہی جواب دینا احسن خیال کیا۔

''سر! اگر آپ پسند فرمائیں تو ہمیں صرف ایک رات اس پیشکش پر غور کرنے کا موقعہ عنایت کر دیں۔ [illegible]ے خیال سے فوری طور پر کسی بھی اچھے یا بُرے کام کا فیصلہ جذباتی فیصلہ

کہلاتا ہے''۔

بشیر نے ایسی بات کہہ دی تھی جس کا ان دونوں کے پاس سوائے ہاں کے اور کوئی جواب نہیں تھا۔ واقعی اگر وہ دونوں فوراً ہاں کر دیتے تو بھی اس بات کا شک رہتا کہ انہوں نے یہ فیصلہ کسی دباؤ کے تحت تو نہیں کیا۔

میجر درانی جانتا تھا بشیر اتنا زیادہ تعلیم یافتہ تو نہیں ہے لیکن بلا کا ذہین تھا اور آج تک اس نے اپنے کسی فیصلے پر ناکامی کا منہ بھی نہیں دیکھا تھا۔

''ہاں یہی مناسب ہوگا...... کیوں درانی'' میجر کیانی نے سر ہلاتے ہوئے اپنے ساتھی کی رائے طلب کی۔

''آف کورس...... میرے خیال سے ہمارے دوستوں کو سوچنے کا موقعہ ملنا چاہئے۔ درانی نے اس ہاں میں ہاں ملائی۔ دونوں اگلے روز دوبارہ ملاقات کا وعدہ کر کے واپس لوٹ گئے۔

شیر عالم واقعی خود کو اس پوزیشن میں نہیں سمجھتا تھا کہ فوراً اس بات کا ہاں یا ناں میں جواب دے سکے۔ اس کے لئے خاموشی ہی بہترین جواب تھی۔

میجر کیانی نے اسے جو کچھ بتایا تھا اس کے بعد سے اس کا سوچنے کا انداز ہی بدل گیا تھا۔ وہ جان گیا تھا کہ یہ دونوں میجر عام قسم کے انٹیلی جنس آفیسر نہیں جن کا کام اپنے ایجنٹوں کو استعمال کر کے اپنا اُلو سیدھا کرنا ہوتا ہے بلکہ دونوں ان کے ساتھ بڑی ہمدردی اور اپنائیت کا اظہار کر رہے تھے۔

شیر عالم کو بطور خاص میجر درانی کے متعلق ایمان کی حد تک اس بات کا یقین تھا کہ وہ انہیں کبھی دھوکہ نہیں دے سکتا نہ ہی کبھی زندگی میں ان کی بھلائی سے صرف نظر کرے گا۔ اس کی دلی خواہش تھی کہ اس کے دوستوں کو دوبارہ بھارت نہ جانا پڑے اور ان کی ماضی کی عظیم خدمات کا بھی مناسب اور باعزت معاوضہ انہیں موصول ہو جس کی یہ بہترین صورت تھی۔

شیر عالم کو میجر کیانی سے جو معلومات حاصل ہوئی تھیں اس کے بعد اس بات کا تو اسے علم ہو گیا تھا کہ انہوں نے جذباتی پن کا مظاہرہ کیا اور خود ہی گیتا انجلی کو تلاش کرنے نکل کھڑے ہوئے تو یہ گیتا انجلی کی زندگی داؤ پر لگانے والی بات ہوگی۔ جہاں تک اس کے سرحد عبور کر جانے کی بات تھی تو اسے اب احساس ہونے لگا تھا کہ اس کا اندازہ غلط تھا واقعی وہ یہیں موجود ہے۔ بصورت دیگر ''را'' اپنے مطلوب ملزموں میں اس کے نام کا اضافہ کبھی نہ کرتی۔

دونوں دوست صبح صبح تیار تو اس لئے ہوئے تھے کہ آج بھیکو ول میں بھٹی کے پاس جائیں گے لیکن اب انہوں نے اپنا ارادہ بدل لیا تھا۔ دونوں دوبارہ بیٹھک میں آ کر خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر کچھ سوچنے لگے تھے۔

''کیا خیال ہے تمہارا؟'' بالآخر شیر عالم ایک نتیجے پر پہنچنے کے بعد بشیر سے مخاطب ہوا۔

''عالمے! میں تیرا یار ہوں تیرا فیصلہ غلط ہو یا صحیح...... یار کو ہمیشہ یاری سے غرض ہوتی ہے''۔ اگر تم مجھے کہو گے کہ جہنم میں چھلانگ لگانی ہے تو مجھے پیچھے نہیں پاؤ گے۔ تم جانتے ہو میں بھاگنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ یہ تو تھی پہلی بات...... اب میں ایمانداری سے اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ تم سے کسی معاملے میں منافقت نہ کروں۔ جہاں تک میری ذاتی رائے کا تعلق ہے تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ قدرت کو ہماری حالت پر رحم آ گیا ہے اور اس نے ہمیں اپنی بہترین مہربانیوں سے نوازا ہے۔ تم جانتے ہو ہمارے اس کاروبار میں کئی لوگ آئے اور چلے گئے لیکن میجر صاحب جیسا مہربان اور نیک انسان کسی کو میسر نہیں آیا ہوگا۔ انہوں نے ہمارے متعلق جو بھی فیصلہ کیا ہے بالکل صحیح ہے۔ میرے خیال سے یوں بھی اگر ملک وقوم کے لئے ہمیں کچھ عرصہ مزید اپنے وطن سے دور رہنا پڑے تو ہمارے لئے یہ کوئی عجیب بات نہیں ہوگی۔ امریکہ بھارت سے زیادہ بُری جگہ تو نہیں ہے...... ممکن ہے اس درمیان یہ لوگ آسانی سے گیتا انجلی کو تلاش کریں...... ممکن ہے قدرت نے وہاں ہم سے کوئی کام لینا ہو۔ اس میں ہماری بھلائی ہو۔ اس لئے میری طرف سے تو ہاں سمجھو لیکن یہ مشروط ہاں ہے۔ اگر تم نہیں چاہتے تو میں بھی نہیں چاہتا۔'' بشیر نے سنجیدگی اور ایمانداری سے اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

شیر عالم نے ایک لمحے کے لئے اس کی طرف دیکھا پھر بے اختیار اسے گلے لگا لیا۔

''بشیرے! مجھے تمہاری دوستی پر فخر ہے۔ میں خود کو کم از کم اس معاملے میں دنیا کا خوش قسمت ترین انسان سمجھتا ہوں۔ مجھے تمہارا فیصلہ دل وجان سے قبول ہے اور تم انشاءاللہ ہر قدم پر مجھے اپنے ساتھ پاؤ گے۔ بشیرے ہمارا جینا مرنا بھی اپنے ملک کے لئے ہے۔ اگر ہم سوامی مہاراج کے بچھائے جال کی کوئی گرہ کھولنے میں کامیاب ہو گئے تو یہ ہماری بہت بڑی کامیابی ہوگی''۔

''خدا کا شکر ہے عالمے کہ تم نے جذبات کے بجائے عقل سے فیصلہ کیا ہے۔ ان حالات میں اگر خدا کی ذات انسان کی راہنمائی نہ کرے تو وہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔ اس کی عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ میرا دل کہتا ہے گیتا انجلی بھی ضرور مل جائے گی''...... بشیر نے کہا۔

بشیرے! بخدا میں اپنے کسی جسمانی یا جذباتی تقاضے کے پیش نظر گیتا نجلی کی تلاش پر مُصر نہیں ہوں...... میری حیثیت ہی کیا ہے۔ ایسی عظیم لڑکیوں کو قدرت نے کسی بڑے انعام کے لئے مختص کیا ہوتا ہے۔ میری تو صرف ایک خواہش ہے وہ جیسے بھی ممکن ہو اس کا اعتماد بحال کر سکوں۔ اسے بتا سکوں کہ اس ملک میں انسپکٹر برکت جیسے لوگ آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں۔ کاش اسے یہی علم ہو جائے کہ انسپکٹر برکت اپنے انجام کو پہنچ چکا ہے۔ کاش وہ محفوظ ہاتھوں میں پُر امن زندگی گزار رہی ہو...... کاش......"

اس کے لہجے میں ایک جہاں کی یاسیت سمٹ آئی تھی۔ دونوں دیر گئے تک ایک دوسرے سے باتیں کرتے رہے۔ ان کے اس فیصلے کا میجر کیانی اور درانی نے خیر مقدم کرتے ہوئے اسے ملک وقوم کے لئے نیک شگون قرار دیا تھا۔

O

عذرا کے لئے خان فیملی کے پاس وہ سب کچھ تھا جس کی اسے تلاش تھی۔ محبت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر...... اعتماد اور سب سے بڑھ کر یہ احساس کہ اسے اپنا لیا گیا ہے۔ انور خان اس شہر کا مانا ہوا بیرسٹر تھا کوئی عام نوجوان وکیل نہیں تھا۔ اس کی زندگی کا ایک ایک منٹ قیمتی تھا لیکن عذرا کے لئے اس کے پاس بہت وقت تھا۔ قریباً ہر دوسرے روز وہ اسے اپنے ساتھ کسی نہ کسی بہانے گھر سے باہر لے جاتا۔ وہ جانتا تھا کہ گیتا نجلی کے اندر ایک بے نام سا خوف در آیا ہے۔ مسز خان نے اسے بتایا تھا کہ اکثر وہ رات کو سوتے میں بڑبڑا کر اٹھ جاتی ہے اور خوفزدہ ہو کر بیٹھی رہتی ہے۔

وہ خود ماہر نفسیات تھیں اور جانتی تھیں کہ عذرا کا علاج کیا ہے؟ انہوں نے وہی کیا۔ سب سے پہلے اس کا کھویا ہوا اعتماد واپس لوٹانے کی ضرورت تھی۔ مسز خان نے ہندی کی کچھ جماعتیں قیام پاکستان سے پہلے اپنی نوعمری میں پڑھ رکھی تھیں۔ یہی پڑھائی ان کے کام آئی۔

انہوں نے عذرا کو گھر پر اردو اور قرآن پاک پڑھانا شروع کر دیا تھا۔ عذرا مسز خان کی توقعات سے کئی گنا زیادہ ذہین تھی۔ پندرہ بیس روز بعد وہ خود سے سب کچھ پڑھنے لگی تھی اور اس نے مسز خان کی مدد کے بغیر لکھنا شروع کر دیا تھا۔

مسز خان کی پوزیشن بڑی عجیب و غریب تھی۔ انہوں نے واضح طور پر محسوس کر لیا تھا کہ ان کا بیٹا عذرا میں دلچسپی لے رہا ہے۔ یہ تو اس کی خاندانی شرافت تھی کہ اس نے عذرا کے جذبات کا احساس کرتے ہوئے کبھی اس پر اپنے دلی جذبات منکشف نہیں ہونے دیے تھے۔

وہ جانتا تھا کہ شیر عالم جو کوئی بھی تھا عذرا کے دل سے بہت نزدیک تھا جس نے اپنی جان پر کھیل کر اسے کفر سے نجات دلائی تھی۔ انور خان کو احساس تھا کہ عذرا اسے اتنی جلدی نہیں بھلا سکے گی۔ اس کی دلی خواہش تھی کہ وہ عذرا کے لئے شیر عالم کو ڈھونڈ نکالے لیکن اپنی تلاش کا سفر وہ کہاں سے شروع کرے؟

یہی تھا وہ سوال جس نے اسے پریشان کر رکھا تھا۔ عذرا اتنی خوفزدہ تھی کہ وہ اخبار یا ریڈیو، ٹی وی کے ذریعے کسی بھی تلاش کے لئے تیار نہیں تھی۔ انور خان یا اس کے خاندان کے لوگ اس کی مرضی کے بغیر اس کی مدد بھی نہیں کر سکتے تھے کیونکہ صورتحال کی سنگینی کا ادراک ان سے زیادہ بہرحال عذرا کو تھا۔

یوں بھی اس شہر کے حالات بڑے الارمنگ رہتے تھے۔ آئے روز اخبارات میں یہ خبریں شائع ہوتی رہتی تھیں کہ بھارتی انٹیلی جنس کے تربیت یافتہ تخریب کار شہر میں سرگرم عمل ہیں۔ اگر یہ خبریں شائع نہ بھی ہوتیں تو بھی کوئی عقل کا اندھا بھی دیکھ سکتا تھا کہ بھارتی مداخلت کے شاہکار ہر جگہ بکھرے پڑے ہیں۔

فی الوقت انور خان کے لئے عذرا کے اس خوف کو ہضم کرنا مشکل تھا کہ سوامی مہاراج انتقاماً اس ملک میں بھی اس کے خلاف کچھ کر سکے گا لیکن اس انسپکٹر سے متعلق وہ کچھ بھی گمان کر سکتے تھے جو شخص شیر عالم اور اس کے ساتھی کو جن کی اصلیت کا اسے علم بھی تھا۔ ان کی طرف سے شناخت کروائے جانے کے باوجود ان کے خلاف ایسے گھٹیا جرم کا ارتکاب کر سکتا تھا۔ اس سے کسی خیر کی توقع عبث تھی۔

عین ممکن تھا کہ اپنے جرائم پر پردہ ڈالنے کے لئے ہی وہ کچھ کر گزرتا۔ اس بات کا تو انہیں بھی علم نہیں تھا کہ وہ اپنے انجام کو پہنچ چکا ہے لیکن یہ کوئی ایسا جواز نہیں تھا جسے بنیاد بنا کر وہ خاموش بیٹھے رہتے۔

انور خان آج بھی معمول کے مطابق عذرا کے ساتھ شاپنگ کرنے جا رہا تھا۔ عذرا کو ان کے ساتھ رہتے ہوئے قریباً تین ماہ گزر چکے تھے۔ اس اثناء میں اس کا اعتماد بھی کافی حد تک بحال ہو چکا تھا اور اب اس نے ماحول اور ارد گرد کی چیزوں میں دلچسپی لینا بھی شروع کر دی تھی۔

انور خان آج پہلی مرتبہ اسے کلفٹن ایریا میں سمندر کنارے سیر کے لئے لایا تھا عذرا نے کچھ دنوں سے ساڑھیوں کا استعمال بند کر دیا تھا اور اب وہ صرف شلوار قمیض پہنتی تھی۔ یہ لباس اس پر خوب جچتا تھا۔

آج اس نے نیلے رنگ کی شلوار قمیض کے ساتھ اسی رنگ کا دوپٹہ اوڑھ رکھا تھا۔ سمندر کنارے چلنے والی ہوا سے اس کے لمبے بال اڑتے اور بے قابو ہو کر اسی کے چہرے اور گردن سے لپٹ جاتے تھے۔ اپنا دوپٹہ سنبھالنا عذرا کے لئے مسئلہ بنا ہوا تھا۔ وہ ایک ہاتھ سے چہرے پر آئی بالوں کی لٹ کو پرے ہٹاتی پھر اسی ہاتھ سے اپنے دامن پر گرا دوپٹہ سنبھالنے لگتی۔ نیلے پانیوں پر سوج کی ڈوبتی کرنیں دور تک پھسلتی چلی جا رہی تھیں۔ حد نظر تک سمندر کا کنارہ ناپید تھا۔

انور خان کی طرح بظاہر سطح سمندر پر سکون تھا لیکن جس طرح اس کی تہہ میں ایک طوفان برپا تھا اسی طرح انور خان کے دل میں بھی ہلچل مچی تھی۔ قدرت نے اسے عجیب امتحان میں ڈال دیا تھا۔ جب بھی اس کا جی چاہتا کہ عذرا کو اس کے تئیں اپنے دلی جذبات سے باخبر کر دے، کوئی اخلاقی قدغن اس کے آڑے آ جاتی۔ اسے بسا اوقات اپنی حالت پر ترس آنے لگتا۔ اس کا جی چاہتا کہ جتنی جلدی ممکن ہو شیر عالم سے عذرا کی ملاقات ہو جائے اور اسے سکون نصیب ہو۔

زندگی نے اسے عجیب دوراہے پر لا کھڑا کیا تھا جہاں سے کوئی ایک راستہ اختیار کرنا بھی اس کے لئے ممکن نہیں رہا تھا۔

دونوں سمندر کے کنارے دور تک چلتے چلے گئے۔ دونوں نے ریت پر چلنے سے پہلے جوتے گاڑی میں ہی چھوڑ دیئے تھے اور اب عذرا اس کے آگے آگے ریت پر اپنے پاؤں کے نشان چھوڑتی چلی جا رہی تھی۔ انور خان نے اپنی زندگی میں مور کو اس سے زیادہ مستی سے اپنے پاؤں پر جھولتے نہیں دیکھا تھا جس عالم جذب و مستی میں عذرا سمندر کے پانیوں پر چل رہی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے پانی کی بے تاب لہروں کو اس کے قدموں سے ٹکرا کر سکون میسر آ جاتا ہے۔

اس نے اپنے پاؤں میں مقامی رواج کے مطابق چاندی کے ہلکے ہلکے پازیب پہن رکھے تھے اور شلوار کے پائنچے اونچے کئے وہ دھیرے دھیرے ریت اور سمندر کی لہروں پر تیرتی چلی جا رہی تھی۔

انور خان مبہوت کھڑا اس کے قدموں میں بچھتی سمندر کی لہروں کو دیکھ رہا تھا......! ریت پر اس کے قدموں کے نشان بنتے اور پھر لہروں کی آمد کے ساتھ مٹتے چلے جاتے، اب اس کی شلوار کے پائنچے گیلے ہونے لگے تھے لیکن وہ مستی کے عالم میں لہراتی ہوئی چلتی چلی جا رہی تھی۔ اچانک ہی اس نے مڑ کر پیچھے دیکھا جہاں انور خان مبہوت سا ایک ٹک اسے دیکھے چلا جا رہا تھا۔ عذرا شرماتی ہوئی

انہی قدموں پر لوٹ آئی اور نہ چاہتی ہوئی اس کے نزدیک آ کر ٹھہر گئی۔

''معافی چاہتی ہوں...... میں شاید دور چلی گئی تھی......'' اسے اور تو کچھ نہیں سوجھا اس نے یہی کہہ دیا۔

''کمال ہے بھئی اس میں معافی کی کیا بات ہوئی......'' انور خان نے کہا۔

''میں نے اس سے پہلے سمندر صرف فلموں میں دیکھا تھا۔ دریا تو سب دیکھے تھے بس یونہی کچھ زیادہ ہی شوق چڑھ گیا تھا سمندر دیکھنے کا......''

''بہت اچھا شوق ہے لیکن سمندر کو کنارے سے ہی دیکھنا چاہئے'' انور خان نے اس کی بات کو مسکراتے ہوئے مکمل کر دیا۔

دونوں اب گاڑی کی طرف واپس آ رہے تھے وہ جانتا تھا کہ عذرا کو چٹ پٹی چیزیں اچھی لگتی ہیں اب وہ اسے گول گپے کھلانے لے جا رہا تھا۔ دونوں اپنی گاڑی میں بیٹھ رہے تھے جب ایک قیمتی کار ان کے نزدیک آ کر رکی۔ عذرا نے کار کی طرف غیر ارادی طور پر ہی نظر ڈالی تھی جب اچانک وہ سہم گئی۔ اس کا ہاتھ بے اختیار انور خان کے بازو پر گیا جس نے چونک کر عذرا کی طرف دیکھا جس کی نظریں دوسری کار پر جمی تھیں اور وہ خوفزدہ نظر آ رہی تھی۔

''کیا بات ہے......کیا ہوا''؟ انور خان نے بے چینی سے پوچھا۔

''یہ......یہ تو شرما ہے......اس کا یہاں کیا کام......یہ تو بہت خطرناک ہے۔ آپ چلیں یہاں سے چلیں......یہ مجھے اچھی طرح جانتا ہے'' اس نے یہ کہتے ہوئے سیٹ پر دھری چادر کو اس طرح اپنے سر پر ڈال لیا تھا کہ اس کا چہرہ دکھائی نہ دے سکے۔

انور خان کو کچھ کچھ سمجھ آنے لگی تھی۔ اس سے سوامی مہاراج کا اچھا خاصا غائبانہ تعارف ہو چکا تھا اور عذرا نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ وہ اسے فرار ہونے کی سزا ضرور دے گا۔

''کیا یہ شخص یہاں عذرا کی تلاش میں آیا ہے؟ ضرور یہ کوئی خطرناک آدمی ہے؟ اسے گرفتار کروانا چاہئے؟'' کئی خیالات اس کے ذہن پر بجلی کے کوندے کی طرح یکے بعد دیگرے لپکے۔

چلئے ناں......یہاں سے چلئے'' گھبرائی ہوئی عذرا نے کہا۔

''عذرا تم پاکستان میں ہو......یہ سوامی کا آشرم نہیں۔ گھبرا کیوں رہی ہو۔ ہمیں اس شخص کا پتہ لگانا چاہئے۔ اسے گرفتار کروانا چاہئے''

"دیکھئے خدا کے لئے...... آپ گھر چلیں......" عذرا نے اس کی بات سنے بغیر اس کا بازو قریباً جھنجوڑتے ہوئے کہا۔ وہ اتنی خوفزدہ تھی کہ اس کے چہرے کا رنگ بدلنے لگا تھا۔

"اچھا...... اچھا...... چلتے ہیں......"

انور خان کا ذہن بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا اچانک ہی اسے کچھ خیال آیا اور اس نے اپنی کار میں رکھے دستی فون سے اپنے ایک دوست کا ٹیلی فون نمبر تیزی سے ملا دیا۔

"میری خان صاحب سے بات کروائیے میں انور خان بول رہا ہوں"

دوسرے ہی لمحے اس کا دیرینہ دوست میجر خان لائن پر تھا۔ میجر افراسیاب خان آرمی انٹیلی جنس آفیسر تھا جس کی ٹرانسفر چند روز پہلے ہی کراچی میں ہوئی تھی اور اس نے آج ہی اپنا فون نمبر اپنی اچانک آمد کا سرپرائز دے کر لکھایا تھا۔

"خان۔ بہت ایمرجنسی ہے کار کا نمبر نوٹ کرو"

انور خان نے اپنے دوست کو کلفٹن کی اسی جگہ کی نشاندہی کرتے ہوئے بتایا جہاں وہ کھڑا تھا۔ "اس کار کے دونوں سوار مشتبہ ہیں، میں یہاں کھڑا ہوں...... ان کے نزدیک" اس نے اپنی گاڑی کا نمبر لکھوایا۔

"جیسے ہی تمہارے لوگ یہاں پہنچیں گے میں یہاں سے چلا جاؤں گا...... باقی بات پھر ہوگی" اس نے اپنے دوست کا جواب سنے بغیر فون بند کر دیا اور عذرا سے مخاطب ہوا۔

"عذرا حوصلہ کرو...... ہمیں اصولی طور پر یہاں چند منٹ ضرور ٹھہرنا ہوگا۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ میرے جیتے جی کوئی تمہارا بال بیکا نہیں کر سکتا۔ اپنے ملک کا ایک وفادار شہری ہونے کے ناطے میرا فرض ہے کہ میں کسی بھی مشتبہ غیر ملکی کو یوں چپ چاپ بچ کر نہ جانے دوں۔ تم چند منٹ کے لئے آرام سے بیٹھو۔ ابھی میرے دوست کی گاڑی آ جائے گی۔ شرما اور اس کے ساتھی یہاں نہیں ہیں...... نہ ہی انہوں نے تمہیں دیکھا ہے۔ تم کیوں گھبرا رہی ہو"

اس کی اس بات سے عذرا نے قدرے حوصلہ کیا تھا لیکن ابھی تک اس کا خوف مکمل دور نہیں ہوا تھا۔

کسی نہ کسی طرح انور خان نے آٹھ دس منٹ اس کے ساتھ وہاں گزار دیئے جب اسے دو گاڑیاں اس طرف آتی نظر آئیں۔ اگلی کار اس کا جگری دوست میجر افراسیاب چلا رہا تھا۔ اس کی

شکل پر نظر پڑتے ہی انور خان گاڑی کا دروازہ کھول کر تیزی سے باہر نکل آیا وہ برق رفتاری سے میجر افراسیاب کی طرف بڑھ رہا تھا جس نے اپنی گاڑی اس سے کچھ فاصلے پر روک دی تھی۔

"خیریت ہے یار تم نے تو میرے بھی ہاتھ پاؤں پھلا دیئے۔ کمال کے آدمی ہو تم بھی" میجر خان نے گاڑی سے باہر نکل کر اس سے گرم جوشی سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

"میں نے تمہارے ساتھ تفصیلاً بات کرنی تھی۔ باقی باتیں تو ہوتی رہیں گی۔ مختصر بات یہ ہے کہ سامنے والی سفید کار میں سے دو آدمی نکلے ہیں۔ جس آدمی نے ہلکے براؤن رنگ کا سفاری سوٹ پہن رکھا ہے وہ بھارتی باشندہ اور خطرناک ہے۔ تفصیلات تمہیں پھر بتاؤں گا فی الوقت تم اسے قابو کرو۔ باقی باتیں رات کو کھانے پر ہوں گی تب تک تمہارے پاس اس شخص سے متعلق خاصی معلومات جمع ہو چکی ہوں گی۔ اس طرح تمہیں میری بات سمجھنے میں بھی آسانی رہے گی"۔ انور خان نے اس سے کہا۔

"او۔ کے آل رائٹ۔ تم اطمینان سے گھر جاؤ۔ میں نے زندگی میں تمہیں کبھی اتنا ابنارمل نہیں دیکھا۔ احتیاط سے گاڑی چلانا کہیں راستے میں کسی سے ٹکر نہ مار لینا...... سمجھ گئے" میجر خان نے بے تکلفی سے اس کے کندھے پر ہاتھ مارا۔

"خدا حافظ"

انور خان نے کہا اور اپنی گاڑی میں آ کر بیٹھ گیا۔ اس نے گاڑی سٹارٹ کی تو عذرا کی جان میں جان آئی جس کا ثبوت اس نے ایک طویل سانس سے دیا۔

"گول گپے کھا لیں"...... انور خان نے چاہا کہ اسے اور خود کو نارمل کرے۔

"نہیں...... نہیں...... پھر کبھی سہی۔ اس وقت گھر چلو......" اس نے بے چینی سے کہا۔

"اچھا بھئی گھر ہی چلتے ہیں"

اس نے گاڑی گھر کی طرف جانے والی سڑک پر ڈال دی۔ ابھی تک عذرا نے اپنے چہرے سے چادر الگ نہیں کی تھی۔

"میرا دوست انٹیلی جنس آفیسر ہے۔ بھائیوں جیسا ہے۔ اس کو میں نے شرما کی نگرانی کے لئے کہا ہے اگر وہ کسی خطرناک ارادے سے یا غیر قانونی طور پر پاکستان آیا ہے تو بچ کر نہیں جانا چاہئے۔ اس طرح سوامی کو بھی کان ہو جائیں گے کہ تم تک پہنچنا اتنا آسان بھی نہیں ہے۔ میں اپنے

دوست کے ذریعے شیر عالم کو بھی آسانی سے تلاش کروالوں گا۔ کسی کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہو گی''۔اس نے گھر پہنچنے پر عذرا کو مطمئن کرتے ہوئے کہا۔

گھر پہنچ کر وہ خاصی نارمل ہوگئی تھی لیکن ابھی تک خوف کے سائے اس کے چہرے پر لرزاں تھے۔''آپ میرے لئے جو بھی کریں گے، بہتر کریں گے لیکن مجھے اس بات کی سمجھ نہیں آ رہی کہ آپ کو شیر عالم سے اتنی جلدی ملنے کی کیا ضرورت ہے۔ کسی معمولی سے بے احتیاطی سے......''

''نہیں عذرا! اگر ایسی بات ہوتی تو میں تمہاری بات کی پرواہ کئے بغیر اخبارات میں اشتہار دے دیتا۔ تم ایسا کیوں سوچتی ہو؟''

اس نے عذرا کی بات کاٹتے ہوئے اسے مطمئن کرنا چاہا۔

مسز خان جو کسی کام سے گھر سے باہر گئی تھیں۔ واپس لوٹیں تو سیدھے ان ہی کی طرف آئی تھیں۔''خیریت......تم لوگ اتنی جلدی واپس آ گئے''

انہوں نے انور خان سے کہا۔

''بس ممی......عذرا کچھ گھبرا گئی تھی......''

''بھئی کیا ہوا تھا......کچھ بتاؤ گے بھی''

مسز خان نے عذرا کے نزدیک پہنچ کر اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر اسے مطمئن کرنا چاہا۔

انور خان کو بادل نخواستہ ساری کہانی اپنی ماں کو بھی سنانا پڑی۔

''شاباش بیٹا! تم نے عقل مندی سے کام لیا۔ میں خود سوچ رہی تھی کہ افراسیاب سے بات کروں۔ آج صبح ہی اس نے فون کر کے بتایا تھا کہ اس کی پوسٹنگ کراچی میں ہوگئی ہے۔ اپنے گھر کا بچہ ہے اور میرے خیال سے تمہیں اس پر اعتماد کرنا چاہئے''۔

مسز خان نے کہا۔

عذرا نے ایک لمحے کے لئے ان کی طرف دیکھا اور نظریں جھکائیں۔ اسے احساس ہو گیا تھا کہ یہ لوگ اس سے زیادہ اس کا خیال رکھیں گے۔

O

میجر افراسیاب کو کم از کم اس بات کا یقین ضرور تھا کہ انور خان جس شخص کا نام ہے وہ کوئی بے وقوف یا وہمی آدمی نہیں ہے نہ ہی وہ اس طرح افراتفری کا مظاہرہ کر کے اسے پریشان کر سکتا ہے

یہ کوئی سیریس معاملہ ہی ہو سکتا تھا۔

''اس گاڑی کے دونوں سواروں پر کڑی نظر رکھنا ہے دونوں سے متعلق مکمل معلومات آج رات تک چاہئیں''

اس نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا۔

انٹیلی جنس کی دو گاڑیاں اور متعدد اہلکاروں نے فوراً کار کو گھیرے میں لے لیا تھا اور وہ لوگ اس کے سواروں کے آمد کی منتظر تھے۔ دونوں سواروں کی واپسی قریباً آدھے گھنٹے بعد ہوئی۔ کار شرما کا ساتھی چلا رہا تھا جب کہ وہ اطمینان کے ساتھ کار کی اگلی سیٹ پر بیٹھا تھا۔

جیسے ہی سفید کار نے رینگنا شروع کیا۔ انٹیلی جنس کی کاریں اس سے چپک گئیں۔ اس تعاقب کا خاتمہ قریباً آدھے گھنٹے بعد جس جگہ ہوا اس نے افراسیاب کے ماتحتوں کو چونکا دیا۔

میجر افراسیاب اپنے آفس میں اپنے ساتھیوں کی طرف سے اطلاع کا منتظر تھا جب وائرلیس پر اسے پیغام ملا۔

''سر! دونوں ڈاکٹر جسکانی کے گھر موجود ہیں معاملہ سنگین دکھائی دیتا ہے''

ویل ڈن......ان پر کڑی نظر رکھو......''

اس نے اپنے ماتحتوں کو ہدایت جاری کی۔

جسکانی زیر زمین تخریب کاری تحریک کا سرگرم لیڈر تھا اور میجر افراسیاب کی ایجنسی نے اس کے گرد اپنا گھیرا تنگ کر رکھا تھا۔ جسکانی گزشتہ تین ماہ سے بظاہر روپوش تھا لیکن اسے اس بات کا علم نہیں تھا کہ اس پر انٹیلی جنس کی نظر ہے اور وہ ابھی اس پر محض اس لئے ہاتھ نہیں ڈال رہے کہ انہیں اس کے زیادہ سے زیادہ اڈوں اور ساتھیوں کا علم ہو جائے۔ کسی بھی غیر ملکی کی جسکانی سے ملاقات کا مطلب یہ تھا کہ وہ مشکوک آدمی ہے اور کوئی عام سا مشکوک آدمی نہیں بلکہ جسکانی جیسے بڑے خطرناک تخریب کار کا ساتھی......

میجر افراسیاب سوچ رہا تھا کہ انور خان کی اطلاع نے ان کا کام خاصا آسان بنا دیا ہے۔ پہلے اسے انور خان کی باتیں بڑی عجیب لگی تھیں لیکن اب وہ سوچ رہا تھا کہ انور خان کے پاس سنانے کے لئے ضروری کوئی اہم بات ہے۔

اور یہ لڑکی کون تھی؟

بڑی پُراسرار لڑکی تھی جس نے اپنا چہرہ چادر سے چھپا رکھا تھا اور انور خان کے ساتھ بیٹھی تھی۔ اس نے اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ انور خان کو اتنی سنجیدگی کے ساتھ کسی لڑکی کے ساتھ بیٹھے دیکھا تھا......!

یہ انور خان کسی چکر میں پھنس گیا ہے؟ اس نے سوچا۔

تھوڑی دیر بعد اپنے ماتحتوں کو ہدایات دے کر وہ انور خان کی طرف روانہ ہو گیا جو رات کے کھانے پر اس کا منتظر تھا۔

O

مسز خان کے لئے افراسیاب کی آمد بڑا نیک شگون تھی۔

میجر افراسیاب ان کے بیٹے کا لنگوٹیا ہی نہیں بلکہ اس خاندان کے ایک اہم فرد کی حیثیت رکھتا تھا اور مسز خان کو علم تھا کہ ایک وہی ہے جو اس کے بیٹے کے فیصلوں پر اثر انداز ہو سکتا ہے......!!

تھوڑی دیر بعد وہ سب کھانے کی میز پر موجود تھے۔ وہ پُراسرار لڑکی بھی جو اس کے دوست کے ساتھ کار میں بیٹھی تھی۔

مسز خان نے دوبارہ سارے واقعات دہرا دیئے اور اسے بتایا کہ کس طرح عذرا ان کی زندگی میں داخل ہوئی تھی۔

''آنٹی! ظاہر ہے میرے لئے عذرا کی حیثیت ایک بہن کی سی ہے کیونکہ اب وہ گیتا نجلی نہیں بلکہ خان فیملی کی بیٹی ہے۔ میری درخواست ہے کہ مجھے تنہائی میں اس سے کچھ باتیں کرنے کا موقعہ دیا جائے۔ آپ میری بات سمجھ رہی ہوں گی۔

میجر افراسیاب بہرحال انٹیلی جنس آفیسر تھا۔

اس نے اپنے ذاتی اطمینان کے لئے صرف ان لوگوں کی باتوں پر یقین کرنا کافی نہیں سمجھا۔ ابھی تک اس نے عذرا کے متعلق کوئی بھی مثبت یا منفی رائے قائم نہیں کی تھی۔ اس کے پیشے نے اسے یہی سکھایا تھا کہ آنکھیں بند کر کے نہ ہی کسی پر اعتماد کیا جا سکتا ہے اور نہ خوامخواہ کسی پر بد اعتمادی کی جاتی ہے۔ وہ کسی سے متعلق کوئی بھی رائے حقائق کی بنیاد پر ہی قائم کر سکتا تھا۔

''بیٹا ضرور کرو لیکن اس بات کا خیال رکھنا کہ تم ہم بوڑھوں سے زیادہ عقل مند نہیں ہو''

جسٹس خان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''انکل خدانخواستہ میرا یہ مطلب نہیں تھا'' میجر افراسیاب نے ان کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

عذرا کے لئے اس سے علیحدگی میں بات کرنا معمول کی بات تھی۔ اس نے اندازہ کر لیا تھا کہ خان فیملی کے نزدیک افراسیاب کی حیثیت گھر کے ایک فرد کی سی ہے اور شاید یہ سمجھ کر اس سے علیحدگی میں بات کر رہا تھا کہ عذرا نے کوئی بات ابھی تک چھپا رکھی ہے۔ آدھا گھنٹہ دونوں گفتگو کرتے رہے۔ اس درمیان میجر افراسیاب نے یہی رائے قائم کی تھی کہ عذرا جو کچھ کہہ رہی ہے وہ سچ ہے اور اب اس کے پاس کہنے کے لئے اور کوئی بات نہیں ہے۔

''شکریہ بہن جی معاف کیجئے میرے پیشے کا تقاضہ یہی تھا کہ میں مکمل اطمینان کرنے کے بعد ہی کوئی قدم اٹھاتا۔ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہو گی اور ایک مہینے کے اندر میں آپ کی ملاقات شیر عالم سے کروا دوں گا''

اس نے بالآخر اٹھتے ہوئے کہا۔

''میں آپ کی ساری زندگی احسان مند رہوں گی۔ میری صرف ایک التجا ہے کہ میری وجہ سے میرے محسنوں پر کوئی مصیبت نہ آئے۔ آپ کا تعلق چونکہ انٹیلی جنس سے ہے آپ میری بات کا مطلب زیادہ بہتر جانتے ہوں گے۔ یہ لوگ کتنے خطرناک ہیں۔ ان کے کتنے لمبے ہاتھ ہیں اور وہ کیا کر سکتے ہیں، میں جانتی ہوں''......عذرا نے کہا۔

''ایک بات اور ذہن میں آ گئی، معافی چاہوں گا......آپ کو اس بات کو تو علم ہے کہ شرما جیسے لوگ ایک نام تو رکھا نہیں کرتے کیا اس کا کوئی اور نام تو نہیں تھا......اور اپنے ذہن پر زور دے کر یہ بھی یاد کرنے کی کوشش کیجئے کہ شرما کے ساتھ کون کون سے لوگ وہاں آیا کرتے تھے اور ہاں اگر میں آپ کو کچھ تصاویر دکھاؤں تو کیا آپ بتا سکیں گی کہ ان میں سے کسی شخص کو آپ نے وہاں دیکھا تھا......؟''

میجر افراسیاب کے ذہن نے اچانک ہی اس کو ایک نئی لائن سمجھائی تھی۔

''کیوں نہیں بھائی صاحب......میں دعویٰ تو نہیں کرتی لیکن مجھے یقین ہے کہ زندگی میں ایک مرتبہ بھی جس شخص سے میرا معمولی سا رابطہ بھی رہا ہو میں قیامت تک اس کی شکل نہیں بھلا سکتی اسے ہزاروں میں پہچان سکتی ہوں۔ میں نے یوگا کی خاص ورزشوں کے ذریعے اپنی بدھی بڑھائی ہے۔ اپنی یادداشت کو تیز کیا ہے''......عذرا نے اعتماد سے کہا۔

''ٹھیک ہے......آپ نیچے چلیں اگر کچھ دیر اور ہو گئی تو خان صاحب میرا داخلہ گھر میں بند کر دیں گے''......افراسیاب نے کمرے سے باہر نکلتے ہوئے کہا۔

"امید ہے تمہاری تشفی ہوگئی ہوگی"...... اس کی شکل پر نظر پڑتے ہی انور خان نے تبصرہ کیا۔

"یار غصہ نہ کیا کرو...... تم تو خود وکیل ہو تم جانتے ہو ایسے معاملات میں اندھا اعتماد آدمی کو کہیں کا نہیں رکھتا۔

افراسیاب نے کمرے کے ایک کونے میں رکھے ٹیلی فون کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"تم جب نوکری نہیں کرتے تھے تب بھی تمہیں کسی پر اعتبار نہیں تھا...... یہ تمہاری نئی عادت نہیں جس کا میں غصہ کروں گا"

انور خان کو علم تھا کہ دوران تعلیم بھی ان کا اسی بات پر جھگڑا لگا رہتا تھا۔

افراسیاب نے انور خان کے گھر سے اپنے آفس فون کر کے اپنے کسی ماتحت کو کوئی البم لانے کی ہدایت کی تھی اور اب ان لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر کافی پی رہا تھا۔

"ایمانداری کی بات تو یہ ہے کہ عذرا نے ہم پر بہت احسان کیا ہے جس شخص کے متعلق اس نے شک ظاہر کیا تھا وہ میرے اب تک اندازے کے مطابق بھارتی انٹیلی جنس کا کوئی خاص آدمی ہے جس کے رابطے ہمارے ملک کے بڑے تخریب کاروں سے ہیں اور اس کے آدمی کے ذریعے ہمیں بہت کامیابی ملنے کی امید ہے"۔ افرسیاب نے انہیں بتایا۔

"حیرت ہے...... میں تو عذرا کی یاداشت کی داد دوں گا کہ اس نے شرما کی شکل یاد رکھی اور اسے فوراً پہچان بھی لیا"

خان صاحب بولے......

اسی اثناء میں نوکر نے میجر افراسیاب کے ماتحت کی آمد کی اطلاع دی تھی۔ میجر افراسیاب خود باہر چلا گیا جب واپس لوٹا تو اس کے ہاتھ میں ایک البم موجود تھی۔

"عذرا بہن تم ذرا ادھر آ جاؤ"

اس نے ایک خالی میز کی طرف اشارہ کیا جس پر روشنی کے لئے بلب نصب تھا جو اس نے روشن کر کے فائل اس کے سامنے کھول دی تھی۔ عذرا کی نظریں البم پر لگی ایک ایک تصویر کا جائزہ لے رہی تھیں۔ تیسرے صفحے کی ایک تصویر پر اس نے انگلی رکھ دی۔

"اس شخص کا آنا جانا اکثر ہمارے آشرم میں ہوتا تھا...... شاید یہ شخص شرما کے ساتھ ایک

دو مرتبہ آیا ہے...... سوامی اس سے عموماً علیحدگی میں ملا کرتا تھا۔ میرے اندازے کے مطابق یہ کوئی نامی گرامی سمگلر ہے۔ بہر حال جرائم پیشہ ضرور ہے"

"ہوں ں ں......"

میجر افراسیاب نے سر ہلایا۔ یہ جسکانی کی تصویر تھی......!!

وہ چونک اٹھا...... "شکریہ بہن جی...... آپ نے ہمارا کام آسان کر دیا۔ میں چلتا ہوں......"

اس نے خدا حافظ کہا اور سب کو ہکا بکا چھوڑ کی تیزی سے باہر نکل گیا۔

O

انسپکٹر نصیر نے بڑی محفوظ جگہ پر مورچہ جمایا تھا۔

جسکانی جس کوٹھی میں روپوش تھا اس کے بالکل سامنے موجود بلڈنگ جس میں رہائش کے لگژری فلیٹ بنے ہوئے تھے ان کے لئے بڑی محفوظ ثابت ہوئی تھی۔ انہوں نے ان میں سے ایک فلیٹ کے مالک کو اعتماد میں لے کر وہاں دور بین نصب کر لی تھی جس سے سامنے جسکانی کی کوٹھی کے برآمدے تک ہونے والی تمام حرکات کا جائزہ آسانی سے لیا جا سکتا تھا۔

انسپکٹر نصیر نے علی الصبح یہاں کا چارج سنبھالا تھا۔

اب یہاں ایک بھارتی دہشت گرد کی آمد نے صورت حال کو خاصا سنگین بنا دیا تھا۔ شرما شام ڈھلے جسکانی کی کوٹھی میں داخل ہوا تھا اور ابھی تک باہر نہیں آیا تھا۔ ساری رات ان لوگوں نے کوٹھی کو گھیرے میں لئے رکھا انہیں احتیاط سے ایک ایک قدم پھونک پھونک کر رکھنا پڑتا تھا کیونکہ وہ پولیس یا مقامی ایجنسی کی نظر میں آئے بغیر یہ کام کرنا چاہتے تھے...... ان کا تعلق انتہائی اہم انٹیلی جنس ایجنسی آئی۔ ایس۔ آئی سے تھا۔ یہ لوگ اپنے آپریشن خود ترتیب دیتے تھے اور ناگزیر حالات میں بھی دوسری ایجنسیوں کو اعتماد میں لیا کرتے تھے تا کہ راز داری کا تحفظ ہو سکے۔

میجر افراسیاب خان کو جسکانی کی اتنی زیادہ فکر نہیں تھی کیونکہ جسکانی کی نقل و حرکت ان سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھی۔ اس کی طرف سے چلائی جانے والی دہشت گرد زیر زمین تنظیم میں آئی۔ ایس۔ آئی نے اپنا ایک اہم رکن داخل کر دیا تھا جو جسکانی کا اعتماد حاصل کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ اب وہ ویٹر کے روپ میں جسکانی کے ساتھ ہی اس کوٹھی میں مقیم تھا...... اس "ویٹر" کے

ذریعے وہ لوگ جسکانی کی نقل وحرکت سے باخبر رہتے تھے لیکن شرما کی یہاں آمد کا کیا مقصد تھا؟

کیا وہ کوئی بڑا اور خطرناک مشن لے کر آیا ہے؟ کیا بھارتی انٹیلی جنس ''را'' کی طرف سے تباہی کا کوئی نیا منصوبہ اس شہر میں زیرعمل ہے؟ ''را'' کے اتنے اعلیٰ افسر کی آمد کا یقیناً کوئی خاص مقصد تھا؟

عذرا نے اس شخص کو پہچان لیا اور انور خان نے اس کی فراہم کردہ اطلاع اپنے دوست کو منتقل کر کے انجانے ہی میں بہت بڑی ملکی خدمت انجام دی تھی جس کا احساس ان دونوں کو ابھی نہیں ہو سکتا تھا۔

انسپکٹر نصیر کبھی کبھی اپنی نظریں دوربین سے الگ کر کے اطراف کا جائزہ لینے لگتا جس کے بعد دوبارہ اس کی آنکھیں جسکانی کی کوٹھی کے برآمدے پر فوکس ہو جاتیں۔ اس مرتبہ جب اس نے دوربین سے نظریں جمائیں تو برآمدے میں ان کا ساتھی ویٹر کے روپ میں کھڑا تھا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ سر سے بلند کر کے انہیں ایک خاص طرح کا اشارہ کیا جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ کچھ دیر بعد باہر آ کر ان تک کوئی اہم پیغام پہنچائے گا۔ انسپکٹر نصیر نے اپنی جگہ اپنے ماتحت کو کھڑا کیا اور خود لاپرواہی سے سیٹی بجاتا باہر نکل گیا۔ اس بلڈنگ میں چونکہ مہمانوں کا آنا جانا لگا رہتا تھا اس لئے کسی نے بھی اس کی طرف توجہ نہیں دی۔

جسکانی کی کوٹھی کے سامنے سے پیدل چلتا وہ اس لین کی آخری کوٹھی تک پہنچ گیا۔ جہاں سے گھومتے ہوئے اس نے ویٹر کو برآمد ہوتے دیکھ لیا تھا جو اس طرف آ رہا تھا۔

اس لین کے آخر میں بنے ایک بس سٹاپ پر ایک خوانچہ فروش سے نصیر نے رُک کر سگریٹ کی ڈبیا خریدی اور وہیں کھڑے کھڑے سگریٹ سلگا کر اس کے کش لگانے لگا۔ اس اثناء میں ویٹر وہاں پہنچ چکا تھا۔ نصیر پر سرسری سی نظر ڈال کر وہ آگے نکل گیا۔

اب انسپکٹر نصیر اپنے ساتھی کے تعاقب میں اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا تھا۔ اس دوران اس نے بطور خاص اس بات کا جائزہ لیا تھا کہ کہیں کوئی اس کا تعاقب تو نہیں کر رہا۔ اس سفر کا اختتام قریباً تین چار فرلانگ دور بنی مارکیٹ پر ہوا جہاں سے سبزی گوشت خریدنے کے بہانے وہ باہر آیا تھا۔

دونوں مارکیٹ کے ایک کونے میں ایک چھوٹی چائے کی دکان کے ایک کونے میں جا بیٹھے، نصیر نے چائے کا آرڈر دے دیا تھا اور اب دونوں ایک دوسرے کے واقف کار کی حیثیت میں باتیں کر رہے تھے۔

''کل شام جو شخص آیا ہے بڑا خطرناک ہے''۔

انسپکٹر جمیل نے جو ویٹر کے روپ میں اس کے سامنے بیٹھا تھا اپنی بات کا آغاز کیا...... ''اسے یہ لوگ میاں بھائی کہہ کر مخاطب کرتے ہیں لیکن یہ اس کا اصلی نام نہیں ہے...... میرے خیال سے وہ بھارتی انٹیلی جنس کا کوئی اہم آدمی ہے۔ جسکانی کو اس پر اندھا اعتماد ہے۔ اس نے میاں بھائی کے ساتھ ابتدائی بات چیت میں مجھے بھی شامل کیا تھا لیکن بعد میں شاید اس کے کہنے پر مجھے دوبارہ اپنے ساتھ نہیں بٹھایا......''

جمیل نے سگریٹ کا کش لے کر ارد گرد کا جائزہ لیا......!

انہیں علم ہو گیا تھا...... ہم نے کلفٹن سے اس کا تعاقب کیا ہے۔ ایک اطلاع ملنے پر ہم اس سے چپکے ہوئے تھے۔ تمہیں فون کرنا بھی مناسب نہیں سمجھا۔ میجر صاحب کی سختی سے ہدایت تھی کہ تمہارے ساتھ صرف پرسنل میٹنگ کی جائے۔ تمہارا اندازہ بالکل صحیح ہے۔

نصیر نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

''میں جتنی باتیں سن پایا ہوں ان کے مطابق ''را'' کو گزشتہ تین چار ماہ سے اس شہر میں ہونے والی سیکورٹی کے سخت انتظامات پر تشویش ہے۔ یہ شخص میاں بھائی جسکانی سے کہہ رہا تھا کہ ان لوگوں کو جلد از جلد تین چار بڑے دھماکے کرنے چاہئیں، اس کے بعد ہی ان کی اعلیٰ قیادت مطمئن ہو گی۔ اس کے برعکس جسکانی بضد ہے کہ اسے جلد از جلد پاکستان سے نکال کر کسی دوسرے ملک پہنچایا جائے اور یہ کام اس کے آدمی بعد میں کرتے رہیں جبکہ میاں بھائی کا کہنا تھا کہ کم از کم ایک دو دھماکے اس کی موجودگی میں ہونا ضروری ہیں کیونکہ اس کے ملک سے فرار کے بعد عین ممکن ہے اس کے تخریب کار ساتھیوں کے حوصلے ٹوٹ جائیں اور مطلوبہ نتائج حاصل نہ ہو سکیں جبکہ ''را'' کی اعلیٰ قیادت ہر قیمت پر مثبت نتائج چاہتی ہے۔ اب صورت حال یہ ہے کہ جسکانی بڑا خوفزدہ ہے۔ وہ اس کے قابو نہیں آ رہا...... دوسری طرف اسے ''را'' پر غصہ بھی ہے کہ جب وہ مصیبت میں گرفتار ہے تو ان لوگوں نے اپنی شرائط منوانا شروع کر دی ہیں، لیکن میرے خیال سے اسے بہرحال میاں بھائی کی بات ماننا پڑے گی اور یہ لوگ دھماکے کریں گے...... میں انتہائی کوشش کر رہا ہوں کہ ''را'' کی طرف سے تخریب کاری کا جو تازہ سامان آ رہا ہے اس کا پتہ لگواؤں کیونکہ میاں بھائی کی آمد کا مقصد تخریب کاروں کے لئے سامان کی فراہمی بھی ہے۔ وہ اپنے ساتھ کرنسی نوٹوں کا بریف کیس بھر کر لایا ہے جو

اس نے کل رات ہی جسکانی کو سونپ دیا تھا''

جمیل نے اپنی بات مکمل کر لی تھی......

''ویل ڈن...... میں میجر صاحب سے بات کرتا ہوں اور اگلی ہدایات حاصل کرتا ہوں۔ اب تم دوپہر کے بعد چکر لگانا...... تاکہ اگلی ہدایات تم تک پہنچا سکوں اور ہاں ایک مرتبہ پھر یاد رکھنا کہ فون استعمال نہیں کرنا......''

انسپکٹر نصیر نے اپنے ساتھی سے کہا اور باہر نکل آیا۔

اس کی روانگی کے چند منٹ بعد جمیل بھی باہر آ گیا اور اب وہ سبزیاں اور گوشت وغیرہ خرید کر کوٹھی کی طرف واپس جا رہا تھا۔

O

جمیل بڑا مطمئن کوٹھی میں پہنچا تھا۔

اس کے تو وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آ سکتی تھی کہ جسکانی کے باپ ''را'' کے لوگ ہیں جن کا اپنا ایک طریقہ کار ہے اور ان کا پہلا اصول بھی یہی ہے کہ دشمن کی طرح دوست بھی کبھی قابل اعتماد نہیں ہوتے۔ میاں بھائی نے اس گھر میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے جسکانی کے ساتھ اس گھر کے مکینوں سے متعلق طویل انٹرویو کیا تھا۔ جمیل کے علاوہ یہاں تین مسلح محافظ ایک ڈرائیور اور جسکانی کا ایک ساتھی قیام پذیر تھے۔

اب سب لوگوں میں جمیل نیا آدمی تھا...... گو کہ یہاں کسی بھی روپ میں کوئی بھی شخص ایسا نہیں تھا جس کا تعلق زیر زمین تخریب کاری تنظیم سے نہ رہا ہو...... یہ سب جسکانی کے ساتھی تھے جو مختلف سوانگ رچا کر اس کے ساتھ قیام پذیر تھے......! لیکن ان میں جمیل سب سے نیا تھا اور ابھی تک ''را'' کے پاس جسکانی نے اس سے متعلق تفصیلات نہیں پہنچائی تھیں۔

جسکانی پر اس نے اپنی لچھے دار باتوں سے جادو کر رکھا تھا یہی وجہ تھی کہ وہ دنوں میں اس کا اعتماد حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ میاں بھائی نے اس سے الگ طویل انٹرویو کیا تھا جس کے بعد سے ہی شاید اس کے کہنے پر جسکانی نے اسے میاں بھائی کے ساتھ ہونے والی اپنی گفتگو میں بٹھانے سے انکار کر دیا تھا۔

جسکانی نے اسے اشارہ بھی دیا تھا کہ میاں بھائی اس سے کچھ ضروری باتیں علیحدگی میں

کرنا چاہتا ہے شاید اس نے جمیل پر شک کرنا مناسب نہیں جانا تھا۔ جمیل کے لئے یہ بڑی حوصلہ افزاء بات تھی۔

''را'' کا یہ اصول تھا کہ وہ لوگ اپنے ایجنٹوں پر کڑی نظر رکھتے ہیں اور پاکستان میں بھی اپنے تخریب کار ساتھیوں پر کوئی نہ کوئی چیکنگ سسٹم ضرور لگاتے ہیں۔ انہوں نے جسکانی کے ساتھیوں کو بھی یوں کھلا نہیں چھوڑ دیا تھا۔

اس بات کا علم جسکانی کو بھی نہیں تھا کہ وہ جب بھی اپنی نئی پناہ گاہ سے متعلق ''را'' کو مطلع کرتا تو ''را'' سے لوگ اس کی پناہ گاہ کے نزدیک اپنے کسی نہ کسی خاص ایجنٹ کو اس کے ساتھیوں کی نگرانی پر ضرور لگا دیا کرتے تھے۔

''را'' والے جانتے تھے کہ ان کا مقابلہ دنیا کی ذہین ترین انٹیلی جنس آئی۔ایس۔آئی سے ہے اور یہ لوگ کبھی غافل نہیں رہتے۔ آج تک شاید ہی ان کا کوئی منصوبہ ان کی مرضی کے مطابق کامیاب ہو سکا تھا اس کی وجہ آئی ایس آئی کی چوکسی تھی۔ جسکانی کی اس کوٹھی کے ساتھ ملحقہ مارکیٹ میں ''را'' کا ایک اور مقامی ایجنٹ پان سگریٹ کا خوانچہ گلے میں لٹکا کر بیٹھ گیا تھا۔ اس کو صرف یہ ذمہ داری سونپی گئی تھی کہ جسکانی کے ڈرائیور، ویٹر یا باڈی گارڈوں میں سے کوئی جب بازار میں سودا سلف خریدنے آئے تو اس بات پر نظر رکھے کہ وہ یہاں کس کو ملتا ہے۔ اس ایجنٹ کو جسکانی کے ساتھیوں کی پہچان کروا دی گئی تھی......!

آج بھی جب جمیل انسپکٹر نصیر سے ملاقات کر کے اس امید کے ساتھ واپس جا رہا تھا کہ انہیں کسی نے یہاں دیکھا تو اسے علم نہیں تھا کہ اس کی ملاقات کی خبر مقامی پی۔سی۔او سے بذریعہ فون یہاں پہلے ہی پہنچ چکی تھی کہ وہ باورچی خانے میں بڑے اطمینان سے سبزیاں اور گوشت ٹوکری سے نکال کر رکھ رہا تھا جب اچانک ہی میاں بھائی وہاں آ گیا......!

انسپکٹر جمیل نے کل رات ہی نوٹ کر لیا تھا کہ اس کے تئیں میاں بھائی کا رویہ مشکوک ہو گیا ہے لیکن وہ جسکانی کو اس سے متعلق گمراہ نہیں کر سکا تھا۔ اس کی اچانک آمد نے جمیل کو چونکا دیا اور سمجھ گیا کہ ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔ کسی بھی پیش آمادہ صورتحال کا مقابلہ کرنے کے لئے اس نے ذہنی طور پر خود کو تیار کر لیا تھا۔

''کیا حال ہے جوان؟''...... میاں بھائی نے بظاہر بڑے ہلکے پھلکے انداز میں اس سے

پوچھا۔

''ٹھیک ہے میاں بھائی''......اس نے میاں بھائی کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا۔

''کب سے رہ رہے ہو اس علاقے میں......'' میاں بھائی نے یہ سوال بھی اس انداز میں کیا تھا جیسے کوئی معمول کی بات کی جا رہی ہو۔

''دیکھو! میاں بھائی ہم جسکانی کا جانثار ہے۔ اس کے ایک اشارے پر جان دے سکتا ہے......ہم کو معلوم نہیں کہ تم کون لوگ ہے لیکن جسکانی بھائی کا جو بھی مہمان ہے وہ ہمارے لئے قابل احترام ہے......میرے کو ایسے سوالات کے جوابات دینے کی عادت نہیں......تمہیں میرے متعلق جو بھی پوچھنا ہے جسکانی سے پوچھ لو، اس کے حکم کے بغیر ہم کسی بات کا جواب نہیں دے گا......''

انسپکٹر جمیل نے یوں ظاہر کیا جیسے اس نے میاں بھائی کی بات کا بُرا منایا ہو لیکن وہ جسکانی کا جانثار بھی تھا۔

''یار تم تو بُرا مان گئے......ہم بھی جسکانی کے یار ہیں......بس یونہی اس علاقے سے متعلق جاننا چاہتے تھے''

''علی بھائی......تم میاں بھائی کی ہر بات کا جواب دے دو......یار تم سمجھتے ہو نا کہ اس دھندے میں معمولی سا شک بھی ایک دوسرے کی جانے لے سکتا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ ہمارے کسی ساتھی کو بلاوجہ مار دیا جائے......میاں بھائی ہمارا ''باس'' ہے میرے خیال سے تمہارے لئے اتنا اشارہ کافی ہوگا''

اچانک ہی جسکانی کچن میں داخل ہوا اور اس نے جمیل سے کہا تھا شاید وہ یہاں علی کے جعلی نام سے رہ رہا تھا۔

''پوچھو بابا پوچھو''......

جمیل نے چڑ جانے کی اداکاری کرتے ہوئے میاں بھائی سے کہا۔

''دیکھو میاں!......جیسا کہ جسکانی نے تمہیں بتایا ہے ہمیں ہر کسی پر شک کرنا پڑتا ہے جسکانی مجھ پر بھی شک کر سکتا ہے اور ہم جسکانی پر بھی شک کر سکتے ہیں......دیکھو میاں! ایک آدمی کی وجہ سے بہت سے لوگوں کی جانوں کو خطرے میں نہیں ڈالا جا سکتا......اس سے بہتر ہے کہ وہ اکیلا بندہ ہی مار دیا جائے جو سب کی جان کے لئے خطرات پیدا کر رہا ہے۔ اس لئے تمہیں کسی بات کا بُرا

منائے بغیر میرے سوالوں کے جواب دینے ہوں گے''۔میاں بھائی نے کہا۔

''ارے بابا کہا نا کہ پوچھو کیا پوچھنا ہے''......جمیل نے بدستور پہلے والے لہجے میں جواب دیا۔

''مارکیٹ میں جب تم سبزی لینے گئے تھے تو کسی سے ملاقات تو نہیں ہوئی''......میاں بھائی کے پہلے ہی سوال نے انسپکٹر جمیل کو چکرا دیا اس نے جان لیا کہ نصیر کے ساتھ ملاقات کا بھانڈا پھوٹ چکا ہے لیکن ایک اطمینان اسے ضرور تھا کہ دونوں اتنے تربیت یافتہ ہیں کہ ان کے درمیان ہونے والی گفتگو بھی کسی کے کانوں میں نہیں پڑی ہوگی۔

''دیکھو میاں بھائی!''......جمیل نے اس کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔

''یہاں رہتے ہوئے قریباً دو مہینے ہو گئے ہیں......آخر یہاں آنا جانا لگا رہتا ہے مجھے بازار جانا نا ہے اور وہاں میرے جانے کا مقصد صرف سبزیاں خریدنا نہیں ہوتا......تمہیں شاید اس بات کا علم نہ ہو کہ میں اپنے صوبے سے مفرور ہوں۔ میں پولیس کو پندرہ قتل اور کئی ڈکیتیوں میں مطلوب ہوں......میری حیثیت ایک اشتہار ملزم کی بھی ہے اور مجھے اپنے آنکھیں کھلی رکھنا پڑتی ہیں۔ اس لئے میں جب بھی بازار جاتا ہوں وہاں چائے، پان، سگریٹ اور دوسرے چھوٹے چھوٹے دکانداروں سے گپ شپ کرتا رہتا ہوں۔ اس طرح میری کوشش ہوتی ہے کہ میں یہاں ہونے والی کسی غیر معمولی بات کو نظر انداز نہ کروں......تمہیں یہ بھی بتا دوں کہ میں نے پانچ سال پولیس کی نوکری کی ہے۔ میں پولیس میں حوالدار تھا اور پہلا قتل میں نے اپنے تھانیدار کا کیا تھا......میں نے پولیس کی ٹریننگ سے یہ بات سیکھی ہے کہ بعض اوقات معمولی لوگوں کے پاس غیر معمولی خبریں ہوتی ہیں۔ یوں بھی چھوٹے چھوٹے دکاندار چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال رکھتے ہیں......بڑے لوگوں کے پاس تو چھوٹی چھوٹی باتیں جاننے کے لئے وقت ہی نہیں ہوتا......اس لئے میں کئی لوگوں سے ملتا رہتا ہوں......خاص طور سے اگر کسی ایسے چہرے پر نظر پڑ جائے جو مجھے مارکیٹ میں پہلی مرتبہ دکھائی دے تو میں کسی نہ کسی چکر میں اس کے ساتھ کسی بہانے چند منٹ گزار کے یہ جاننے کی کوشش کرتا ہوں کہ وہ کون ہے؟ اور یہاں کیا کر رہا ہے؟......''

جمیل نے اپنی بات مکمل کی تو جسکانی کے کھنچے ہوئے اعصاب پُرسکون ہو گئے اس نے اس طرح میاں بھائی کی طرف دیکھا جیسے اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں ڈانٹ کر کہہ رہا ہو دیکھا تم تو

خوامخواہ میرے ساتھی پر شک کر رہے ہو۔لیکن میاں بھائی بھی شیطان کا بھائی تھا وہ ''را'' کا تربیت یافتہ آفیسر تھا ایسی لچھے دار گفتگو سے مطمئن ہونا اس نے بھی نہیں سیکھا تھا۔

''تمہاری بات بالکل بجا ہے جس طرح کے تمہارے خیالات ہیں ایسے ہی ہمارے بھی خیالات ہیں......ہمیں بھی اپنے ساتھیوں کی حفاظت کے لئے چھوٹی چھوٹی حرکات اور باتوں کا نوٹس ضرور لینا پڑتا ہے......تم یہ سمجھ لو کہ جسکانی کی حفاظت کے پیش نظر ہی میں یہ سوال کر رہا ہوں کہ ابھی جب تم مارکیٹ میں گئے تھے تو تم نے کس کس سے ملاقات کی اور کیا کیا باتیں ہوئیں......اس بات کا یقین کرو ہونے والی گفتگو کا ٹیپ بھی ہمارے پاس آجائے گا......''

میاں بھائی نے آخری فقرے بڑے چبا چبا کر کہے تھے اس نے اپنی دانست میں انسپکٹر جمیل کے پاؤں تلے سے زمین سرکانے کی کوشش کی تھی لیکن انسپکٹر جمیل بھی آئی۔ایس۔آئی کا تربیت یافتہ تھا اس نے اپنے ہوش وحواس برقرار رکھے۔

''میں آپ سے بحث نہیں کرنا چاہتا......نہ ہی میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ اپنے ہی ساتھیوں پر بے اعتمادی کی جائے اس طرح تو ہم ایک دوسرے کی ٹوہ ہی لگاتے رہیں گے اور اپنی حفاظت سے غافل ہو جائیں گے بہر حال آج میں نے دو تین دکانداروں سے معمول کی باتیں کی تھیں اور وہاں چائے کے ہوٹل میں موجود ایک نوجوان سے جو اس علاقے میں مجھے پہلی مرتبہ دکھائی دیا تھا اور وہاں چائے پینے بیٹھا تھا چند منٹ باتیں کی تھیں اس کے علاوہ میں کسی سے نہیں ملا۔انسپکٹر جمیل نے جواب دیا۔

''کون تھا وہ جوان؟''......میاں بھائی نے فوراً اگلا سوال توپ کے گولے کی طرح س کے دماغ پر داغا۔

''پنجاب سے آیا ہے بے چارہ......خود کو ڈرائیور بتا رہا تھا اپنا نام اس نے غلام رسول بتایا تھا اور کہہ رہا تھا یہاں کسی کوٹھی میں شاید اسے ڈرائیور کی جگہ مل جائے......چونکہ اس کا تعلق میرے ڈسٹرکٹ سے ہے اس کے لئے میرے دل میں خواہ مخواہ ہمدردی پیدا ہو گئی......میں نے اس سے کچھ باتیں اس کے علاقے سے متعلق بھی کرلیں تا کہ وہاں کے بھی کچھ حالات جان لوں اور اس سے جھوٹا وعدہ بھی کرلیا کہ میں اس کے لئے کوشش کروں گا کہ اسے نوکری مل جائے''......جمیل نے اطمینان سے کہا۔

''ہوں ں ں ں''......

میاں بھائی کی ہوں کچھ زیادہ ہی طویل ہو گئی تھی۔

''ظاہر ہے تم نے اسے یہاں کا ایڈریس بھی دے دیا ہو گا جہاں تم کام کرتے ہو''......اس نے بڑی مکاری سے بظاہر مسکراتے ہوئے کہا۔

''میرا دماغ خراب نہیں ہے میاں بھائی جی......نہ میں کچی گولیاں کھیلا ہوں......اور ہاں جسکانی بھائی......ٹھیک ہے تمہارے اپنے اصول ہوں گے''......اس نے اچانک ہی اپنا رُخ جسکانی کی طرف موڑ دیا۔

''لیکن میرے لئے یہ بات ناقابل برداشت ہے کہ کوئی میری وفاداری پر شک کرے۔ یوں بھی اپنے کسی بھی عمل کے لئے میں آپ کو تو جواب دے سکتا ہوں کسی اور کی غلامی میں برداشت نہیں کر سکتا۔اگر غلامی ہی کرنی تھی تو میں پولیس ہی میں رہتا اور اپنا کام بھی کرتا رہتا......ارے یار......ہم تمہارے ساتھ اس لئے آیا ہے کہ تم آزاد منش آدمی ہے اور اپنی آزادی کی جنگ لڑ رہا ہے لیکن ہمارے ساتھ یہ غلاموں والا سلوک ٹھیک بات نہیں ہے''

جسکانی کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کس کی ہاں میں ہاں ملائے۔اس کے لئے میاں بھائی کے کسی بھی حکم سے سرتابی کا مطلب موت کے سوا کچھ نہیں تھا۔دوسری طرف وہ اپنے علی جیسے جانثار ساتھی کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا جس نے اب تک تین مرتبہ تو عملاً جان پر کھیل کر اس کو پولیس کے شکنجے سے نکالا تھا اور اس کے ساتھ صرف اس لالچ پر شامل ہوا تھا کہ موقعہ ملتے ہی جسکانی اور وہ دونوں پاکستان چھوڑ کر فرار ہو جائیں گے۔

''یار تم تو بُرا مان گئے......بس ٹھیک ہے۔مجھے یقین آ گیا''......میاں بھائی بڑبڑا رہا تھا......

اس نے فی الوقت تو جمیل کو مطمئن کرنا ہی مناسب جانا تھا لیکن جمیل کی باتوں پر اسے اعتبار نہیں تھا۔اس کے آدمی نے میاں بھئی کو مطلع کرتے ہوئے کہا تھا کہ ان کے ویٹر نے جس شخص سے باتیں کی ہیں وہ مشتبہ دکھائی دیتا ہے......یہ ایجنٹ بھارتی باشندہ تھا......''را'' کا تربیت یافتہ جاسوس تھا۔

کوئی مقامی ایجنٹ نہیں تھا جس کی اطلاع مشکوک ہوتی۔شرما جانتا تھا کہ پاکستان میں داخل ہونے سے پہلے وہ لوگ اپنے کسی بھی ایجنٹ کو تربیت کے کن کن مراحل سے گزارتے ہیں اور

اس کی ذہنی اور جسمانی تربیت کا نظام کتنا مضبوط ہے۔

''ٹھیک ہے تم کافی بناؤ......'' یہ کہہ کر میاں بھائی باہر نکل گیا۔

''یار بُرا مت ماننا......تم جانتے ہو ان لوگوں سے ہی ہمیں مال ملتا ہے......ان ہی کی مدد سے ہمارے کام ہوں گے۔ اس مرحلے پر جب کہ میں بھی تمہاری طرح مفرور ہو کر جان بچاتا پھر رہا ہوں اور کوئی بھی اس پوزیشن میں نہیں ہے کہ ہماری خاطر خود کو ہلاکت میں ڈالے ہمیں ان لوگوں پر ہی تکیہ کرنا پڑے گا اور ان کی تمام باتوں کو ہی صحیح جان کر ان کی ہاں میں ہاں ملانا پڑے گی۔ سمجھ گئے نا......''

جسکانی نے جمیل کی طرف دیکھ کر ایک آنکھ دبائی۔ جواب میں جمیل مسکرا کر رہ گیا......!

جسکانی نے سمجھ لیا کہ علی مطمئن ہو گیا ہے لیکن وہ بھول رہا تھا کہ انسپکٹر جمیل بھی آئی۔ ایس۔ آئی کا آفیسر ہے اور شرما کی طرح وہ بھی مطمئن نہیں ہوا۔ جسکانی اسے کافی لانے کا کہہ کر جیسے ہی کچن سے ملحقہ کمرے میں پہنچا جہاں شرما اس کا منتظر تھا عین انہی لمحات میں جمیل بھی بلی کی طرح پنجوں پر چلتا کمرے کے دروازے تک آ گیا۔

دونوں باڈی گارڈ باہر دروازے پر پہرہ دے رہے تھے اور ڈرائیور اپنے کمرے میں موجود تھا یہاں ان تینوں کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ اس اطمینان کے بعد ہی اس نے کمرے کے دروازے کی جھری سے آنکھ لگائی تھی......اس کے کان اندر سے پیدا ہونے والی کسی بھی آواز کو سننے کے لئے پوری طرح تیار تھے۔ کمرے کا تھوڑا سا منظر اُسے دکھائی دے رہا تھا۔

اس نے دیکھا سامنے والی کھڑکی کی طرف میاں بھائی منہ کئے کھڑا ہے اور جسکانی اس کے پیچھے موجود صوفے پر بیٹھا تھا۔

اچانک ہی میاں بھائی نے گردن گھمائی اور جسکانی پر نظریں ''گاڑ'' دیں شاید اس نے چند سیکنڈ میں کوئی اہم فیصلہ کر لیا تھا۔

جسکانی بھائی......اپنے ویٹر کو آج ہی ٹھکانے لگا دو......اب کے بعد اسے کوٹھی سے باہر نہیں جانا چاہئے......اسے فون تک بھی نہیں پہنچنے دینا......کسی سے اس کا رابطہ نہیں ہونا چاہئے اور ہاں اس کی لاش اس وقت ٹھکانے لگانا جب ہم یہاں سے رخصت ہو جائیں......مال تمہیں پرسوں شام کو ملے گا......سمندری راستے سے سمجھ گئے نا......میں آج شام کو نکل جاؤں گا......تمہیں یہاں سے کہاں منتقل ہونا ہے اس کی اطلاع میری روانگی سے پہلے تمہیں مل جائے گی۔ میری بات سمجھ گئے نا......''

اس کے منہ سے نکلا ایک ایک لفظ انسپکٹر جمیل کے کانوں کے راستے دماغ میں دھماکے کر رہا تھا۔ وہ جان گیا تھا کہ اب نہ تو وہ اس کوٹھی سے قدم باہر نکال سکتا ہے نہ ہی ان سے رابطہ کر سکتا ہے لیکن آئی۔ ایس۔ آئی والے دشمن کی توقعات سے بڑھ کر ہوشیار تھے اور کسی بھی ممکنہ جارحیت کے خلاف انہوں نے شاندار منصوبہ بندی بھی کر رکھی تھی۔ اس نے اطمینان سے کافی کے دو مگ تیار کئے اور کچن کے اس دروازے سے باہر آ گیا اسے اس بات کا علم تھا کہ اس کے ساتھیوں نے دوربین سے یہاں نگرانی کی ہوئی ہے اور یوں بھی یہ ممکن بھی نہیں تھا کہ آئی۔ ایس۔ آئی کے لوگ اسے جہنم میں جھونک کر اس کی حفاظت سے ایک لمحے کیلئے بھی غافل ہو جائیں۔

ایک ہاتھ میں ٹرے پکڑے وہ کمرے کی طرف جا رہا تھا جبکہ دوسرے ہاتھ سے اس نے مخصوص انداز میں اپنے ساتھیوں کو سگنل دے دیا تھا کہ اس کی جان کو شدید خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔

O

دو مرتبہ اس نے یہ سگنل دہرایا تھا......دوربین سے آنکھیں لگائے انسپکٹر نصیر کے ساتھی نے چونک کر اپنے آفیسر کو مطلع کیا تھا۔

''سر! ویٹر نے دو مرتبہ ''ایس۔ او۔ ایس'' سگنل دیا ہے''......اس نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''دہراؤ......کس طرح کا سگنل تھا''......انسپکٹر نصیر نے مزید اطمینان کے لئے تصدیق چاہی۔

اس کے ساتھی نے جمیل کا سگنل دہرایا تو ایک لمحے کے لئے تو انسپکٹر نصیر کو بھی اپنے دل کی دھڑکنیں تیز ہوتی محسوس ہوئیں۔

اس کا مطلب یہ تھا کہ ان لوگوں کو شک ہو گیا ہے لیکن ابھی چند منٹ پہلے تک تو ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ ضرور ان دونوں کی ملاقات کوئی نوٹ کر رہا تھا۔ ان کا کوئی مخبر مارکیٹ میں موجود ہے جو اس کوٹھی کے ملازموں کی نگرانی کر رہا ہے۔

اس کے ذہن میں یکے بعد دیگرے کئی خیال آئے۔ کچھ بھی ہو اس نے سوچا سب سے پہلے میجر صاحب کو اس ہنگامی صورت حال سے مطلع کر کے ان سے ہدایات تو لے......اس نے فوراً ہی ایک کونے میں رکھے فون پر میجر افراسیاب سے رابطہ قائم کیا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی اس نے انسپکٹر جمیل کے ساتھ اپنی ملاقات سے اور اس کی طرف سے فراہم کردہ اطلاعات کی رپورٹ دی تھی۔ اب جو اچانک دوبارہ اس کا فون آیا تو میجر افراسیاب چونکے بغیر نہ رہ سکا۔

خیریت گزری کہ ان کے پاس موبائل فون کا رابطہ موجود تھا ورنہ ایسے پیغامات میں معمولی تاخیر سے بھی انتہائی خطرناک صورت حال پیدا ہو سکتی تھی۔

''خیریت''......اس نے انسپکٹر نصیر کی آواز سنتے ہی کہا۔

''سر! معاملہ بگڑ گیا ہے......ایمرجنسی......''

انسپکٹر نصیر نے اسے بتایا کہ جمیل کی طرف سے دو مرتبہ ایس۔او۔ایس سگنل ملا ہے۔

''کتنے بندے ہیں تمہارے پاس''......''ہم چار آدمی ہیں جناب اور ایک گاڑی''......انسپکٹر نصیر نے کہا۔

''تم یہیں رہو، کوٹھی پر نظر رکھو، فی الوقت باقی سب سے کہو کوٹھی گھیرے میں لے لیں معمولی شک گزرنے پر بھی اندر کود جانا......خبردار! انسپکٹر جمیل کی زندگی کو کوئی خطرہ نہیں ہونا چاہئے، میرا مطلب سمجھ گئے نا......اور ہاں میں خود اس طرف آ رہا ہوں۔ جب تک میں نہ پہنچوں تم معاملات پر کڑی نظر رکھنا''......''مجھے یہاں پہنچنے میں پندرہ بیس منٹ لگ جائیں گے''

میجر افراسیاب نے کسی بھی ایمرجنسی سے گھبرانا تو سیکھا ہی نہیں تھا۔ اس کے لئے ایسے پیغامات معمول کی بات تھی۔ یہ اس کی خوبی تھی کہ سنگین صورت حال میں وہ نہ صرف اپنے ہوش و حواس قائم رکھتا تھا بلکہ اپنے ساتھیوں کا حوصلہ بھی بڑھائے رکھتا تھا......

اس کے متعلق یہ بات کہی جاتی تھی کہ جتنی صورت حال خطرناک ہوتا اتنا ہی وہ خود کے لئے خطرناک ہو جاتا تھا۔ انسپکٹر جمیل اس کی ایجنسی کا سرمایہ افتخار تھا......یہ لوگ جو اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر جہنم میں کود جاتے تھے اس کے لئے ہمیشہ سے واجب الاحترام رہے تھے۔ اس نے انسپکٹر جمیل کی زندگی کو لاحق خطرات کا علم ہوتے ہی خود میدان عمل میں اترنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

انسپکٹر نصیر پر اسے اعتماد تھا کہ وہ جیتے جی اپنے کسی ساتھی کو آسانی سے دشمن کے قبضے میں نہیں جانے دے گا۔

نصیر کو ہدایت دینے کے فوراً بعد اس نے اپنے ایمرجنسی سکواڈ سے رابطہ قائم کیا یہ لوگ آرمی کے تربیت یافتہ کمانڈوز تھے جنہیں بطور خاص کسی ہنگامی صورتحال سے نمٹنے کے لئے یہاں بلایا گیا تھا اور جو ہر وقت کسی بھی ہنگامی اطلاع پر کارروائی کے لئے تیار رہتے تھے۔

میجر افراسیاب نے ایمرجنسی سکواڈ کے انچارج کیپٹن کو کوٹھی کا نمبر اور عقب کی لوکیشن بتا

دی تھی، دوسرے ہی لمحے وہ لوگ اپنے مشن پر چل پڑے تھے۔

کمانڈوز نے کوٹھی تک پہنچنے کے لئے ایک پرائیویٹ ویگن استعمال کی تھی جس پر وہ عام شہریوں کے لباس میں موجود رہتے تھے۔

ویگن کیپٹن صاحب خود چلا رہے تھے اور وہ آندھی اور طوفان کی رفتار سے اپنے ٹارگٹ کی طرف بھاگی چلی جا رہی تھی۔ اپنی منزل تک پہنچ کر انہوں نے ویگن کو اس طرح ایک طرف پارک کر دیا تھا کہ کسی کو ان پر معمولی سا شک بھی نہ گزر سکے۔

اب وہ ایک ایک کر کے اپنے ڈھیلے ڈھالے کپڑوں میں اسلحہ چھپائے کوٹھی کو اس طرح گھیرے میں لے چکے تھے کہ نہ تو یہاں سے کوئی باہر جا سکتا تھا نہ ہی اندر آ سکتا تھا۔ کمانڈوز کے پوزیشن لینے کے چند منٹ بعد ہی میجر افراسیاب بھی وہاں موجود تھا اس نے دوربین سے خود حالات کا جائزہ لے کر اپنے ذہن میں ایک پلان بنا لیا تھا۔

O

ساتواں باب

برآمدہ خالی نظر آ رہا تھا جبکہ دونوں پہرے دار مستعدی سے اپنی اپنی جگہ موجود تھے۔
انسپکٹر جمیل نے دروازہ کھٹکھٹایا تو جسکانی نے خود دروازہ کھولا تھا۔

''کافی رکھ دو اور تم جا کر کھانا تیار کرو......''

جسکانی نے اس کی طرف عجیب سی نظروں سے دیکھتے ہوئے اسے کہا۔ انسپکٹر جمیل کی جہاندیدہ نظروں نے اس کے چہرے کے تاثرات سے اندازہ لگا لیا تھا کہ جسکانی نے شرما کے حکم پر عمل کرنے کا ارادہ کر لیا ہے لیکن اس بات کا اسے بھی بخوبی احساس تھا کہ وہ لوگ اندھیرا ہونے سے پہلے اس کی لاش غائب نہیں کر سکتے۔ اس لئے اسے مارنے کے فیصلے پر بھی شام سے پہلے عملدرآمد نہیں ہوگا......!

چونکہ وہ اپنے کانوں سے سن چکا تھا کہ اس کے لئے اس گھر سے باہر جانے کے راستے بند ہیں اس نے بھی ایسی کوئی کوشش نہیں کی تھی...... اسے اس بات کی امید ضرور تھی کہ اس کا سگنل اس کے ساتھیوں تک پہنچ چکا ہوگا۔

ایک مرتبہ پھر اس نے بطور احتیاط کمرے سے برتن واپس لاتے ہوئے برآمدے سے گزرتے وقت اپنا مخصوص ایس۔او۔ایس سگنل دہرا دیا تھا۔ اس مرتبہ براہ راست یہ سگنل میجر افراسیاب نے موصول کیا تھا۔ جس کے فوراً بعد وہ نیچے اتر آیا۔

کمانڈو پارٹی کا کیپٹن اس کے اشارے کا منتظر تھا۔ سڑک کے کنارے پہنچتے ہی میجر افراسیاب نے اسے اشارے سے اپنی طرف بلا لیا...... دونوں بظاہر لاپرواہی سے ٹہلتے ہوئے اس ویگن کی طرف جا رہے تھے جس میں بیٹھ کر یہ لوگ یہاں تک آئے تھے۔

میجر افراسیاب اور کیپٹن دونوں ویگن میں داخل ہو گئے۔ دروازہ انہوں نے بند کر دیا۔

میجر صاحب نے ایک کاغذ پر موٹی موٹی لکیریں کھینچ کر اسے اندر کا نقشہ سمجھایا اس نقشے میں کوٹھی کے اندر موجود کمروں کی تعداد ان کے دروازے کھڑکیاں اور اس کمرے تک کی نشاندہی کی گئی تھی۔ جس میں عموماً جسکانی بیٹھا کرتا تھا انسپکٹر جمیل کے ذریعے انہیں اس کوٹھی کے اندر کی تمام تفصیلات معلوم ہو چکی تھیں۔ انہوں نے چند منٹ پہلے تک اندر موجود دونوں مسلح پہرے داروں کی پوزیشن سے بھی انہیں آگاہ کر دیا تھا۔ کوٹھی میں موجود آدمیوں کی تعداد کے ساتھ انہوں نے انسپکٹر جمیل کی شناخت بتا کر اس کے کپڑوں کا رنگ بھی بتا دیا تھا اور کہا تھا ان کے ساتھی کو معمولی گزند بھی نہیں پہنچنی چاہئے۔

''آل رائٹ سر! ایسا ہی ہوگا سر''!...... کیپٹن نے اپنی تربیت کے مطابق جواب دیا۔

اچانک ہی ان کے کانوں میں سبزی پھل بیچنے والے کی آواز پڑی تھی۔ یہ لوگ ریڑھیوں پر پھل اور سبزی لگا کر ان علاقوں میں گھوما کرتے تھے اور کوٹھیوں کے دروازے کی گھنٹی بجا کر وہاں کے مکینوں کے ہاتھ تازہ پھل اور سبزیاں فروخت کیا کرتے تھے......!!

دونوں اس آواز پر چونکے اور ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرا دیئے۔ کیپٹن صاحب کو اس مسکراہٹ کا مطلب سمجھ آ گیا تھا۔

جیسے ہی ریڑھی والا ویگن کے نزدیک پہنچا انہوں نے اسے رکنے کا اشارہ کیا...... تھوڑی دیر بعد ریڑھی والا ویگن کے اندر میجر افراسیاب کے پاس موجود تھا جو اسے اپنی شناخت کروانے کے بعد اس سے قانون کی مدد کی درخواست کر رہے تھے اور یقین دلا رہے تھے کہ اس کے نقصان کی اس کی توقعات سے بڑھ کر قیمت ادا کی جائے گی...... پھل فروش بھی کوئی محبِ وطن غریب آدمی تھا جس نے چیں بچیں کرنے کے بجائے فوج کے ساتھ تعاون ضروری سمجھا۔ اس نے جان لیا تھا کہ یہ لوگ کوٹھی میں داخل ہونا چاہتے ہیں جہاں تخریب کار چھپے ہوئے ہیں۔

O

جمیل کو جسکانی نے اشارے سے اس کمرے میں بلایا تھا جہاں میاں بھائی ایک صوفے پر بیٹھا شراب پی رہا تھا اور اس کے سامنے میز پر بھرا ہوا پستول دھرا تھا۔

''علی بھائی'' کمرے میں داخل ہوتے ہی جسکانی نے بھی پستول ہاتھ میں پکڑ کر اس کی

طرف لہراتے ہوئے کہا۔

''تم جانتے ہی ہو کہ ہمارے دھندے میں بعض فیصلے بادل نخواستہ بھی کئے جاتے ہیں۔ یہ بھی ایسا ہی فیصلہ ہے۔تم میری مجبوری سمجھتے ہوگے دراصل میاں بھائی کو تمہاری باتوں کا یقین نہیں آیا۔میاں بھائی میرا بھی باپ ہے۔ان لوگوں کا ایک مخبر تمہاری اور اس آدمی کی ساری گفتگو سن چکا ہے جس کے بعد انہیں شک ہوگیا کہ جس آدمی سے تم ملے تھے وہ انٹیلی جنس کا بندہ تھا جس کے بعد انہوں نے تمہیں قتل کردینے کا حکم دیا ہے......دیکھو علی بھائی! ہم لوگ ایک عظیم مقصد کے لئے اکٹھے ہوئے ہیں فرض کیا تم صحیح بھی ہو اور یہ اطلاع غلط بھی ہے تو بھی تم یہ فیصلہ قبول کرلو۔''

جسکانی کے ہونٹوں پر سفاک مسکراہٹ موجود تھی۔جمیل جانتا تھا جب اس میں درندگی آجایا کرتی تھی تب ہی ایسی مسکراہٹ اس کے چہرے پر جاگا کرتی تھی۔

''ہاں ہاں......کیوں نہیں......کیوں نہیں......تم ایک عظیم مقصد کے لئے مرنے جارہے ہو۔میں نے جسکانی سے کہہ دیا ہے کہ تمہاری موت کے بعد تمہارے قتل کا الزام ہم پاکستانی سرکار پر لگادیں گے اور ہاں مرنے سے پہلے میں تمہیں بتادوں کہ میرا تعلق ''را'' سے ہے۔میں نے حکم دیا ہے کہ تمہاری لاش کی تصویریں میڈیا سے دکھائی جائیں گی اور ہم ساری دنیا کے سامنے چلا چلا کر تمہاری بے گناہی کا ماتم کرتے ہوئے بتائیں گے کہ تم پر تشدد کرکے پاکستان انٹیلی جنس نے تمہیں موت کے گھاٹ اتار دیا......دیکھو یار......بُرا مت ماننا۔اس سے ہمارے دونوں مقاصد پورے ہوجائیں گے ایک تو تحریک کو بہت عرصہ بعد ایک بڑا شہید مل جائے گا اور دوسری طرف ہمیں پاکستان کے خلاف عالمی سطح پر پرچار کرنے کا موقع ہاتھ آجائے گا......تمہاری عظیم شہادت کا فائدہ انقلاب کو پہنچے گا اور ہاں جسکانی کو اس چکر میں مزید ہمدردیاں حاصل ہوجائیں گی۔تمہاری عظیم شہادت سے سبق حاصل کرکے بہت سے نوجوان تمہارے راستے پر چلنے کے لئے تیار ہوجائیں گے......''

اتنا کہہ کر میاں بھائی دیوانہ وار قہقہے بلند کرنے لگا۔

درندگی اس کے لعنتی چہرے پر سمٹ آئی تھی اور وہ قدیم زمانے کا کوئی پیشہ ور جلاد دکھائی دے رہا تھا۔اس نے اپنی بات مکمل کرنے پر شراب کا ایک اور گھونٹ اپنے حلق میں انڈھیل لیا تھا۔

''ہاں! علی بھائی......ایک اور بات ان لوگوں نے تمہیں بڑی اذیت ناک موت دینے کا فیصلہ کیا تھا لیکن میں نے ان سے درخواست کی ہے کہ تمہیں سسکا سسکا کر نہ مارا جائے۔تم ایسا کرو

زہر پی لو......''

جسکانی نے اس کے نزدیک پہنچ کر اس کی آنکھوں کے سامنے پستول لہراتے ہوئے کہا۔

وہ وحشیوں کی طرح میاں بھائی کے قہقہوں میں اس کا ساتھ دے رہا تھا۔

''جسکانی......تم اپنے دوست کے لئے اپنے ہاتھ سے موت کا جام تیار کرو......'' میاں بھائی نے اس سے کہا۔

اب میاں بھائی نے اس کی طرف پستول تان لیا تھا اور جسکانی نے شراب کا ایک پیک تیار کرکے اس میں قریب دھری ایک شیشی کا آدھا لیکوئیڈ انڈھیل دیا تھا۔

''معاف کرنا دوست مجھے علم ہے کہ تم نے آج تک شراب کے جام کو ہاتھ نہیں لگایا۔چلو مرنے سے پہلے یہ گناہ بھی کرلو......' جسکانی نے قہقہہ لگایا۔

دونوں شیطانوں کے قہقہوں سے کمرے کی چھت گونجنے لگی تھی......'' انسپکٹر جمیل کے صبر کا پیمانہ اب لبریز ہوچکا تھا۔

''دیکھو جسکانی......تمہاری حیثیت تو ایک زرخرید کتے سے زیادہ کچھ نہیں......اس لئے میں تمہارے منہ نہیں لگ رہا لیکن تمہارے اس باپ کو بتادینا چاہتا ہوں کہ زندگی موت کا فیصلہ کوئی انسان کرنے کا اختیار ہی نہیں رکھتا۔یہ فیصلہ تو خدا کی ذات نے کرنا ہے اور ہاں......میاں بھائی تم جو کوئی بھی ہو یہ بات غور سے سن لو کہ تمہارا شک بالکل درست ہے اور میں وہی ہوں جو تم سوچ رہے ہو......میں گزشتہ چھ ماہ سے جسکانی کے ساتھ ہوں اور اس کے ایک ایک پل کی خبر ہمیں ہے......اس پر ابھی تک اس لئے ہاتھ نہیں ڈالا گیا کہ ہم تمہارے تربیت یافتہ تمام چوہوں کو بل سے نکال کر گھٹیا موت مرنے پر مجبور کردیں......تم اپنے آپ کو بہت ہوشیار سمجھتے ہو لیکن اب تمہیں علم ہوگیا ہوگا کہ تم پرلے درجے کے گدھے ہو اور جو تمہارے اشاروں پر بندروں کی طرح ناچ رہے ہیں وہ تم سے بھی بڑے گدھے ہیں۔یہ غدار اپنے انجام سے نہیں بچ سکیں گے۔اس نے خود تو مرنا ہی تھا تمہیں اپنے ساتھ کتے کی موت مروادے گا''۔

انسپکٹر جمیل کی بات کے خاتمے پر ایک لمحے کے لئے میاں بھائی نے جسکانی کی طرف دیکھا، یوں لگتا تھا جیسے اس کا سارا نشہ ہرن ہوگیا ہو۔

''بکتا ہے سالا! مرنے سے پہلے پاگل ہوگیا ہے......موت کے صدمے نے اس کا دماغ

خراب کردیا ہے'' جسکانی نے قہقہہ لگایا تو میاں بھائی کے تنے ہوئے اعصاب کچھ ڈھیلے ہو گئے تھے۔

O

اچانک ہی دروازے پر لگی کال بیل کی آواز نے انہیں چونکا دیا۔ اس کے ساتھ ہی پھل سبزی والا...... تازہ پھل، سبزی والا...... کی آواز بلند ہوئی۔ ''اسے بھی اس وقت مرنا تھا''۔ جسکانی بڑبڑایا۔

گھنٹی کی آواز پر دروازے پر موجود پہرے داروں نے باہر جھانکا جہاں سبزی والا کھڑا تھا۔ وہ جانتے تھے جب تک اسے دروازہ کھول کر یہ نہیں کہیں گے کہ انہیں کسی چیز کی ضرورت نہیں یہ کم بخت واپس نہیں جائے گا۔

انہیں یہ بھی خوف لاحق تھا کہ اگر اس نے دوسری گھنٹی بجائی تو جسکانی ان دونوں کی گھنٹی بجادے شراب نوشی کرتے ہوئے کسی بھی لمحے اس کا دماغ خراب ہونے کا خطرہ موجود رہتا تھا۔

''ابے جا بے جا...... کچھ نہیں چاہئے''

ایک مسلح پہرے دار نے دروازہ کھول کر کہا۔ اچانک ہی وہ چونکا ریڑھی والے کے دونوں طرف اس کے دو اور ساتھی بھی موجود تھے جن کے ہاتھوں میں پکڑے ریوالوروں کا رُخ اس کی طرف تھا۔

''کون ہو تم؟''

ابھی بمشکل اس کے منہ سے نکلا تھا جب ریڑھی والا ہوا میں اڑتا ہوا اس پر گرا اور اسے زمین چاٹنے پر مجبور کر دیا۔ دوسرے پہرے دار نے چاہا کہ کندھے سے لٹکی کلاشنکوف سیدھی کرے لیکن یہ حسرت اس کے دل میں ہی رہ گئی۔ اس پر بیک وقت دو کمانڈوز جھپٹے اور بے چارے کو منہ سے آواز نکالنے کی مہلت بھی نہ مل سکی۔

دونوں نے بے ہوش ہونے سے پہلے آخری منظر یہی دیکھا کہ برق رفتاری سے سات آٹھ کمانڈوز اندر بھاگے چلے جا رہے تھے۔ ان کے قدموں کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی لیکن چند لمحوں میں وہ موت کے فرشتوں کی طرح اپنی اپنی پوزیشن پر پہنچ چکے تھے۔

O

جسکانی کسی غیر ارادی خوف کے تحت اچانک ہی دروازہ کھول کر باہر کی پوزیشن دیکھنے لگا

تھا جب اچانک اس پر آفت ٹوٹی۔ دروازے پر کھڑا کمانڈو اس پر آکٹوپس کی طرح جھپٹا اور اسے اپنی گرفت میں لے لیا۔

میاں بھائی نے چاہا کہ اپنے سامنے والا پستول اٹھا لے لیکن انسپکٹر جمیل نے بجلی کی سی پھرتی سے اس کے سامنے رکھی میز کو زوردار ٹھوکر ماری اور میز الٹ گئی۔ پستول اور شراب کی بوتل فرش پر جا گری۔

میاں بھائی نے چاہا تھا کہ پستول جھپٹ لے لیکن اس کی یہ حسرت دل ہی میں رہ گئی۔ دروازے سے اندر داخل ہونے والے دوسرے کمانڈوز بجلی کی طرح اس پر لپکے، انہوں نے اسے اس طرح جکڑا تھا کہ میاں بھائی زہر بھی پھانکنا چاہتا تو ایسا نہ کر پاتا۔ وہ اپنی مرضی سے اپنے جسم کو جنبش دینے کے لائق بھی نہیں رہا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ اس کی پشت پر انہوں نے ایک چھوٹی سی مضبوط رسی سے اس طرح باندھ دیئے تھے کہ میاں بھائی گردن ہلانے لائق نہیں رہا تھا۔

''ویل ڈن جمیل''...... اچانک ہی میجر صاحب کمرے میں داخل ہوئے تھے۔ ان کی شکل پر نظر پڑتے ہی انسپکٹر جمیل کا ہاتھ بے اختیار سلام کے لئے اٹھ گیا......

''کیوں میاں بھائی...... میں نے کیا کہا تھا...... میں نے کہا تھا کہ پاگل میں نہیں ہوا، پاگل تو تمہارے حکمران ہو گئے ہیں جنہوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ شاید وہ ہمیں ایک چھوٹا اور کمزور ملک جان کر کھا جائیں گے لیکن وہ نہیں جانتے کہ ایک چھوٹی سی چیونٹی ایک پہاڑ جیسے ہاتھی کے لئے کیا مسائل پیدا کر سکتی ہے......''

انسپکٹر جمیل جوش غضب میں جانے کیا کچھ بولتا جا رہا تھا۔

''چلئے مسٹر شرما...... ہم بھی بہت مدت سے آپ کے منتظر تھے''...... اچانک ہی جمیل کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے مطمئن رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے میجر افراسیاب نے میاں بھائی سے کہا۔

میجر افراسیاب کے منہ سے اپنا اصلی نام سن کر شرما کی رہی سہی ہمت جواب دے گئی۔ اس نے مایوسی سے سر جھکا لیا۔

تھوڑی دیر بعد ہی وہ آرمی کی ایک جیپ میں میجر افراسیاب کے ساتھ عازم سفر تھا۔ اس کے باقی ساتھیوں کو اس سے الگ کر دیا گیا تھا جبکہ جسکانی کو کمانڈوز اپنے ساتھ ہی ویگن میں بٹھا کر لے گئے تھے۔

O

شرما کو آنکھوں پر پٹی باندھ کر یہاں تک لایا گیا تھا لیکن اس کے دماغ پر کوئی پٹی نہیں بندھی تھی کہ وہ ذہنی طور پر مفلوج ہو جاتا۔ اس نے اپنے مکمل ہوش و حواس کے ساتھ حملہ آوروں کے آفیسر کو اپنے نام سے خود کو مخاطب کرتے سنا تھا..... اس نے ''علی بھائی'' کو بھی جمیل کے نام سے مخاطب کیا تھا۔

جسکانی نے تو اسے تین گھنٹے یہی سمجھانے میں لگا دیئے تھے کہ یہ شخص جو ویٹر کے روپ میں یہاں موجود ہے اس کا نام علی ہے جو ایک مفرور قاتل ڈاکو اور اب اس کا جانثار ساتھی ہے جس نے دو تین مرتبہ اپنی جان پر کھیل کر اسے پولیس کے ہاتھوں مرنے سے بچایا ہے..... یہ شخص چھ ماہ سے جسکانی کے ساتھ تھا۔

اب شرما کو اچھی طرح سمجھ آ گئی تھی کہ گزشتہ پانچ چھ ماہ سے ان کی طرف سے اتنی زیادہ امداد ملنے کے باوجود ان کے تربیت یافتہ تخریب کار کوئی دھماکہ کیوں نہیں کر سکے تھے، ان کے سارے منصوبے اتنی آسانی سے کیسے بے نقاب ہو جاتے تھے.....!

یہ آئی۔ ایس۔ آئی والے بڑے خطرناک لوگ تھے..... اس کی توقعات سے کئی گنا زیادہ ہوشیار اور مستعد تھے۔ انہوں نے ''را'' میں بہت دور تک رسائی حاصل کر لی تھی۔

شرما نام سے اسے مخاطب کرنے والا اس دنیا میں سوائے سوامی مہاراج کے اور کوئی نہیں تھا۔ سوامی مہاراج جو ''را'' کا بہت بڑا عہدے دار تھا اس کا ''باس'' بھی تھا۔

شرما کے تو کئی نام تھے لیکن اس کے انتہائی خاص لوگوں کو اس کے شرما ہونے کا علم تھا؟ کیا ان لوگوں کے ہاتھ سوامی مہاراج کی گردن تک پہنچ گئے ہیں؟ کیا انہیں ''را'' کے اس محفوظ ترین (Safe House) کا علم ہو گیا ہے؟ یہ لوگ وہاں تک کیسے پہنچ سکتے ہیں؟

شرما تو اس سوچ سے ہی لرز اٹھا کہ آئی۔ ایس۔ آئی کی رسائی سوامی مہاراج تک ہو گئی ہے کیونکہ ''را'' کا غیر ممالک میں بچھا ہوا جال اس آشرم کے سہارے چل رہا تھا۔ سوامی مہاراج کے ذریعے تو ''را'' غیر ممالک میں آپریٹ کرتی تھی۔ اسے رہ رہ کر انسپکٹر جمیل کی باتیں یاد آ رہی تھیں۔

''جسکانی..... گدھے کے بچے تو نے ہمیں مروا دیا''

اس نے دل ہی دل میں جسکانی کو موٹی سی گالی دی اور عہد کیا کہ اگر وہ کبھی زندہ اپنے

ملک پہنچ گیا تو جسکانی کو پاکستان جیل میں ہی مروا ڈالے گا خواہ اس کی کچھ بھی قیمت ادا کرنی پڑے۔

اسے راتوں رات آنکھوں پر پٹی باندھ کر نجانے کہاں پہنچا دیا گیا تھا۔ رات کو کسی نے اسے کچھ نہیں کہا۔ اسے معمول کے مطابق اس کے سیل میں کھانا پہنچایا گیا۔

شرما جانتا تھا کہ اس کے کسی سوال کا کوئی جواب یہاں سے نہیں ملے گا..... اس لئے اس نے کسی سے کوئی سوال نہیں پوچھا۔ دوسرے روز صبح ناشتے کے بعد اس کی ملاقات میجر افراسیاب سے ہوئی۔

''میرا خیال ہے مسٹر شرما آپ کو سوچنے سمجھنے کے لئے خاصا وقت مل گیا ہے''۔ اس نے شرما کی شکل پر نظر پڑتے ہی کہا۔

''دیکھو مسٹر! تم جو کوئی بھی ہو..... تم نے قانونی دستاویز پر سفر کرنے والے ایک غیر ملکی کو ناجائز حراست میں رکھا ہوا ہے اور یہ بین الاقوامی قوانین کی صریحاً خلاف ورزی ہے.....''

شرما بھی اپنے پیروں پر کھڑا تھا۔

''اچھا..... مسٹر شرما! تم نے بہت عقل مندی کی جو مجھے اس بات سے آگاہ کر دیا، واقعی میں نے بڑی غلطی کی ہے۔ میرے خیال سے تمہیں رہا کر دینا چاہئے..... شاید اس طرح ہماری غلطی کی تلافی بھی ہو جائے..... کیا خیال ہے تمہارا؟''

میجر افراسیاب نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''میں آپ کو وارننگ دیتا ہوں کہا اگر میرے ساتھ کوئی زیادتی ہوئی تو اس کے خلاف سفارتی سطح پر زبردست احتجاج ہوگا..... آپ لوگ مجھے جانتے نہیں..... میں کوئی معمولی آدمی نہیں ہوں''.....

شرما نے بظاہر اس کی بات سنی اَن سنی کرتے ہوئے کہا۔

''مسٹر شرما.... اب آپ یہ تو نہ کہیے کہ ہم آپ کو جانتے بھی نہیں..... اگر نہ جانتے تو اتنی تکلیف ہی کیوں دیتے۔ ہمیں اس بات کا بھی علم تھا کہ آپ کوئی غیر معمولی آدمی نہیں ہیں۔ ہم نے اس بات کا اہتمام کر لیا ہے کہ آپ کی غیر معمولی حیثیت کے پیش نظر آپ کو غیر معمولی موت سے دو چار کیا جائے..... مسٹر شرما! کیا خیال ہے تمہیں اس بنگلے میں واپس لے جا کر سانپ سے ڈسوا دیں لیکن وہاں ہی کیوں کسی فائیو سٹار ہوٹل کے کمرے میں کیوں نہیں، سانپ تو کہیں بھی آ سکتے ہیں۔

مسٹر شرما بچے نہ بنو...... تمہیں علم نہیں کہ تم کہاں پھنس گئے ہو...... یہاں سے بچ کر نہیں جا سکتے۔ مجھے کل آنے والے مال کی جگہ کا پتہ چاہئے...... آج تم یہ بتاؤ گے...... یہ میں کہہ رہا ہوں۔ تم نے اندازہ کر لیا ہوگا کہ ہم جو بات کہتے ہیں اسے منوانے کی ہمت بھی رکھتے ہیں...... مسٹر شرما مجھے کل ''را'' کی طرف سے تخریب کاری کے لئے آنے والے سامان کی تفصیل اور جگہ کا صحیح صحیح پتہ چاہئے...... سمجھے تم؟...... اور ہاں...... یہ بات ذہن میں رکھنا کہ ہم نے سوامی مہاراج کے آشرم میں آنے والے تم جیسے تمام گدھوں پر مکمل نظر رکھی ہوئی ہے...... شرما! تم بھول رہے ہو کہ تمہارا مقابلہ کس قوم سے ہے''۔ اچانک ہی میجر افراسیاب کو ایک خیال سوجھا اور اس نے اندھیرے میں تیر چلا دیا۔

''بے وقوف تم لوگوں کو علم ہی نہیں کہ سوامی کے آشرم سے بھاگنے والی لڑکی گیتا انجلی ہمارے لئے کئی برسوں سے کام کر رہی تھی...... جب اس کا کام پورا ہو گیا ہم نے اسے واپس بلا لیا...... جانتے ہو تم''......

شرما کے دماغ پر اس بات نے پوری قوت سے ہتھوڑا چلا دیا۔ تو کیا گیتا انجلی پاکستان کی انٹیلی جنس کے لئے کام کر رہی تھی؟ اس نے سوچا......

''تبھی تو وہ اس طرح آسانی سے نکل گئی...... مدن لال کو مار کر بھی نکل گئی...... اس کا مطلب ہے وہ دونوں جو اس کے ساتھ فرار ہوئے تھے دراصل اس کو نکالنے آئے تھے...... اس کا مطلب ہے......؟

اس سے آگے اس کا دماغ شل ہو کر رہ گیا۔

میجر افراسیاب اس کے چہرے کی بدلتی کیفیات کا جائزہ بڑی باریک بینی سے لے رہا تھا۔ وہ جانتا تھا شرما کے اندر کیا جنگ چل رہی ہے۔

''تم بالکل صحیح سوچ رہے ہو شرما...... وہ دونوں اس مشن پر گئے تھے''...... میجر افراسیاب کا دوسرا حملہ پہلے سے بھی زیادہ جاندار تھا۔

''دیکھو مجھے کسی بات کا علم نہیں...... میں کچھ نہیں بتاؤں گا...... شرما نے پاگلوں کی طرح چلاتے ہوئے کہا''۔

''ٹھیک ہے نہ بتاؤ...... جسکانی بتا دے گا...... میں تو تمہیں ایک موقعہ دینا چاہتا تھا کہ اپنے افسران کے دلوں میں تمہارے لئے کوئی رحم کی گنجائش پیدا کر سکوں...... مسٹر شرما! شاید تمہارا

دماغ اس صدمے سے ابھی تک سنبھل نہیں پایا...... تم نہیں جانتے کہ ہم تمہارے لئے کوئی قانونی گنجائش بھی باقی نہیں چھوڑیں گے۔ مسٹر شرما! تمہیں گولی مار کر ہم تمہاری لاش کو بھارتی ساحلوں کے نزدیک پھینک دیں گے...... بھارتی سرحد کے اندر پھینک دیں گے...... اور وہاں گولی بھی تمہیں بی۔ ایس۔ ایف (بارڈر سیکورٹی فورس) کی رائفل سے ماری جائے گی...... تمہارے ملک کی سرحد کے کم از کم ایک کلومیٹر اندر لے جا کر...... وہاں تم کون سے قانون کی دوہائی دو گے...... ہم یہ سب کچھ کر سکتے ہیں...... اگر اب تک تمہارے ساتھ نہیں ہوا تو اس لئے کہ میں ''ڈیل'' کرنا چاہتا ہوں......''

میجر افراسیاب نے اس کو ذہنی طور پر مفلوج کر دینے کے لئے بڑا زبردست نفسیاتی حملہ کیا تھا۔

''میں سوچتا ہوں......'' شرما نے اپنے سر پر دونوں ہاتھ رکھ کر کہا۔

''سوچو......'' میجر افراسیاب نے اس کے سامنے کھڑے ہو کر کہا۔

''لیکن یہاں نہیں...... مجھے تنہائی چاہئے......''

''ٹھیک ہے...... ہم تمہیں اکیلے بند کر دیتے ہیں......'' میجر افراسیاب مسکرایا۔

اس نے میز کے کونے پر لگا پش بٹن دبایا اور دو مستعد جوان اندر داخل ہو گئے۔

''اسے تنہائی چاہئے...... سوچنے کے لئے وقت چاہئے'' اس نے اپنے جوانوں کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

''او۔ کے سر!''

ان میں سے ایک نے جواب دیا اور دوسرے نے شرما کا بازو پکڑ کر اسے کھڑا کر دیا...... وہ اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر یہاں تک لائے تھے۔ اب اس طرح آنکھوں پر پٹی باندھ کر اسے واپس لے جا رہے تھے۔ انہوں نے شرما کو اسی بلڈنگ کا اندرونی حصہ دیکھنے کی بھی مہلت نہیں دی تھی۔

شرما کے ہاتھ پکڑ کر وہ اسے پانچ چھ منٹ تک چلاتے ہوئے ایک جگہ پہنچ کر رک گئے۔ انہوں نے شرکا کے بازو چھوڑ دیئے تھے۔

''تین منٹ بعد اپنی آنکھوں کی پٹی اتار لینا...... خبردار! اگر اس سے پہلے اتاری تو زندگی بھر کے لئے اندھے کر دیئے جاؤ گے......

شرما کو اپنے کانوں کے نزدیک سرگوشی سنائی دی۔ اس کے ساتھ ہی ٹھک سے لوہے کا دروازہ اس کے عقب میں بند ہو گیا۔

شرما کے لئے تفتیش کا یہ طریقہ بالکل نیا اور بڑا اذیت ناک تھا۔ ابھی تک کسی نے اسے ایک تھپڑ بھی نہیں مارا تھا اور وہ بوکھلا گیا تھا۔

اپنے اندازہ کے مطابق تین منٹ گزرنے کے بعد جب اس نے آنکھوں سے پٹی اتاری تو اسے یوں لگا جیسے وہ ساری زندگی کیلئے اندھا ہو گیا ہے۔ اس کے چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا...... گھپ سیاہ اندھیرا۔

پہلے تو شرما نے بھی سمجھا کہ دیر تک آنکھیں بند رہنے کی وجہ سے اسے کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھوڑی دیر بعد نارمل ہو جائے گا لیکن تین چار منٹ تک بھی جب اسے کچھ نظر نہ آیا تو وہ بوکھلا گیا۔

پاگلوں کی طرح اس نے تیزی سے چند قدم آگے بڑھائے تو اس کا سر کسی دیوار سے ٹکرایا اور وہ گر پڑا...... انتہائی گھبراہٹ کے عالم میں اس نے ہاتھوں سے دیواروں کو ٹٹولنا شروع کیا تو اسے اپنے اندھے ہونے کا یقین ہونے لگا...... اچانک ہی اس کے کانوں میں بھنبھناہٹ سی گونجنے لگی۔

اب یہ بھنبھناہٹ نمایاں آواز میں بدل گئی تھی۔ یہ دراصل میجر افراسیاب کے ساتھ اس کی گفتگو کا ٹیپ تھا۔ جو رُک رُک کر چل رہا تھا جس میں میجر افراسیاب نے اسے بتایا تھا کہ اسے کس طرح قانونی موت سے دوچار کیا جائے گا......!!

اندھیرے میں روشنی کی ایک کرن بھی کہیں سے نہیں آ رہی تھی۔

شرما پر اچانک ہی پاگل پن کا دورہ پڑا...... اسے یوں لگا جیسے اس کا دم گھٹ جائے گا حالانکہ سانس لینے کے لئے یہاں وافر مقدار میں ہوا موجود تھی...... اس نے دیوانہ وار چیخنا چلانا شروع کر دیا۔ وہ زور زور سے گلا پھاڑ کر گالیاں بک رہا تھا۔ پھر اس کی آواز بیٹھنے لگی۔ اچانک ہی وہاں جیسے ہزاروں سرچ لائٹیں ایک ساتھ جل اٹھیں...... یہ منظر اندھیرے سے بھی زیادہ تکلیف دہ تھا۔

''شرما! تمہارے دماغ کی نسیں پھٹ جائیں گی اور تم طبعی موت مر جاؤ گے۔ مجھے وہ جگہ بتا دو......'' ایک گونج دار آواز سنائی دی۔

''بتاتا ہوں...... بتاتا ہوں......''

شرما نے ہتھیار ڈال دیئے اس کی ساری توانائیاں ایک معمولی جھٹکے کا سامنا نہیں کر سکی

تھیں۔

میجر افراسیاب ایک جوتا مارے بغیر اسے راہ راست پر لے آیا تھا۔ ابھی اس کے پاس اور طریقے بھی موجود تھے۔ اسے زندگی میں بہت کم موقعوں پر مجرموں کے خلاف تھرڈ ڈگری کے طریقے استعمال کرنے کی ضرورت پیش آئی تھی۔

روشنیاں دوبارہ بجھ گئیں۔

اس مرتبہ جب روشنی ہوئی تو وہ معمول کے مطابق تھی شرما نے دیکھا وہ ایک کوٹھری میں بند ہے جس کا دروازہ بھی باہر سے لاک نہیں کیا گیا تھا کیونکہ یہاں کوئی پہرے دار بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ بس سیڑھیوں سے کسی کے اترنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔

اگلے ہی لمحے وہی دونوں اس کے سامنے کھڑے تھے جو اسے یہاں لے کر آئے تھے۔ انہوں نے دوبارہ شرما کی آنکھوں پر پٹی باندھی اور اس میجر افراسیاب کے سامنے لے جا کر اس کی آنکھوں سے پٹی اتار دی۔

کمرے میں اب میجر افرسیاب اور شرما ہی اکیلے رہ گئے تھے۔ اس نے سمندری ساحل کے ایک خاص علاقے کی نشاندہی کرتے ہوئے بتایا تھا کہ وہاں کل رات کے دوسرے پہر ایک لانچ آئے گی جس سے تخریب کاری کا جدید سامان پاکستان میں موجود ''را'' کے ایجنٹوں کے لئے لایا جائے گا۔

وقت مقررہ پر میجر افراسیاب کے لوگوں نے لانچ کو تخریب کاری کے سامان سمیت قابو کر لیا۔ اسے جسکانی کے دو ساتھی چلا کر لائے تھے جو ایک عرصہ سے مفرور ہو کر بھارتی انٹیلی جنس کے تربیتی کیمپوں میں پناہ گزین تھے۔ ان لوگوں نے ایسے انکشافات کئے تھے جنہیں سن کر دشمن کے مکروہ عزائم کی شدت کا اندازہ ہوتا تھا۔

میجر افراسیاب تیسرے روز ان لوگوں کو شرما سمیت مناسب ہاتھوں میں سونپ کر خان صاحب کے گھر کی طرف جا رہا تھا۔

اس نے بطور خاص عذرا کا شکریہ ادا کیا تھا اور بتایا تھا کہ اسے شرما کے ذریعے اور کئی کامیابیاں بھی حاصل ہوئی ہیں۔ اس نے وعدہ کیا تھا کہ ایک ہفتے کے اندر اندر وہ عذرا کی ملاقات شیر عالم اور بشیر سے کروا دے گا...... اب وہ اپنے اس وعدے پر عمل کرنے جا رہا تھا۔ یہ اس کے لئے

کچھ مشکل کام نہیں تھا۔

O

بشیر اور شیر عالم کو ایک ماہ تک امریکہ اور وہاں موجود سوامی مہاراج کے آشرم سے متعلق ہر طرح کی معلومات بہم پہنچائی گئی تھیں...... اس درمیان ان کے پاسپورٹوں پر ویزے لگ چکے تھے اور اب وہ قریباً ڈیڑھ ماہ بعد امریکہ کے لئے عازم سفر تھے۔ انہیں کراچی سے فلائٹ لینی تھی۔

اس عرصے میں شیر عالم نے کبھی ایک لمحے کے لئے بھی گیتا نجلی کو فراموش نہیں کیا تھا۔

میجر کیانی نے اپنی ہر ممکن کوشش اس کی تلاش کے لئے جاری رکھی تھا۔ انہوں نے بطور خاص سرحدی علاقے کے دونوں طرف اپنے ایجنٹوں کو ہدایت کی تھی کہ اگر ان کے پاس اس سلسلے میں کوئی بھی اطلاع آئے تو انہیں فوراً مطلع کریں۔ لیکن خدا جانے گیتا نجلی کو زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا تھا کہ اس کا کوئی سراغ ہی نہیں مل رہا تھا۔ میجر کیانی نے بالآخر نتیجہ اخذ کیا تھا کہ وہ خوف زدہ ہو کر روپوش ہو گئی ہے اور انہیں چاہتی کہ اس کے متعلق کسی کو علم بھی ہو اگر وہ اس کی تصاویر بھی اخبارات میں شائع کروادے تو بھی شاید وہ ان سے رابطہ نہ کرتی۔

یوں بھی اب انہیں زیادہ فکر اس بات کی تھی کہ شیر عالم اور بشیر کسی طرح امریکہ میں موجود سوامی مہاراج کے آشرم میں گھس جائیں اور وہاں آنے جانے والے پاکستانی غداروں پر نظر رکھ سکیں۔

''را'' نے غیر ممالک میں جاسوسی اور تخریب کاری کا جال پاکستان کے خلاف پھیلا رکھا تھا اسے ننگا کرنا اب ان کے لئے ناگزیر ہو گیا تھا۔ وہ ایک پروفیشنل اور محب وطن انٹیلی جنس آفیسر تھا اور اپنی تربیت کے مطابق اس کی نظر ہمیشہ مقصد پر رہتی تھی۔

اب جو شیر عالم اور بشیر اپنے مشن کے لئے جا رہے تھے۔ ان کی شکلیں آج سے چار پانچ ماہ پہلے والے شیر عالم اور بشیر سے بالکل مختلف تھیں۔ اس ڈیڑھ مہینے کے دوران ان پر خاص محنت کی گئی تھی۔ پاکستان انٹیلی جنس کی ہر ممکن کوشش تھی کہ دونوں کو آشرم میں ان کے شناسا بھی نہ پہچان سکیں اور اسے اس سلسلے میں خاصی کامیابی بھی نصیب ہو گئی تھی۔

دونوں دوسرے نام سے اور عام شہری کی حیثیت میں سفر کر رہے تھے۔ لاہور سے کراچی پہنچنے پر انہیں فلائٹ تبدیل کرنا تھی۔ لاہور سے جہاز اڑا اور دوپہر کو کراچی پہنچ گیا۔

ان کی فلائٹ چونکہ رات گئے روانہ ہوئی تھی دونوں نے یہ وقت شہر میں گھوم پھر کر

گزارنے کا ارادہ کیا تھا اور اب اپنا سامان لاکر میں رکھنے کے بعد ٹرمینل سے باہر ٹیکسی سٹینڈ کی طرف جا رہے تھے۔

ان کی نظروں کے سامنے ایئر پورٹ لاؤنج کے آگے کاریں رکیں اور ان میں آنے والے اپنے مہمانوں کو سوار کرتے یا رخصت کر کے چلے جاتے۔ اچانک ہی ایک شاندار اور قیمتی کار نے دونوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کر لی۔ اس کار سے زیادہ ان کی دلچسپی اس کے سواروں میں تھی۔

شیر عالم نے دیکھا پچھلی سیٹ سے ایک خوبصورت نوجوان اتر کر باہر آیا اور اس نے بڑے احترام سے اپنے ہمسفر کے لئے دروازہ کھول دیا۔ اس نوجوان کی ساتھی عورت کے وہاں موجود بہت سے لوگوں کو مبہوت کر کے رکھ دیا تھا اس نے نیلے رنگ کی ساڑھی پہن رکھی تھی اور جب وہ وقار سے قدم بہ قدم چلتی لاؤنج کی طرف آ رہی تھی تو یوں دکھائی دیتا تھا جیسے آسمان سے اچانک کسی خوبصورت پری نے زمین پر چلنا شروع کر دیا ہو۔

شیر عالم کو بچپن میں پڑھی پریوں کی کہانیاں یاد آ گئیں اور اسے یوں لگا جیسے اس کے بچپن کا کوئی خواب زندہ ہو گیا ہو۔ وہ ایئر پورٹ کے لاؤنج میں آ گئی تھی۔ یہ پری کسی اور کی نہیں، اس کے خوابوں کی ملکہ تھی۔ یہ اس کی گیتا نجلی تھی۔ جس کے بدن میں سنگیت کے سارے سُر سما گئے تھے جس کی ہر ادا سے سُر اور لے کے ساگر بہتے تھے۔ جس نے شیر عالم کے ساتھ اپنی زندگی کا سب سے زیادہ بھیانک سفر طے کیا تھا جسے اس نے عذرا کا نام دے کر اس کی کھوئی ہوئی شناخت واپس لوٹا دی تھی۔

لیکن یہ عذرا اب اس کی نہیں رہی تھی...... وہ بھیانک تجربہ، وہ ڈراؤنا خواب، وہ خواب جس میں ایک خوبصورت دنیا میں سفر کرتے کرتے اچانک دونوں خوفناک جن کے شکنجے میں پھنس گئے تھے اور وہ خطرناک جن گیتا نجلی کو اس سے چھین کر لے گیا تھا۔ اس جن نے اپنی ایک ہی جادو کی پھونک سے ان دونوں کو اڑا کر الگ الگ دنیاؤں میں پھینک دیا تھا۔

یہ تھی گیتا نجلی کی دنیا...... قیمتی کار...... قیمتی لباس اور گلے میں نگینوں سے جڑا خوبصورت لاکٹ...... ایک خوبصورت اور باوقار نوجوان کا ساتھ...... شاید اس کا شوہر ہوگا؟ شیر عالم نے سوچا......!

اگر یہ نوجوان گیتا نجلی کا شوہر ہے تو اس کا مطلب یہی تھا کہ قدرت نے اسے بہترین انعام سے نوازا ہے...... اس کی ساری زندگی کی تپسیا راس آ گئی تھی۔ قدرت نے اس کی جھولی میں پھل ڈال دیا تھا کہ اب شیرینیاں اس کے رنگ رنگ میں سما گئی تھیں۔

''واقعی تم اسی انعام کے لائق تھی گیتا نجلی۔قدرت کا فیصلہ کبھی غلط نہیں ہوا کرتا......یقیناً تم اس قابل تھیں۔شاید اس لئے قدرت نے تمہیں مجھ سے الگ کر دیا تھا......گیتا نجلی میری تلاش کا سفر مکمل ہوا۔میں نے تمہیں ڈھونڈ لیا......مجھے علم ہو گیا میری محنت سپھل ہو گئی۔مجھے احساس ہو گیا کہ میں کبھی تمہارا ہم منصب نہیں تھا۔شاید قدرت نے تمہیں اس خوبصورت اور باوقار نوجوان تک پہنچانے کے لئے میرا وسیلہ تلاش کیا تھا......آج سے پہلے میں یہی 'کوریئر'' (درمیانی رابطہ) کا فریضہ انجام دیتا آیا ہوں۔اب بھی قدرت نے مجھ سے یہی کام لیا......خدا کا شکر ہے گیتا نجلی تم بحفاظت اپنوں تک پہنچ گئی۔خدا کا شکر ہے کہ اس نے امانت کو اس کے حقداروں تک پہنچا دیا۔'' اس نے دل ہی دل میں کہا۔

گیتا نجلی اس نوجوان کے پہلو میں چل رہی تھی۔دونوں شاید اپنے کسی مہمان کو لینے آئے تھے اور اب اس سمت جا رہے تھے جہاں فلائٹ سے آنے والے مسافر برآمد ہوتے تھے۔نوجوان شاید اس شہر کی کوئی جانی پہچانی شخصیت تھا کیونکہ شیر عالم نے اب تک کئی ہاتھ اسے دیکھ کر ماتھے کو چھوتے دیکھے تھے۔اس کے لئے یہاں موجود بہت سے لوگوں کے دلوں میں بے حد احترام موجود تھا۔سب اسے تعظیم دے رہے تھے۔

شیر عالم کے آگے چلنے والے ایک شخص نے جو شاید مقامی انتظامیہ کا کوئی آفیسر تھا۔اس کی شکل پر نظر پڑتے ہی ''خان صاحب'' کا نعرہ لگاتا آگے بڑھا اور احترام سے ان سے ہاتھ ملا کر واپس آ گیا۔دونوں اب اپنے مسافر ساتھی کے منتظر تھے......اس درمیان شیر عالم اور بشیر دونوں ہی لاؤنج میں لگے لوہے کے جنگلے کا سہارا لئے ٹکٹکی باندھے دیکھتے رہے۔بشیر بھی شاید شیر عالم کی طرح تذبذب کا شکار دکھائی دے رہا تھا۔

اسی اثناء میں انہوں نے ایک بزرگ خاتون کے ساتھ انہیں واپس لوٹتے دیکھا جس کے ہاتھ میں پکڑا چھوٹا سا بیگ کسی اور نے احتراماً پکڑ لیا تھا۔تینوں آپس میں بے تکلفی سے باتیں کر رہے تھے۔اس درمیان بزرگ خاتون نے گیتا نجلی کا ہاتھ پکڑے رکھا۔اس کی آنکھوں اور چہرے پر گیتا نجلی کے لئے شفقت کا بے پایاں سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا......اپنی کار تک چھوڑنے کے لئے بہت سے لوگ جلوس کی شکل میں احتراماً ان کے پیچھے چلتے آئے تھے کار کا دروازہ باوردی شوفر نے کھولا۔
بزرگ خاتون گیتا نجلی کے ساتھ پچھلی سیٹ پر بیٹھنے لگیں تو اچانک ہی بشیر نے یوں قدم

اٹھایا جیسے اب تک زمین کے ساتھ کسی نے جادو سے اس کا پاؤں جکڑ دیا ہو اور اب اچانک اسے رہائی مل گئی تھی۔

اس نے چاہا تھا کہ آگے بڑھ کر گیتا نجلی کو آواز دے کر اپنی طرف متوجہ کرے لیکن شیر عالم کے مضبوط ہاتھ کی گرفت نے اسے ناکام بنا دیا......اس نے بشیر کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے آگے بڑھنے سے روک دیا تھا۔بشیر نے حیرت سے گردن گھما کر اس کی طرف دیکھا۔

''کیا بات ہے......یہ گیتا نجلی ہے......عالمے تمہاری گیتا نجلی ہے یہ......'' اس نے کہا۔

''نہیں بشیرے۔یہ گیتا نجلی تو ہے لیکن میری نہیں۔میرا تو پہلے بھی اس پر کوئی دعویٰ نہیں تھا جس کی تھی اس تک پہنچ گئی۔بشیرے! ہم تو پانڈی لوگ ہیں۔مال اِدھر اُدھر لانے اور لے جانے والے ہمارا کام تو یہی ہے کہ امانت کو اس کے مالکوں تک پہنچا دیں......گیتا نجلی جن کے لئے تھی ان تک پہنچ گئی......''

شیر عالم یوں بڑبڑا رہا تھا جیسے کسی نے اسے ہپناٹزم کر دیا ہو......

''عالمے ہوش کر یار......وہ چلی جائے گی......'' اتنا کہہ کر بشیر نے چاہا کہ اس کا ہاتھ الگ کر کے آگے بڑھے لیکن اس کے آگے بڑھنے سے پہلے گاڑی چل دی، دیکھتے ہی دیکھتے ان کی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

''عالمے تو نے یہ کیا کر دیا یار......یار مہینے سے ہم گیتا نجلی کے لئے پاگل ہو رہے تھے!......دکھائی دی ہے تو تو نے......؟''

''بشیرے! اب اس بات کو بھول جا......بس مجھے اطمینان ہو گیا کہ گیتا نجلی محفوظ ہے......شاید اس کی شادی ہو گئی ہے......'' شیر عالم نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔''ایک منٹ ٹھہرو......'' اتنا کہہ کر بشیر نے اچانک ہی اس آدمی کو اپنی طرف مخاطب کیا جو انہیں کار تک چھوڑنے کے بعد واپس آ رہا تھا۔

''بھائی صاحب......معاف کیجئے''......

''جی......'' اس شخص نے جو ایئرپورٹ سٹاف کا کوئی بڑا آفیسر دکھائی دے رہا تھا اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

''دراصل ہم ایک مسئلے میں پھنس گئے ہیں......ہم نے ان صاحب کو کہیں دیکھا ہوا ہے۔

یاد نہیں آ رہا تھا''......بشیر نے اسے کریدنا چاہا۔

''آپ کیا اس شہر میں رہتے ہیں؟''

اس شخص نے حیرانگی سے پوچھا تھا۔

''جی نہیں......ہم بزنس مین ہیں۔ اسلام آباد میں رہتے ہیں یہاں آنا جانا لگا رہتا ہے''......بشیر نے جواب دیا۔

''برادر یہ اس شہر کی بہت بڑی شخصیت ہیں۔ بیرسٹر انور خان کو نہیں جانتے۔ وہ اپنی والدہ کو لینے آئے تھے۔ ان کی والدہ بھی یہاں کے مشہور کالج کی پرنسپل ہیں۔ بڑی مشہور فیملی ہے......''
اس شخص نے تعارفی انداز میں بتایا۔

''شاید خان صاحب کے ساتھ ان کی مسز تھیں''......بشیر نے اپنی دانست میں بڑے مہذب لہجے میں کہا۔

''آپ کے خیال میں اور کون ہو سکتی ہیں......میں نے آپ کو بتایا نہیں کہ یہ بہت معزز اور شریف لوگ ہیں کمال ہے......آپ عجیب آدمی ہیں''......

اس شخص کو شاید انور خان سے متعلق ان کی جستجو ایک آنکھ نہیں بھائی تھی۔ خصوصاً آخری سوال پر تو اسے غصہ آ گیا تھا۔

''برا مت مانیے جناب......ہمیں غلط فہمی ہوئی۔ یہ وہ صاحب نہیں جنہیں ہم تلاش کر رہے ہیں''۔ شیر عالم نے معاملہ ٹھنڈا کرنے کے لئے مداخلت کی اور بشیر کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف لے گیا۔

''آ جاتے ہیں منہ اٹھا کر......گدھے کہیں کے''۔ وہی شخص بڑبڑایا اور دوسری طرف چل دیا۔

''بشیرے! اتنا کافی ہے......میرے خیال سے ہمیں اب اور جستجو نہیں کرنی چاہئے''۔ شیر عالم نے اسے ایک طرف لے جاتے ہوئے کہا۔

''عالم! یار تجھے غلط فہمی بھی ہو سکتی ہے ممکن ہے اس نے شادی نہ کی ہو......ممکن ہے کہ وہ اس خاندان کے پاس پناہ حاصل کر کے ایک گھریلو ممبر کی حیثیت سے رہ رہی ہو......''بشیر ابھی تک ناامید نہیں ہوا تھا۔

''بشیرے میرے بھائی......تو میری بات کو سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتا۔ مجھے گیتانجلی

سے شادی نہیں کرنی......میری پریشانی اس کی سلامتی تک تھی۔ یہ بات تو ثابت ہے کہ وہ نوجوان اس کے ساتھ ایک گھر میں رہتا ہے......اگر اس نے شادی نہیں بھی کی تو بھی میری خدا سے یہی دعا ہو گی کہ اس کی شادی اس نوجوان سے ہو جائے......بشیرے تم اس کی عظمت کو سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے......اس نے درندوں کے درمیان اپنے ایمان کو سلامت رکھا اور اس امید پر زندہ رہی کہ اپنے اصل کی طرف لوٹے گی......آج قدرت نے اسے یہ موقعہ دیا ہے اور اب قدرت اسے اس کی ریاضتوں کا پھل دینے والی ہے تو ہم کون ہوتے ہیں کہ درمیان میں کود پڑیں......نہیں بشیرے......یہ زیادتی ہو گی......اگر اللہ تعالیٰ نے اسے کسی بڑے انعام سے نوازنے کا فیصلہ کر لیا ہے تو تم اسے محروم رکھنے والے کون ہوتے ہو''......

بشیرے کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ شیر عالم کا کیا علاج کرے۔ اسے تو یوں دکھائی دے رہا تھا جیسے شیر عالم کا دماغ ہی خراب ہو گیا ہو......ایسا بے وقوف شخص اس نے آج تک نہیں دیکھا تھا۔

''عالمے......تمہارے حواس تو قائم ہیں نا......میرے یار یہ قربانی وغیرہ کے چکر میں نہ پڑو ساری زندگی......''

''بشیرے! اگر تم میرے دوست ہو تو دوبارہ اس موضوع پر بات نہ کرنا۔ میری یہ درخواست ہے......''شیر عالم نے اس کی بات کاٹتے ہوئے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ اس کے چہرے کی سنجیدگی اس کے ارادے کی مضبوطی کی غماز تھی......شیر عالم اس کی توقعات سے بڑھ کر عظیم ثابت ہوا تھا۔

اس کی شخصیت کے یوں تو کئی پہلو تھے لیکن یہ پہلو بشیر کے لئے بڑا چونکا دینے والا تھا۔
اس نے اس نوعیت کی جذباتی قربانیوں کی کہانیاں ناولوں میں پڑھی تھیں یا شاید فلموں میں دیکھی تھیں۔ اس کا عملی مظاہرہ آج زندگی میں پہلی مرتبہ ہوا تھا۔

شیر عالم کی طرف دیکھ کر اس نے احتراماً نظریں جھکا لیں اور ٹیکسی سٹینڈ کی طرف چلنے لگا......دونوں ایک ٹیکسی کے ذریعے صدر آ گئے تھے۔ شام تک کا وقت انہوں نے یہیں گھومنے پھرنے میں گزارا، پھر سمندر کنارے ٹہلتے رہے اور مقررہ وقت سے پہلے واپس ایئرپورٹ پہنچ گئے۔

O

رات کے آخری پہر میں وہ پی۔ آئی۔ اے کی ایک پرواز کے ذریعے نیویارک کی طرف عازم سفر تھے بشیر نے محسوس کیا تھا کہ اس درمیان شیر عالم نے گیتانجلی یا اپنے ماضی کے حوالے سے

کوئی بات نہیں کی تھی لیکن بظاہر نارمل دکھائی دینے والے اس کے جگری یار کے اندر کیا کیا طوفان جنم لے رہے تھے اور اپنے جذبات کے جوار بھاٹا میں بہنے کے باوجود اس نے کمال ضبط سے خود پر قابو پائے رکھا۔ اس مرحلے پر اپنے دوست کے سامنے کسی بھی جذباتی کمزوری کا مظاہرہ کر کے خود اپنی نظروں میں گرنا نہیں چاہتا تھا۔

اب تو بشیر کو یقین ہونے لگا تھا کہ شیر عالم نے کوئی جذباتی فیصلہ نہیں کیا تھا بلکہ بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا تھا اور اب اس پر قائم بھی تھا۔

ان کے ساتھ مختصر سا سامان تھا...... نیو یارک پر انہیں لینے کے لئے ان کے میزبان موجود ہوتے، دونوں کو اس بات کا اطمینان تھا کہ اب وہ ایک بڑے عظیم مقصد کے لئے امریکہ کی طرف محو سفر تھے۔ جہاز کی کھڑکیوں سے باہر کا منظر بڑا بھلا دکھائی دے رہا تھا۔

آسمان پر اتنے زیادہ ستارے اور ایسا بھر پور چاند انہوں نے زندگی میں شاید پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔ جہاز تاروں بھرے آسمان کے درمیان تیرتا چلا جا رہا تھا۔

O

کرنل صاحب کے سامنے میجر افراسیاب کی طرف سے شرما کی گرفتاری کی ساری کہانی اس کی طرف سے ہونے والے انکشافات سمیت موجود تھی۔ میجر افراسیاب نے شرما تک پہنچنے کے لئے اپنے دوست انور خان کی اطلاع اور اس اطلاع کا پس منظر گیتا نجلی کی مکمل کہانی کے ساتھ بیان کیا تھا۔ گیتا نجلی کی تصویر اس نے ساتھ ہی روانہ کی تھی اور کرنل صاحب قدرت کے اس کھیل پر دل ہی دل میں مسکرا رہے تھے کہ وہ بچھڑے ہوؤں کو بسا اوقات کس طرح اچانک ملا دیا کرتی ہے۔

میجر کیانی کے انٹیلی جنس یونٹس کی طرف سے ہیڈ کوارٹر کو یہی کہانی تصاویر سمیت اس درخواست کے ساتھ موصول ہوئی تھی کہ کسی بھی یونٹ کی طرف اگر گیتا نجلی کے متعلق کوئی اطلاع ملے تو فوراً انہیں مطلع کیا جائے۔

کرنل صاحب کو اس بات کا بھی علم تھا کہ شیر عالم تو ایک اہم مشن پر ملک سے باہر بھی جا چکا ہے۔ ''چلو اچھا ہوا...... جب اسے خبر ملے گی تو بے چارہ خوش ہو جائے گا''......

انہوں نے اپنی تربیت کے مطابق شیر عالم کے موجودہ انچارج آفیسر میجر کیانی کو یہ سرپرائز دینے کے لئے اپنے پاس ہیڈ کوارٹر میں طلب کر لیا تھا...... ''لو بھئی...... تمہارے سوامی کا ایک

اور گورکھ دھندہ سامنے آیا ہے اور تمہارے لئے ایک بڑی اور چونکا دینے والی خبر بھی''...... یہ کہتے ہوئے انہوں نے فائل میجر کیانی کی طرف بڑھا دی۔

''کیونکہ تم کیس انچارج ہو...... اس لئے اس معاملے میں کوئی فیصلہ کرنے کے لئے تمہاری پوزیشن زیادہ بہتر ہے...... صرف ایک بات ذہن میں رکھنا کہ سوامی کے اس بین الاقوامی فراڈ کی نشاندھی کے لئے فی الوقت شیر عالم سے بہتر کوئی آدمی نہیں...... اسے سوامی کے نزدیک رہنے کا اتفاق ہوا ہے اور اپنے کچھ غداروں کے ان لوگوں سے میل ملاپ کے متعلق زیادہ بہتر اندازہ وہی لگا سکے گا...... تم تو جانتے ہو کہ ان آستین کے سانپوں کو ان کے بل سے نکال کر باہر لانا ہماری سلامتی کے لئے کتنا ضروری ہے۔ "Any way all the best"

اتنا کہہ کر کرنل صاحب نے میجر کیانی کی طرف مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھا دیا۔ میجر کیانی نے ان سے ہاتھ ملایا اور فائل بغل میں دبا کر باہر آ گئے۔

تھوڑی دیر بعد وہ ایک دوسرے کمرے میں اطمینان سے ساری فائل کا مطالعہ کر رہے تھے۔ فائل مکمل پڑھنے کے بعد انہوں نے ایک طویل سانس لیا۔

''خدایا! تیرا شکر ہے یہ لڑکی مل گئی...... اور اس کے ساتھ شرما کی صورت میں ایک بڑا تحفہ بھی مل گیا ہے''...... انہوں نے دل ہی دل میں کہا۔

اچانک ہی قریب رکھے فون کی گھنٹی بجی ان کا ماتحت لائن پر تھا۔

''سر! (Abroad) سے نیوز ہے...... پارسل پہنچ گئے ہیں خیریت سے...... رات کو آپ سے بات کریں گے''......

''او۔ کے۔ تھینک یو''۔ میجر کیانی نے فون رکھ دیا۔

اس پیغام کا مطلب وہ سمجھ گیا تھا۔ شیر عالم اور بشیر اپنے ٹھکانے پر پہنچ گئے تھے اور اب رات کو اس سے بات کرنے والے تھے۔

''ویل۔ ویل، جنٹل مین، تمہارے لئے بڑی خبر ہے میرے پاس''...... وہ بڑبڑاتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

تھوڑی دیر بعد آرمی کے ایک جہاز میں وہ اپنی منزل کی طرف گامزن تھے۔ شام ڈھلنے تک وہ لاہور اپنے آفس میں پہنچ چکے تھے جہاں رات کو انہیں شیر عالم سے فون پر بات کرنا تھی۔

وقت مقررہ پر ان کا فون آ گیا...... شیر عالم ہی لائن پر تھا۔ میجر صاحب نے پہلے ان دونوں کی خیریت دریافت کی پھر مطلب کی بات پر آ گئے۔

''شیر عالم...... ایک زبردست خبر ہے تمہارے لئے ، سنو گے تو خوش ہو جاؤ گے''...... انہوں نے کہا۔

''سر! میں جانتا ہوں...... جو خبر آپ مجھے سنانے جا رہے ہیں وہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لی ہے مجھے بھی اس سلسلے میں ایک ضروری بات کرنی ہے۔''

شیر عالم کی بات نے میجر کیانی کو گڑبڑا کر رکھ دیا۔ ''میں سمجھا نہیں یار کیا پہیلیاں بجھوا رہے ہو''...... انہوں نے کہا۔

''سر! اگر آپ گیتا نجلی کی خبر دینے والے ہیں تو میں نے اسے کراچی ایئرپورٹ پر اس کے خاندان کے ساتھ دیکھا تھا...... کیانی صاحب! میری درخواست ہے کہ اب اس Chapter کو بند ہی کیجئے۔ مجھے اس سے زیادہ ہرگز نہ پہلے خواہش تھی نہ اب ہے نہ ہی میں یہ چاہوں گا کہ اسے میرے متعلق کچھ بتایا جائے۔ سوائے اس کے کہ میں ملک چھوڑ کر جا رہا ہوں اور اب کبھی واپس نہیں آؤں گا...... سر! یہ کچھ سیکورٹی پوائنٹ آف ویو سے بھی بہت ضروری ہے''۔

شیر عالم بڑی سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

''یار کیا مذاق کر رہے ہو؟......'' میجر کیانی کو اس کی بات کی سمجھ تو آ رہی تھی...... یقین نہیں آ رہا تھا۔

''اچھا بشیر کو فون دو......'' انہوں نے کہا۔

تھوڑی دیر بعد وہ بشیر سے اس موضوع پر بات کر رہے تھے کہ جس نے ایئرپورٹ والا واقعہ تفصیلاً دہرا کر اپنی اور شیر عالم کے عزم سے آگاہ کرتے ہوئے کہا کہ اس نے جو کہا ہے وہ کھوکھلی بات نہیں...... واقعی وہ یہی کچھ چاہتا ہے......

اس نے میجر صاحب کو بتایا تھا کہ اس نے شیر عالم کو ہر طرح ٹوہ کر دیکھ لیا ہے وہ اپنے فیصلے پر اٹل اور قائم ہے اور اس سلسلے میں مزید بات بھی نہیں کرنا چاہتا......!

میجر کیانی کی دلی خواہش تو یہی تھی کہ وہ ذہنی طور پر مطمئن ہو کر کام کرے...... انہیں یوں بھی گیتا نجلی سے زیادہ اس مشن کی کامیابی سے غرض تھی لیکن اپنا اخلاقی فریضہ سمجھتے ہوئے انہوں نے

دوبارہ شیر عالم سے بات کی۔

آدھ گھنٹہ باتیں کرنے کے بعد انہیں اس بات کا یقین آ گیا تھا کہ شیر عالم اس دنیا کا باشندہ ہو ہی نہیں سکتا۔ ضرور اس کا تعلق کسی دوسرے سیارے سے ہے کیونکہ کسی انسان سے اس نوعیت کی قربانی کی توقع اس دور میں کرنا عبث ہے۔ ان کے دل میں شیر عالم کے لئے پہلے سے موجود احترام کئی گنا بڑھ گیا تھا۔

O

دوسرے روز وہ ایک پرواز سے کراچی جا رہے تھے۔ کراچی ایئرپورٹ پر میجر افراسیاب جو انٹیلی جنس کے مقامی یونٹ کا کمانڈر تھا اپنے دوست کے استقبال کے لئے موجود تھا۔ دونوں افراسیاب کے آفس میں آ گئے تھے جہاں وہ تھوڑی دیر بعد افراسیاب کے سامنے شیر عالم، گیتا نجلی اور بشیر کی تصاویر رکھے اس کہانی کا وہ حصہ سنا رہے تھے جو ابھی تک افراسیاب تک نہیں پہنچا تھا۔

''ہوں ں ں ں......''

میجر افراسیاب نے کہانی کے آخر میں لمبا سانس لیا۔

''افراسیاب! دیکھو یار میں تو ان معاملات کو اتنا سیریس نہیں لیتا...... ہمارے نزدیک ڈیوٹی سب سے زیادہ اہم ہے اور اب اس سوامی مہاراج کے چکر میں ہی ہم نے اسے باہر بھیجا ہے...... اس بات کی تو تمہیں سمجھ آ ہی گئی ہے کہ اس شیطان پر نگرانی کتنی ضروری ہے، میں نے ہر طرح سے پرکھ کر دیکھ لیا ہے کہ شیر عالم نے جو کچھ کہا ہے وہ اس پر قائم ہے۔ اس بات کا علم تو مجھے تم سے ہوا ہے کہ اس لڑکی نے ابھی تک تمہارے دوست سے شادی نہیں کی...... میرے خیال سے شیر عالم کا فیصلہ صحیح نہیں ہے اگر اس لڑکی کی عظمت کو دیکھا جائے تو وہ واقعی اس قابل ہے کہ اس کی شادی تمہارے دوست سے ہو جائے...... اب اس معاملے کو تم نے ہینڈل کرنا ہے...... اس تک یہ پیغام پہنچ جائے کہ شیر عالم اس کی خیریت سے آگاہ ہے لیکن کوشش کرنا کہ وہ تمہارے دوست کے ساتھ ہی رشتہ ازدواج میں منسلک ہو جائے...... میرا اندازہ ہے کہ تمہارے دوست کی بھی یہی خواہش ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ شیر عالم کی یہ خواہش ہے...... مجھے امید ہے کہ تم اس معاملے کو سلجھا لو گے''......

میجر کیانی نے اپنی بات کے خاتمے پر گیند افراسیاب کی کورٹ میں پھینک دیا تھا۔

''کیانی یار...... انور خان میرا بچپن کا دوست ہے۔ ہم نے زندگی کا بڑا حصہ اکٹھے گزارا

ہے...... میں اندازہ کر سکتا ہوں کہ زندگی میں وہ اگر کسی لڑکی سے متاثر ہوا ہے تو اس کا نام عذرا ہی ہے...... لیکن اسے اس بات کا بھی علم ہے کہ عذرا کے دل میں شیر عالم کے لئے بھی جگہ موجود ہے...... وہ بڑا عظیم انسان ہے جب تک اسے قائل نہ کیا جائے کہ گیتا انجلی کی بھلائی اس کے ساتھ شادی میں ہے...... وہ نہیں مانے گا...... بہر حال مجھے شیر عالم کے اس فیصلے سے خوشی ہوئی ہے اور میں کوشش کروں گا کہ انور خان کو سمجھا سکوں۔ میں گیتا انجلی کو بھی سمجھانے کی کوشش کروں گا......'' افراسیاب نے کہا۔

''یار ہم فوجی لوگ ان معاملات میں ذرا کورے ہی ہوتے ہیں بس تم خود سمجھدار ہو۔ اس سے زیادہ میں کیا کہہ سکتا ہوں'' ...... میجر کیانی نے کہا۔

دونوں تھوڑی دیر بعد شرما سے ملاقات کے لئے جا رہے تھے جسے ''لاک اَپ'' میں رکھا گیا تھا۔ شرما کے ساتھ کچھ دیر گفتگو اور اس کی طرف سے بتائی گئی اطلاعات کو جاننے کے بعد میجر کیانی کو اس بات کا اندازہ بخوبی ہو چکا تھا کہ ان کا واسطہ کس نوعیت کے شیطانوں سے ہے۔

بھارتی انٹیلی جنس ''را'' پر پاکستان کو تباہ کرنے کا جنون سوار ہو چکا تھا۔ وہ ملک جو لاکھوں جانوں کی قربانیوں کے بعد حاصل کیا گیا تھا۔ اس ملک میں اچانک ہی غداروں نے جنم لینا شروع نہیں کر دیا تھا۔ محب وطن اور سیدھے سادے پاکستانیوں کو غداروں کی راہ پر ڈالنے کے لئے ''را'' نے بڑی جدوجہد کی تھی۔ بڑے پاپڑ بیلے تھے۔ انہیں بڑے بڑے خواب دکھا کر گمراہ کیا تھا اور اب یہ نوبت آ گئی تھی کہ وہ لوگ جن کے آباؤ اجداد نے اس ملک کے لئے بے تحاشہ قربانیاں دیں اپنا خون بہایا تھا ان کی اولادیں ہی اس کی سلامتی کو ڈسنے لگی تھیں۔ شرما جیسے ''را'' کے آفیسر اس مہم کے نگران تھے۔

یہ لوگ آئے روز پاکستان کے بڑے بڑے شہروں میں دھماکے کروا کر ان لوگوں کی برین واشنگ کر رہے تھے اور ان پر ثابت کرنا چاہتے تھے کہ وہ جب چاہیں گے اس ملک میں تخریب کاری کروا کر اپنی مرضی کے نتائج حاصل کر سکیں گے۔

میجر کیانی نے اس کی شکل پر نظر پڑتے ہی اسے پہچان لیا تھا۔ ناصر نے اسے جن خطرناک ''را'' کے آفیسروں کی تصاویر مہیا کی تھیں ان میں ایک یہ شرما بھی تھا۔ پاکستان انٹیلی جنس ان لوگوں کے عزائم سے ہمیشہ باخبر رہتی تھی تاکہ ان کے کچھ کرنے سے پہلے ہی انہیں ان کے گھناؤنے عزائم سمیت جہنم رسید کیا جا سکے......

اگلے روز صبح کی پرواز سے وہ اپنے آفس میں واپس پہنچ گئے۔ اب ان کی ساری توجہ شیر

عالم کی طرف مبذول تھی۔ شیر عالم کی طرف سے اطلاعات ملنے پر ہی انہیں غداروں اور ان کی غداریوں کی مزید تفصیلات میسر آ گئی تھیں۔

O

افراسیاب کی آمد معمول کے مطابق اچانک ہی ہوئی تھی۔ وہ اکثر اسی طرح یہاں آیا کرتا تھا کیونکہ اس شہر میں خان صاحب کا گھر اس کے اپنے گھر کی طرح تھا۔

''یار کبھی ڈھنگ کا کام کر لیا کرو۔ یہ کون سا طریقہ ہے کسی شریف آدمی کے گھر آنے کا'' اس کی شکل پر نظر پڑتے ہی انور خان نے کہا جو تھوڑی دیر پہلے ہی کام سے فارغ ہو کر گھر آیا تھا۔

''تمہیں یہ غلط فہمی کب سے ہونے لگی ہے کہ میں صرف تمہارے لئے ہی یہاں آیا ہوں...... بھئی وکیلوں سے وقت لیا جاتا ہے اپنے گھر والوں سے نہیں'' ...... افراسیاب نے جواب دیا۔

گھر کے لوگ رات کے کھانے پر اکٹھے ہوئے تھے جب اچانک ہی افراسیاب نے اپنے ہاتھ میں پکڑا بریف کیس کھولا اور اس میں سے دو تصاویر نکال کر عذرا کے ہاتھ میں تھما دیں۔ تصاویر پر ایک نظر ڈالتے ہی عذرا اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

''یہ تو...... یہ تو......''

''شیر عالم اور بشیر کی تصویریں ہیں'' اس کے منہ سے بوکھلاہٹ میں نکلے الفاظ کو میجر افراسیاب نے فقرے کی شکل میں مکمل کر دیا۔

''لیکن یہ کہاں سے ملیں آپ کو......'' عذرا نے حیرانگی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''میں نے تم سے وعدہ کیا تھا عذرا کہ میں انہیں تمہارے لئے ضرور ڈھونڈ نکالوں گا۔ شرما کی گرفتاری نے میرا کام بہت آسان کر دیا تھا اور خدا تعالیٰ نے میری لاج رکھی...... میں نے انہیں ڈھونڈ نکالا'' ...... میجر افراسیاب نے اپنی بات مکمل کی۔

''یار جلدی بات مکمل کرو...... تم نے تو عجیب سسپنس ڈال دیا ہے۔ خان صاحب نے کہا۔

''انکل! اس سے اگلی بات مزید حیران کن ہے کہ شیر عالم کو اس بات کا پہلے سے علم تھا کہ عذرا یہاں آپ کے پاس پہنچ چکی ہے...... لیکن اس کی یہ خواہش تھی کہ عذرا اس گھر میں

رہے......اس لئے اس نے ملاقات کرنا مناسب نہیں جانا......''

میجر افراسیاب نے ہمت سے کام لیتے ہوئے کہا۔ وہ ان لوگوں تک تمام اطلاعات بڑے نفسیاتی طریقے سے پہنچانا چاہتا تھا ابھی تک وہ عذرا کو ذہنی طور پر اگلی خبر سنانے کے لئے تیار کر رہا تھا۔

''لیکن میں اس سے ملنا چاہتی ہوں......'' عذرا نے بے چینی سے کہا۔

اس کے ہاتھوں سے دونوں تصاویر مسز خان نے لے کر دیکھنی شروع کر دی تھیں۔ ''عذرا! وہ ہمارے تصورات سے زیادہ عظیم انسان ہے مجھے یہ باتیں تمہارے ساتھ تنہائی میں کرنی چاہئیں تھیں لیکن اب میں سب کے سامنے سب کچھ کہہ دینا ضروری سمجھتا ہوں......پہلی بات تو یہ ہے کہ اس نے شادی کر لی ہے اور دوسری بات یہ کہ ملکی خدمات کے سلسلے میں وہ پاکستان سے باہر کسی ملک میں جا چکا ہے......بشیر کو بھی اس کے ساتھ ہی بھیجا گیا ہے......مجھے اعلیٰ حکام کی طرف سے اس کا ایڈریس نہیں بتایا گیا......لیکن میری درخواست پر ان لوگوں نے اتنی اجازت ضرور دے دی ہے کہ اگر شیر عالم چاہے تو تمہارے ساتھ فون پر بات کر سکتا ہے۔ یہ بھی اسی صورت میں اگر تم پسند کرو......اگر تم چاہو تو تمہاری طرف سے میں یہ درخواست ان لوگوں تک پہنچا سکتا ہوں۔ اس کے بعد بھی شیر عالم کی صوابدید پر ہی ہوگا کہ وہ فون پر تمہارے ساتھ بات کرے یا نہ کرے......اس کا نمبر میرے پاس نہیں ہے اس بات کا یقین کر لو......اگر میرے پاس ہوتا تو میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ ضرور تمہیں آگاہ کر دیتا......''

افراسیاب نے بڑی ہمت اور ہوشیاری سے اس تک اپنی بات پہنچا دی تھی۔ شیر عالم کی شادی سے متعلق جھوٹ اس نے جان بوجھ کر اور اس یقین کے بعد بولا تھا کہ شیر عالم اب اس سے شادی نہیں کرے گا۔

اسے امید تھی کہ اس طرح ممکن ہے عذرا اس کے دوست انور خان کے متعلق کچھ سوچنے پر مجبور ہو جائے۔ عذرا نے خاموشی سے گردن جھکا لی تھی۔ وہ خلاؤں میں کچھ ڈھونڈ رہی تھی......اس کے خوبصورت چہرے پر یاسیت کے سائے لہرانے لگے تھے۔ لیکن جلد ہی اس نے خود کو نارمل کر لیا۔

جو کچھ اس کے متعلق اسے ایئر پورٹ پر انور خان کے ساتھ دیکھ کر شیر عالم نے سوچا اور کہا تھا بعینہٖ وہ بھی اس خبر کے ملنے کے بعد اس سے متعلق سوچنے لگی تھی۔ اس نے بھی تصور ہی تصور میں اسے بہت عظیم جان لیا تھا۔ اتنا عظیم شخص بھلا اس کی قسمت میں کیوں ہونے لگا؟

''خان بھائی آپ کا شکریہ کہ آپ نے مجھے یہ اطلاع پہنچائی۔ خدا کرے وہ جہاں بھی

رہے خوش رہے، اس کی زندگی کامیاب گزرے اور ساری دنیا کی خوشیاں نصیب ہوں......میری درخواست ہوگی کہ اس سے بات ہو جائے......میں بھی صرف یہی چاہتی تھی کہ اس کی خیریت سے آگاہ ہو جاؤں......'' بالآخر اس نے بڑے حوصلے سے کہا۔

ماحول پر ایک اداس سی خاموشی چھا گئی تھی......

وہ سب لوگ جو یہاں موجود تھے اس ملاپ پر سوگوار تھے۔ ان میں بیرسٹر انور خان بھی شامل تھا۔ اس حقیقت کے باوجود کہ وہ پہلی ہی نظر میں عذرا کی زلف گرہ گیر کا اسیر ہو چکا تھا......اس حقیقت کے باوجود کہ وہ زندگی میں اب کبھی اس سے الگ ہونے کا تصور نہیں کر سکتا تھا......

اسے بہرحال اس بات کا دکھ ہوا تھا کہ شیر عالم نے اتنی جلدی شادی کیوں کر لی......شاید وہ شروع ہی سے گیتا نجلی کے متعلق ایسے نظریات نہ رکھتا ہو جس کا اسے گمان تھا......بہرحال وہ جو کوئی بھی تھا بہت عظیم شخص تھا کہ ایک مرتبہ دشمن کے جبڑے سے نکلنے کے بعد پھر اپنے ملک و قوم کے لئے میدان عمل میں اتر گیا تھا۔

''کتنے عظیم ہیں یہ لوگ جو دشمن کے درمیان ہماری آنکھیں بن کر گھومتے ہیں اور اس کے گھناؤنے عزائم سے بے خبروں کو خبردار کرتے ہیں......'' انور خان نے اسے خراج تحسین پیش کیا۔

''ہاں میرے دوست افسوس تو اس بات کا ہے کہ ہمارے یہ گمنام ہیرو کبھی پردہ سکرین پر نہیں آتے......ان کے لئے کوئی انعام واکرام نہیں ہوتا......افسوس اس راستے میں اگر انہیں شہادت بھی نصیب ہو جائے تو بھی قوم سے یہ بات پوشیدہ رکھی جاتی ہے......کاش! ہم ان کی عظمت کو جان سکتے......''

افراسیاب نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

کافی وقت اس نے آج خان فیملی کے ساتھ گزارا تھا اور ماحول اب قدرے نارمل کرنے کے بعد اس وعدے کے ساتھ واپس لوٹا تھا کہ وہ شیر عالم تک عذرا کا ٹیلی فون نمبر پہنچا دے گا تاکہ وہ اس سے بات کر سکے۔

O

نیویارک کے جے۔ ایف۔ کینیڈی ایئر پورٹ پر پی۔ آئی۔ اے کا جہاز حسب روایت چھ گھنٹے لیٹ پہنچا تھا۔ دونوں زندگی میں پہلی مرتبہ امریکہ جا رہے تھے گو کہ انہیں دوران تربیت امریکہ سے متعلق بہت سی فلمیں دکھائی گئی اور باتیں بتائی گئی تھیں۔ انہیں اس بات کا بھی علم تھا کہ وہ کوئی غیر

قانونی کام کرنے نہیں جا رہے نہ ہی انہیں غیر قانونی طریقے پر یہاں بھیجا جا رہا ہے۔ وہ تو ایک غیر ملک میں جا رہے تھے۔

اپنے ملک کے آستین کے سانپوں کے تلاش میں......! ان کے میزبان ان کے استقبال کے لئے موجود تھے۔

ان میزبانوں سے غائبانہ تعارف انہیں میجر کیانی نے پاکستان میں کروا دیا تھا اور یہ بھی بتا دیا تھا کہ وہ نہ صرف ان کی رانمائی میں سوامی مہاراج کے آشرم کی طرف کریں گے بلکہ دیارِ غیر میں ان کی ہر ممکن معاونت بھی کریں گے......!

امیگریشن اور کسٹم کے مراحل بڑے جان لیوا تھے......اس لئے نہیں کہ ان کی حیثیت غیر قانونی تھی بلکہ محض اس لئے کہ ان کا تعلق ایک ایسے ملک سے تھا جس کے باشندوں کو شک کی نگاہ سے دیکھنا امریکیوں کی عادت بن چکی تھی......خود ان کے ہم وطنوں کی حرکات بھی ایسی تھیں کہ اب گندم کے ساتھ جو بھی پسنے لگا تھا۔

امریکیوں نے سب کو ایک ہی آنکھ سے دیکھنا اور ایک ہی ڈنڈے سے ہانکنا شروع کر دیا تھا۔ ان سے بھی یہاں الٹے سیدھے سوالات کئے گئے تھے اور ان کے مختصر سے سامان کی بھی اچھی طرح تلاشی لی گئی تھی......یہ لوگ ایک ایک چیز کو اس طرح الٹ پلٹ کر دیکھ رہے تھے جیسے انہیں اس بات کا یقین ہو کہ یہاں سے ضرور کوئی غیر قانونی شے برآمد ہو گی۔

''میرا نام سلیم ہے''......

گندمی رنگت اور لمبے قد کے ایک نوجوان نے مسکراتے ہوئے ان کا استقبال کیا۔ اس نے اپنے ہاتھ میں ان کے ناموں کا ایک ہولڈنگ پکڑ رکھا تھا اور اسے اس فلائٹ سے آنے والے ہر مسافر کی آنکھوں کے سامنے لہرا رہا تھا۔

''میں عابد ہوں اور یہ میرا ساتھی ہے سلمان''......شیر عالم نے اپنا اور بشیر کا تعارف کروایا۔

اس درمیان سلیم کا دوسرا ساتھی بھی وہاں آ گیا تھا جس کا تعارف اس نے طاہر کے نام سے کروایا تھا۔ میزبانوں نے ان کے دونوں بیگ تھام لئے اور انہیں پارکنگ تک لے آئے جہاں انہوں نے کار پارک کی ہوئی تھی۔

امریکہ ان کے لئے ایک نیا جہان تھا......یہاں کی کائنات ہی مختلف تھی......نیو یارک کیا تھا۔ لوگوں کا تیرتا سمندر......اس سمندر میں زمانے بھر کے رنگ جمع تھے۔ رنگ رنگ کے لوگ......نسل نسل کے لوگ......ایک دوسرے سے لاپرواہ، بے تعلق اپنی اپنی دھن میں مگن انسانوں کے اس سمندر میں بہتے چلے جا رہے تھے۔ یہاں سب جلدی میں تھے۔

کسی کو آنے کی جلدی تھی کسی کو جانے کی جلدی......لوگ چلنے سے زیادہ بھاگ رہے تھے سب ٹرین سے نکل کر تیزی سے سیڑھیاں اترتے اور بھاگتے چلے جاتے۔

کار کھڑی کر کے وہ تیز تیز قدموں سے بھاگتے چلے جا رہے تھے......دن یا رات کا کوئی ایسا لمحہ نہیں تھا جب یہاں زندگی رُکتی ہو۔ دن اور رات میں ان لوگوں کے لئے کوئی فرق نہیں تھا۔ یہاں سے زیادہ ارزاں اور سستی زندگی اور کہیں نہیں تھی۔ پانچ ڈالر کے لئے کسی کو بھی مار دینا ان کے لئے بائیں ہاتھ کا کام تھا۔

یہ لوگ جانوروں کو تکلیف میں دیکھ کر تڑپ اٹھتے تھے اور واویلا کرتے سڑکوں پر آ جاتے تھے لیکن انسان یہاں کے گلی کوچوں میں کیڑے مکوڑوں کی طرح زندگی بسر کر رہے تھے اور کسی کے کانوں پر جوں نہیں رینگتی تھی۔

یہاں کے فاسٹ فوڈ ریستورانوں پر ایک ایک دن میں اتنا اناج ضائع کر دیا جاتا تھا جس سے آدھی دنیا کے بھوکوں کا پیٹ بھر سکتا تھا لیکن کسی کو پرواہ نہیں تھی......

اس شہر میں جہاں ہزاروں ٹن خوراک کے ڈھیر روزانہ ضائع کر دیئے جاتے تھے۔ اسی شہر میں گندگی کے ڈھیروں سے انسان خوراک تلاش کر کے اپنے پیٹ کا دوزخ ٹھنڈا کرتے تھے۔

''کیا وہ زندگی کے ساتھ اتنی تیزی سے چل پائیں گے؟''

یہ تھا وہ پہلا سوال جو بیک وقت دونوں کے ذہنوں میں پیدا ہوا۔ کچھ بھی ہو۔ انہیں یہ معرکہ سر کرنا تھا۔

سلیم اور طاہر ان کے مددگار تھے۔ انہیں دونوں کے متعلق واضح ہدایات مل چکی تھیں اور ان کے لئے کسی بھی مرحلے پر جان کی بازی لگا سکتے تھے۔ پانچ چھ روز تک وہ انہیں نیو یارک کے مختلف مندروں میں گھماتے رہے۔ دونوں نے یہاں آتے ہی ہندوؤں کا روپ دھار لیا تھا۔ لیکن خود کو پاکستانی ہندو ظاہر کیا تھا۔

آٹھ دس روز بعد ان میں اعتماد پیدا ہونے لگا۔ اس درمیان انہیں ٹرینوں کے ذریعے سفر کرنے، ٹیلی فون کرنے اور مختلف سٹورز سے سودا سلف خریدنے کی تربیت حاصل ہو چکی تھی اور اب وہ اپنے کام کے لئے تیار تھے۔

O

اٹلانٹک سٹی سمندر کے کنارے آباد ایک خوبصورت شہر تھا۔

نیو یارک اور نیو جرسی کے درمیان واقع اس شہر میں دنیا بھر کے سیاح سیاحت کے لئے آتے تھے۔ اس کی ایک وجہ تو یہاں کا سمندری ساحل تھا جہاں لذت کام و دہن کا مکمل سامان میسر تھا۔ دوسری اہم وجہ یہاں کے جوئے خانے تھے...... یہ پورا شہر اپنے جوئے خانوں کے سر پر آباد تھا۔ یہاں دن رات جوا کھیلا جاتا تھا۔ شراب نوشی ہوتی تھی اور دنیا کا کیسا بھی ذوق رکھنے والے جنسی مریضوں کے لئے یہاں جنسیت کا مکمل سامان موجود تھا۔

نزدیکی شہروں نیو یارک، فلاڈلفیا، ڈیلا ویئر سٹیٹ، پنسلونیا، واشنگٹن، نیو جرسی، نیو آرک اور جرسی سٹی سے لوگ ہزاروں کی تعداد میں بسوں کے ذریعے یہاں جوا کھیلنے آیا کرتے تھے۔ آرام دہ اور لگژری بسوں کی یہ سروس ان جواریوں کی مفت سیر تھی۔ نزدیکی شہروں سے ہر روز خصوصاً ویک اینڈ پر ان جوئے خانوں کی بسیں جواریوں کو یہاں تک مفت لاتی اور پھر لے کر جاتی تھیں۔

ان جوئے خانوں (کیسینو) میں جوا کھیلنے والوں کو پھانسنے کے لئے ترغیب و تحریص کے بے شمار جال یہاں کے یہودی مالکوں نے بچھا رکھے تھے...... جن کی طرف امریکہ کے بوڑھے، جوان، بچے سب ہی کھنچے چلے آتے تھے۔

یہ لوگ بھری جیبوں سے یہاں آتے اور خالی ہاتھ واپس لوٹ جاتے۔ لیکن ان کی پیشانیوں پر کبھی ندامت کے خطرے نمودار نہیں ہوتے تھے کیونکہ یہ لوگ صرف آج کی زندگی جینے کے قائل تھے چونکہ یہ کل پر یقین ہی نہیں رکھتے تھے اس لئے انہوں نے کل کے لئے کوئی روگ بھی نہیں پال رکھا تھا۔ یہاں زیادہ تعداد ان نوجوانوں کالے رنگ کے باشندوں کی تھی جن کی زندگی کا مقصد ایک دن کے لئے منشیات کا حصول تھا اور اس کے لئے وہ ہر غیر قانونی حرکت کرنے کو جائز سمجھتے تھے......

اٹلانٹک سٹی ہوٹلوں، ریستورانوں، کیسینوں کا شہر تھا...... یہاں رہائش رکھنا کوئی بچوں کا کھیل نہیں تھا۔ اشیائے ضرورت بھی شہر کی طرز زندگی کے حساب سے مہنگی تھی۔ یہاں کا رہن سہن بھی

اس طرح کا مہنگا تھا۔ اسی لئے اسے تماش بینوں کا شہر کہا جاتا تھا۔ سوائے اس کے قدیم باشندوں کے اور کوئی یہاں گھر بنانے کی ہمت نہیں کرتا تھا یا پھر وہ لوگ تھے جن کے کاروبار یہاں لگتے تھے۔

سلیم اور طاہر نے چند روز پہلے ہی تاج محل نامی ایک کیسینو کے نزدیک ایک چھوٹی سی دکان خریدی تھی جہاں وہ ایشیائی ممالک کی بنی ہوئی چیزیں فروخت کرتے تھے...... اسی دکان پر موتی لال اور کیلاش ورما نامی دو نوجوان اگلے ہی روز ملازم ہوئے تھے۔ یہ دونوں شیر عالم اور بشیر تھے۔

دونوں کی رہائش کا مسئلہ بھی ان کے مالکوں نے حل کر دیا تھا اور انہیں اپنے ساتھ ہی اپنے اپارٹمنٹ میں ایک کمرہ رہنے کے لئے دے دیا تھا جہاں وہ بڑے اطمینان سے زندگی بسر کر رہے تھے۔

اس شہر میں آنے والوں میں زیادہ تعداد ایشیائی ممالک کے باشندوں کی ہوا کرتی تھی۔ خصوصاً مشرق بعید کے لوگ یہاں زیادہ تعداد میں آیا کرتے تھے، ان کی آمد کا مقصد پہلے تو یہاں جوا کھیلنا اور عیاشی کرنا ہی رہا ہو گا لیکن گزشتہ دو سال سے ان کی دلچسپی کا ایک اور سامان بھی یہاں موجود تھا، یہ تھا سوامی مہاراج کا آشرم......!

یہ سوامی مہاراج مافوق الفطرت قوتوں کا مالک تھا اور یہاں آنے والے اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے تھے۔ سوامی مہاراج بھارت کا باشندہ تھا لیکن اسے امریکی گرین کارڈ کی سہولت بھی حاصل تھی۔ اس کا آنا یہاں مہینوں بعد ہوتا تھا۔ کبھی یورپ کے کسی ملک میں اور کبھی یہاں امریکہ میں...... اس کی غیر موجودگی میں اس کے مقامی امریکن چیلے اور چیلیاں آشرم کے نگران ہوتے اور اس کے معاملات کو چلاتے۔

مہاراج سوامی کے ہر آشرم میں اس کے جانشین بھارتی ناگرک موجود ہوتے تھے۔ یہ لوگ بھارت سے یہاں آ کر آشرم کا اس کی غیر موجودگی میں چارج سنبھالتے تھے۔ بھارت سے یہاں آنے والے مختلف سفارتی مشنوں کے لوگ بھلے بھارت میں سوامی جی کے درشن کبھی نہ کریں لیکن یہاں آ کر انہیں ماتھا ٹیکے بغیر واپس نہیں جایا کرتے تھے۔

یہ بات تو وہ دونوں ہی سمجھ سکتے تھے کہ یہ لوگ بطور خاص سوامی مہاراج کے درشن کیوں کرنے آتے ہیں؟ سوامی مہاراج کے چیلوں میں یوں تو ہر طرح کے ناگرک شامل تھے۔

بھارتی سفارتکاروں کی بڑی تعداد ان کے درشنوں کو آتی رہتی تھی۔ یہ سفارتکار زیادہ تعداد میں انٹیلی جنس کے لوگ ہوتے تھے جنہیں اس سے زیادہ محفوظ (Cover) اس ترقی یافتہ ملک

میں اور کوئی نہیں مل سکتا تھا۔

آج بھی بھوپت لال ان کے درشنوں کو آیا تھا کیونکہ اسے خبر ملی تھی کہ سوامی مہاراج آن پنے آشرم میں پدھاریں گے۔ وہ قریباً تین ماہ بعد واپس لوٹے تھے۔ بھوپت لال کہنے کو تو بھارتی سفارتخانے میں لیبر ان افسر کے عہدے پر فائز تھا لیکن پاکستان انٹیلی جنس کو حاصل معلومات کے مطابق وہ ''را'' کا تربیت یافتہ افسر تھا جسے سفارتکار کے روپ میں ایک خاص مشن پر حال ہی میں یہاں بھیجا گیا تھا۔

اس سے پہلے بھوپت لال یہی کام کینیڈا میں کرتا رہا تھا اور وہاں بڑی کامیابی سے اپنا کام مکمل کر کے اب وہ امریکہ میں آ گیا تھا کیونکہ اس کی امریکہ میں زیادہ ضرورت محسوس کی جا رہی تھی۔

O

بھوپت لال نے اپنی گاڑی آشرم کے کسی پارکنگ میں جہاں پہلے ہی سے بہت سی گاڑیاں کھڑی تھیں، پارک کی اور دھیرے دھیرے چلتا آشرم کی مین بلڈنگ کی طرف آ گیا۔ تمام لوگ ایک بڑے دروازے سے آشرم میں داخل ہوتے تھے جبکہ بھوپت لال اس سے ملحقہ ایک چھوٹے دروازے سے جس پر (Staff only) لکھا ہوا تھا، اندر داخل ہو گیا۔

دروازے سے لگے پہرے دار نے اس کی شکل پر نظر پڑتے ہی نظریں جھکا کر اسے پرنام کیا اور ہاتھ کی انگلی کے اشارے سے اس کی راہنمائی ایک خاص کمرے کی طرف کی...... یہاں دو رویہ قطاروں میں کمرے بنے ہوئے تھے جہاں بظاہر آشرم کے سٹاف کے لوگ رہتے تھے۔

ایک کونے میں بنے کمرے کا دروازہ اس نے آہستہ سے کھٹکھٹایا۔ اس کے دروازے پر دستک دینے کے مخصوص انداز کو شاید اندر کسی نے محسوس کرتے ہوئے دروازے کو اندر ہی ریموٹ کنٹرول سے کھولا تھا۔

کمرہ جو باہر سے بظاہر عام سا لگتا تھا اندر سے ایک لگژری اپارٹمنٹ کا نقشہ پیش کر رہا تھا جس کے ایک کونے میں آرام دہ اور قیمتی فوم کے صوفوں میں سے ایک پر سوامی مہاراج براجمان تھے جبکہ دوسرے صوفے پر ایک ڈھلتی عمر کا سکھ بیٹھا تھا۔ جس نے اپنے سر پر نیلے رنگ کی گول پگڑی باندھ رکھی تھی اور داڑھی کے بالوں کو خضاب سے سیاہ کر کے بہت زور سے اس طرح کس کر باندھ رکھا تھا کہ اس کا منہ بھی داڑھی کے بالوں کے ساتھ کھنچا ہوا نظر آ رہا تھا۔ یہ نیوجرسی گوردوارے کا

سابقہ سٹیج سیکرٹری جسونت سنگھ تھا......!

جسونت سنگھ کو امریکہ میں رہتے بیس سال ہونے کو آئے تھے اور دس بارہ سال پہلے بننے والے اس گوردوارے پر وہ اب تک عملاً قابض رہا تھا...... گوردوارے کی کمیٹی کا انتخاب ہر دو سال بعد ہوتا تھا اور ہر دفعہ وہ کامیاب ہو جاتا تھا لیکن گزشتہ دو سال سے اس کا ستارہ گردش میں آیا ہوا تھا اس کے گوردوارے پر بھی خالصتان نواز سکھوں نے قبضہ کر لیا تھا......

امریکہ میں گزشتہ تین چار سال سے ہزاروں کی تعداد میں بھارتی پنجاب سے نوجوان اپنی جانیں بچا کر پہنچنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو پولیس کے ظلم وستم سے تنگ آ کر امریکہ پہنچے تھے اور اب یہاں اپنے آزاد ملک خالصتان کے لئے سرگرم عمل تھے۔ خالصتان نواز تحریک نے بھارتی پنجاب میں بہت زور پکڑا ہوا تھا اور آئے دن یہ لوگ بھارتی فوج سے ٹکر لیتے رہتے تھے۔ اب خالصتان تحریک ساری دنیا میں تیزی سے پھیل رہی تھی اور دنیا بھر میں پھیلے ہوئے سکھ بڑی تیزی سے اس تحریک سے وابستہ ہو رہے تھے۔ اس تحریک کا گڑھ غیر ممالک کے گوردوارے تھے۔

سکھ اپنی مذہبی روایات کے مطابق ہفتے کے آخر دو دن لازماً گوردوارے میں جایا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ بھی ان کے بیشتر سماجی کام گوردواروں ہی کی مرہون منت تھے۔ اس طرح گوردوارے کو سکھوں کی زندگی میں ایک خاص اہمیت حاصل ہو گئی تھی...... یہ گوردوارے اب خالصتان نواز سکھوں کے پرچار کا مرکز بن گئے تھے۔ یہ لوگ گوردواروں کی آڑ میں اپنے مذہب اور خالصتان کا پرچار کرتے تھے اور پنجاب میں سکھوں پر ڈھائے جانے والے بھارتی فوج کے مظالم سے اپنے ہم مذہبوں کو آگاہ کرتے تھے...... جس سے مقامی سکھ آبادی میں تو بھارت خلاف نفرت پھیلتی تھی۔ امریکن میڈیا میں بھی بھارت کے خلاف خبریں آنے لگی تھیں جس سے بھارتی حکومت کے نام نہاد سیکولرازم اور جمہوریت کی قلعی کھلنے لگی تھی۔

''را'' اب ایک خصوصی پلان لے کر میدان میں اتری تھی کہ جس طرح بھی ممکن ہو گوردواروں پر بھارت نواز سکھوں کا قبضہ کروا کر وہاں سے خالصتان نواز سکھوں کو نکال باہر کیا جائے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے دوسرا محاذ سنبھال لیا تھا جس میں ان سکھوں کی زبانی پاکستان کے خلاف پرچار اور پاکستانی سفارت خانوں کے سامنے مظاہرے کرنا شامل تھا...... تاکہ دنیا کو دھوکہ

دیا جاسکے کہ مقبوضہ کشمیر اور خالصتان میں چلنے والی تحریک آزادی دراصل پاکستان کی سپانسرڈ تخریب کاری ہے۔

سوامی مہاراج اس مرتبہ خود میدان میں اترا تھا۔ اس سے پہلے وہ ایسے کام اپنے ماتحتوں سے ہی کروایا کرتا تھا لیکن اب بھارتی حکومت خاطر خواہ نتائج کے حصول کے لئے کچھ بھی کر گزرنے پر تلی نظر آ رہی تھی...... جسونت سنگھ کی یہاں آمد بھی اسی سلسلے کی کڑی تھی۔

''کیا حال ہے بھوپت رائے...... ابھی تک تم مرے نہیں...... سالے اتنی شراب پینے اور عیاشی کرنے کے بعد بھی تم جوں کے توں ہی دکھائی دے رہے ہو، کون سا تحفہ تمہارے ہاتھ لگ گیا ہے...... کچھ ہمیں بھی بتاؤ'' سوامی مہاراج شاید بھوپت رائے کا پرانا شناسا تھا...... دونوں خاصے بے تکلف دکھائی دے رہے تھے۔

''مہاراج آپ کی کرپا ہے...... سب آپ ہی کا دیا ہوا ہے...... ہم تو آپ کا جوٹھا کھانے والے ہیں''...... بھوپت رائے نے بے شرمی سے دانت نکالتے ہوئے جھک کر اس کے پاؤں چھوئے۔

''اسے جانتے ہو''...... ''انہیں کون نہیں جانتا سوامی مہاراج''......

بھوپت رائے نے اس کی طرف دیکھا اور دونوں نے ایک دوسرے کو ہاتھ باندھ کر نمسکار کیا۔

''ابے اپنے لوگوں کے ہوتے ہوئے تمہیں کس بات کی کمی ہے...... بھوپت رائے جب جسونت سنگھ اور تجھ جیسے شیطانی دماغ اکٹھے ہو جائیں تو بھی کچھ نہ کر سکیں...... کتنے شرم کی بات ہے...... آخر کمی کس بات کی ہے''...... سوامی مہاراج نے اپنے سامنے والی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''سوامی مہاراج کمی تو صرف مایا کی ہے...... آپ جانتے ہیں اس دیش میں ڈالر کے بغیر تو ماں بچے کو نہیں پہچانتی''...... اس مرتبہ جسونت سنگھ نے جواب دیا۔

سوامی نے اس کی بات کا جواب دینے سے پہلے اپنے دائیں ہاتھ چھوٹی سی میز پر رکھا بریف کیس کھٹاک کی آواز سے کھولا اور ڈالروں کی پانچ گڈیاں اس کی طرف اس طرح باری باری پھینکیں جیسے کتے کی طرف ہڈی پھینکی جاتی ہے۔

جسونت سنگھ نے ندیدے کتے کی طرح انہیں جھپٹ کر اپنے سامنے رکھ لیا تھا۔

''دیکھ ابے جسونتے...... اس مرتبہ سٹیج تیرے قبضے میں آنا چاہئے۔ اگر اس مرتبہ بھی گریوال گوردوارے پر قابض ہو گئے تو سالے یاد رکھنا تیری ہڈیوں کا سرمہ بنوا دوں گا۔ تو یہ جانتا ہے کہ تیری تینوں لڑکیاں بھارت میں ہمارے پاس یرغمال ہیں...... سالے! کتے کے پلے مجھے اپنا یورپ کا دورہ چھوڑ کر یہاں تیرے لئے آنا پڑا ہے...... سمجھا تو......''

سوامی نے جسونت سنگھ کو گالیاں دیتے ہوئے کہا۔

جسونت سنگھ اس طرح بے غیرتی سے اس کی گالیوں پر دانت نکال رہا تھا جیسے اسے گالیاں نہیں بلکہ گھی شکر مل رہا ہو۔ ''اور ہاں اسے پہچان لے......'' اس نے بھوپت رائے کی طرف اشارہ کیا......

''اب یہ تیرا باس ہوگا...... اس کا ہر حکم ماننا ہے۔ ہر قیمت پر...... سالے ذرا چوں چاں کی تو یاد رکھنا......''

آٹھواں باب

اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اس طرح اسے گھورا کہ جسونت سنگھ سہم کر رہ گیا۔ جسونت سنگھ بھارتی حکومت کا زرخرید کتا تھا...... وہ گزشتہ تین چار سال سے اپنی کمیونٹی کے خلاف ان کے لئے جاسوسی کرر ہا تھا اور بظاہر خالصتان نواز سکھ بن کر وہ اپنے ہی بھائی بندوں کے خلاف کام کر رہا تھا۔

''جسونت سنگھ! ہمارے پاس دو لڑکے ہیں۔ نئے آئے ہیں دونوں سکھ ہیں، بڑے کام کے...... گلزار سنگھ کو تو تم جانتے ہو'' بھوپت رائے نے اسے مخاطب کیا۔

''ہاں مہاراج لیکن وہ تو فیڈریشن کا سیکرٹری ہے'' جسونت سنگھ نے حیرانی سے کہا۔

''وہ پرانی بات ہے...... میں تمہیں آج کی سماچار دے رہا ہوں...... اب وہ سالا ہمارا کتا ہے۔ ہمارے اشارے پر تمہاری طرح بھونکے گا...... میں نے اسے ہدایت کر دی ہے۔ پرسوں پولنگ ہو گی...... تمہارے پاس ساٹھ ستر گھنٹے ہیں...... ان ڈالروں میں سے آدھے بھی اگر تم نے سلیقے سے بانٹ لئے تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ تم کامیاب نہ ہو......'' بھوپت رائے نے کہا۔

''سالا ہوس کا مارا ہوا ہے...... سارا مال تو خود ہضم کر جاتا ہے جب کسی کو دے گا نہیں تو کام کون کرے گا اس کے لئے''...... سوامی مہاراج نے ان کی گفتگو میں دخل دیتے ہوئے کہا۔

''لیکن یاد رکھنا اگر اس مرتبہ سالے کامیابی نہ ملی تو آج سے پہلے کے لاکھوں ڈالر جو تو ہمیں چکر دے کر ہضم کر چکا ہے تیرا پیٹ پھاڑ کر نکال لوں گا......'' سوامی بہت غصے میں دکھائی دے رہا تھا۔

''مہاراج آپ کے حکم کی پالنا کروں گا خواہ میری جان بھی چلی جائے۔ آپ بتائیں تو سہی......'' جسونت سنگھ مسلسل ڈھٹائی سے مسکرائے جا رہا تھا۔

''گلزار سنگھ بظاہر دوسرے گروپ کے ساتھ ہے لیکن اصل میں ہمارا آدمی ہے، اس سے چھپ کر ہی رابطہ رکھنا...... اسے علم ہو گا کہ پوزیشن کیا جا رہی ہے اگر مخالف گروپ جیتنے لگے تو ہنگامہ کروا دینا...... یہ کام مقامی کالوں سے کروانا یا اپنی برادری سے یہ تمہارا سر درد ہے...... لیکن یاد رکھنا ہو گا وہی جو ہم چاہیں گے......''

''ٹھیک ہے مہاراج...... میں چلتا ہوں...... مونڈوں میں پیسے بانٹنے ہیں'' جسونت سنگھ نے ڈالروں کی گڈیاں اپنے بریف کیس میں منتقل کرتے ہوئے کہا۔

''خیال رہے کہ جسونت سنگھ یہاں اس مرتبہ سوامی مہاراج خود پدھار رہے ہیں۔ اگر معاملہ گڑبڑ ہوا تو...... تم جانتے ہی ہو''......

بھوپت رائے نے بڑے سفاک لہجے میں کہا۔ ''جانتا ہوں مہاراج...... جانتا ہوں'' کہتے ہوئے جسونت سنگھ نے جھک کر سوامی مہاراج کے قدموں کو چھوکر اور الٹے قدموں چلتا دروازے تک پہنچ گیا۔ دروازہ سوامی کے ہاتھ میں پکڑے کنٹرول سے کھلا اور اس کے باہر نکلتے ہی بند کر دیا۔

O

بھوپت رائے شرما سالا کچا آدمی نکلا۔ اس نے تو جسکانی کو بھی مروا دیا اور مال بھی پکڑوا دیا...... یار ایسا کمزور تھا سالا! میں نے تو کبھی زندگی میں سوچا بھی نہیں تھا...... دو جوتے کھائے اور طوطے کی طرح بکتا چلا گیا...... بہر حال معاملہ ادھر خاصا بگڑ گیا ہے...... اس مرتبہ میرا ارادہ ہے کہ آئی ایس آئی والوں کو ادھر بھارتی سرحدوں میں الجھائے رکھو اور یہاں امریکہ سے کوئی لائن چلاتے ہیں...... ڈی جی سے میں نے سارا پلان ڈسکس کر لیا ہے...... اور ہاں اب اپنے یار سشمی کو ذرا (Active) کر دے...... اب اس سے کام لینے کا وقت آ گیا ہے......''

جسونت سنگھ کے باہر نکلتے ہی سوامی مہاراج نے بھوپت رائے کو بتانا شروع کر دیا۔ بھوپت رائے اس کے سامنے اس طرح ہاتھ باندھے بیٹھا تھا جیسے اس کا زرخرید غلام ہو۔

''ادھر ایمبیسی میں کوئی شور شرابا نہیں چاہئے مجھے...... اچھی طرح سمجھ لینا...... وہاں تمہارے آدمیوں میں بہت سے پاکستانیوں کے ہاتھ بک چکے ہیں...... سالو! تمہیں علم بھی ہے یہاں آنے سے پہلے آدھے سے زیادہ خفیہ پیغامات کی فوٹو سٹیٹ کاپیاں تو پاکستان میں چلی جاتی

ہیں......تم کیا جھک مار رہے ہو......اب کان کھول کر سن لو، اب کوئی بزنس وہاں ایمبیسی کی عمارت میں نہیں ہوگا......نہ سکھوں کا......نہ پاکستانیوں کا......میں یہاں آ گیا ہوں اور میں یہاں دو ماہ سے زیادہ نہیں رہوں گا......ادھر انڈیا میں ''ویشنو ماتا'' کا میلہ شروع ہو جائے گا تو مجھے سنگت میں واپس جانا ہوگا......شمسی کو تم لوگوں نے بڑا مال کھلا دیا ہے، اب اس سے کام بھی لو......''

سوامی مہاراج نے اپنی بات مکمل کی......

''مہاراج آپ تو جانتے ہیں میں نے شمسی کو کسی بڑے کام کے لئے بچا رکھا ہے......جہاں تک اسے قابو کرنے کا تعلق ہے۔ہم نے اس کے ذریعے چار کام کروا کر اسے قابو تو کر لیا ہے......اب میں اس سے بڑا کام لینا چاہتا ہوں......'' بھوپت رائے نے کہا۔

''کیا......؟'' سوامی مہاراج نے پوچھا۔

''مہاراج ''را'' کے غداروں کو زندہ رہنے کا ادھیکار نہیں دیا جا سکتا......شمسی کی پہنچ شرما تک ہو جائے گی مجھے اس بات کا یقین ہے......وہ بڑے عرصے سے پاکستان انٹیلی جنس کے لئے کام کر رہا ہے، بڑا کامیاب آدمی ہے۔اس کے ذریعے ہم اس طرح شرما کو زہر دلائیں گے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوگی......آپ جانتے ہیں میں نے وہاں ٹورنٹو میں اس سے کیسا کام لیا تھا......دلیپ سنگھ کو اس کے ہاتھوں زہر دلایا تھا......جس روز ہمیں علم ہوا کہ دلیپ سنگھ کو پاکستانی ایجنسی والوں نے پھانس لیا ہے، ہم نے شمسی کے ذریعے سالے کو مروا دیا......کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوئی......زہر شمسی نے اسے اس کے گھر میں جا کر دیا تھا......آپ تو جانتے ہیں نا......یہی کام وہ شرما کے لئے بھی کرے گا......وہ میرے حکم سے انکار نہیں کر سکتا......اس سالے کا آدھا خاندان جس میں اس کی ماں اور بڑی بہن بھی شامل ہے، انڈیا میں ہمارے پاس یرغمال ہے......'' بھوپت رائے نے بتایا۔

''بھوپت رائے......تم نے تو یار میرے منہ کی بات چھین لی......ویل ڈن......'' سوامی مہاراج نے اس کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔

دونوں اگلے روز گوردوارے کے ہونے والے الیکشن کے متعلق پلان بناتے رہے اس مرتبہ سوامی مہاراج نے ایک خطرناک منصوبہ تیار کر لیا تھا۔

''بھوپت رائے، وہ کیا نام ہے تمہارے اس لونڈے کا۔گلزار سنگھ......ہاں ہاں وہی گلزار سنگھ اگر معاملہ بگڑنے لگے تو اس سے کہنا جسونت سنگھ کو گوردوارے کے اندر قتل کر دے......اور بھاگ

جائے......سالے کو بھاگنے کا موقعہ دو اور پھر اسے بھی مروا دینا......اس بڈھے جسونت کو تو مال دے دے کر میں تنگ آ گیا ہوں......اس کی موت سے سارا امریکن میڈیا خالصتان گروپ والوں پر حملہ کر دے گا......پھر میں دیکھوں گا سالوں کا خالصتان......بھوپت رائے کان کھول کر سن لو۔اس الیکشن پر کم از کم دو قتل ضرور ہونے چاہئیں۔باقی جتنے تم کروا دو وہ تمہارا بونس......'' سوامی نے خوفناک قہقہہ بلند کیا۔

''واہ سوامی جی مہاراج......واہ واہ! کمال کا دماغ پایا ہے آپ نے بھی......کمال کے آدمی ہیں آپ بھی......ایسا ہی ہوگا......میں نے یہ سوچا بھی نہیں تھا......''

اس مرتبہ بھوپت رائے نے خوفناک قہقہہ لگایا تھا۔

سوامی مہاراج نے اس کا ساتھ دیتے ہوئے صوفے کے کنارے لگی گھنٹی کا بش بٹن دبایا اور دروازے سے ایک کنیا اندر داخل ہوئی۔

''ہمارا شیش (شاگرد چیلا) آیا ہے''۔''سوم رس'' کا بندوبست کرو ساوتری......'' اپنے قدموں میں بیٹھی اس لڑکی کی کمر کو سہلاتے ہوئے اس نے کہا۔

لڑکی جس کا نام ساوتری تھا انہیں قدموں سے واپس لوٹ گئی......اس کی واپسی شراب کی بوتل اور پیگ کے ساتھ ہوئی۔دونوں کے لئے اس نے خود جام تیار کیا اور باری باری انہیں تھما دیا۔

''فتح کے نام پر''......

بھوپت رائے نے اپنا جام سوامی مہاراج کے جام سے ٹکرایا اور ایک ہی گھونٹ میں اسے حلق میں انڈیل لیا۔ساوتری نے جیسے ہی دوسرا پیگ تیار کر کے اسے تھمایا۔بھوپت رائے نے اسے بھی جھٹکے سے اپنے ساتھ صوفے پر گرا لیا......

''ہاہاہا''......سوامی مہاراج کا قہقہہ بلند ہوا۔

ساوتری کو بھی شاید اس کام کی خاصی تربیت دی گئی تھی وہ اس درندگی میں بھوپت رائے کا پورا پورا ساتھ دے رہی تھی اور اپنی مختلف حرکتوں سے اس کی وحشت بڑھاتی چلی جا رہی تھی......ہندو دھرم کے سوامی مہاراج کے سامنے بھوپت رائے نے اپنا گھناؤنا کھیل کھیلا جسے سوامی مہاراج دیکھتا رہا......

O

تیسرے دن سے سوامی اسے مسلسل دیکھ رہا تھا......

اس نے اپنا نام کیلاش ورما بتایا تھا......جبکہ اس کے دوسرے ساتھی کا نام موتی لال تھا......سوامی کو موتی لال تو پرلے درجے کا احمق شکل سے دکھائی دے رہا تھا جبکہ کیلاش ورما میں اس کی دلچسپی بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ کلین شیو گہری براؤن آنکھوں والے اس نوجوان کے دائیں گال پر چاقو کے زخم کا لمبا نشان بنا تھا......

ایک نشان اس کی گردن کے دائیں طرف بھی موجود تھا۔ وہ گیروی رنگ کا چولا پہن کر گردن میں سرخ رومال ڈالے سوامی کے سامنے گردن جھکائے بیٹھا رہتا۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں قیمتی پتھروں سے جڑی انگوٹھیاں اور گلے میں ایک خوبصورت مالا لٹکی ہوتی تھی جبکہ ایک اور چھوٹی سی مالا وہ اپنے ہاتھ میں پکڑے رکھتا......''

سوامی مہاراج کی جہاندیدہ آنکھوں کو اس میں کچھ کام کی بات نظر آتی تھی۔ تب ہی تو اس نے اسے اپنے خاص کمرے میں طلب کیا تھا۔ سوامی حسب دستور ایک آرام دہ صوفے پر پاؤں لٹکائے بیٹھا تھا......

نوجوان کو ساوتری اندر لائی تھی جس نے سوامی مہاراج کی شکل پر نظر پڑتے ہی ان کے قدم پکڑ لئے تھے اور اب انہیں چھوڑنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔

''اٹھو بالیکے......کون ہو تم......کس دیش سے آئے ہو؟......'' سوامی نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

نوجوان اٹھ کر اس کے قدموں کے سامنے زمین پر ہی ہندو جوگیوں کی طرح آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔

''داس کو کیلاش کہتے ہیں سوامی جی......دو سال سے یہیں دھکے کھا رہا ہوں۔ پہلے نیو یارک میں رہتا تھا اب یہاں اٹلانٹک سٹی ہی میں کام سے لگ گیا ہوں......بھگوان نے آپ کے چرنوں میں لانا تھا جو آپ کے نزدیک ہی ڈیرہ لگا دیا......یورپ دیش سے آیا ہوں سوامی! بڑی مشکل سے جان بچا کر آیا تھا۔ میرے ماتا پتا تو انہوں نے مار ڈالے......ہم لوگ ادھر پاکستان کے صوبہ سندھ میں رہتے تھے......میں ہی سنتان ہوں اکیلی سنتان (اولاد) اپنے ماں باپ کی......کسی طرح ماں نے سارے گہنے بیچ کر مجھے اس قابل کیا تھا۔ ایک ایجنٹ کو پانچ لاکھ روپیہ دے کر دھکے

کھاتا تین ماہ میں یہاں پہنچا تھا......پچھلے سال وہاں جو فساد ہوئے تھے اس میں میرے پتا جی کو انہوں نے مار ڈالا اور ماتا ان کے غم میں مر گئی......تب سے بس یہی ''رام نام'' کی مالا جپتا رہتا ہوں......من کو کہیں شانتی نہیں ملتی......اب آپ کے چرنوں میں آیا ہوں تو من کچھ شانت ہوا ہے......''

شیر عالم نے چرب زبانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

''شانتی! شانتی!''

اس نے اپنے مخصوص لہجے میں شیر عالم کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''بہت بدقسمت ہوں مہاراج! جس ماتا نے میرے لئے اپنی ساری زندگی تیاگ دی اس کی چتا کو آگ بھی نہ دے سکا۔ بہت ظلم ہوا میرے ساتھ سوامی جی......''

اس نے باقاعدہ ٹسوے بہانے شروع کر دیئے۔

''شانتی......شانتی......شانت ہو جاؤ بالیکے......بھگوان کی لیلا اپرم اپار ہے، تمہیں ضرور آنند دے گا......''

ابھی تک وہ کوئی خاص اندازہ نہیں لگا پایا تھا۔ اس سے پہلے اسے پاکستانیوں کے ہاتھ لگ چکے تھے اسے فوراً وہ دونوں نوجوان یاد آ گئے جو مدن لال کو قتل کر کے گیتا نجلی کو لے اڑے تھے اور ابھی تک ان کا کوئی پتہ نہیں چل رہا تھا۔

اچانک ہی دوسرا خیال اس کے ذہن میں آیا کیوں نہ اس گدھے کو اپنا ایجنٹ بنا لے ہندو شناخت کے ساتھ پاکستان بھیج کر اپنا الو سیدھا کرے۔ اسے اس بات سے کوئی مطلب نہیں تھا کہ یہ ہندو ہے یا مسلمان......اسے تو اپنا کام چاہئے تھا اسے کوئی بھی پورا کرے۔

''ہری اوم......ہری اوم......ہرے اوم''......

اس نے ہاتھ اٹھا کر شیر عالم کے سر پر لہرایا، یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ ملاقات ختم ہوئی اب وہ چلا جائے اور کسی دوسرے کو سوامی مہاراج کے چرن چھونے کا موقعہ دے۔ ''بالیکے! یہاں شانتی ہی شانتی ہے۔ یہ من والوں کا آشرم ہے جاؤ ساوتری بالیکے کو آشرم میں لے جاؤ......''

سوامی نے اپنی اسسٹنٹ ساوتری کی طرف دیکھ کر آنکھ دبائی۔

اس اشارے کا مطلب تھا کہ یہ ''خاص مہمان'' ہے اور مستقبل میں قربانی کا بکرا بھی

ثابت ہوسکتا ہے ساوتری بھی کوئی عام کنیا نہیں تھی...... ''را'' کی تربیت یافتہ فاحشہ تھی......

ایسی فاحشاؤں کے ذریعے ہی ''را'' دنیا کے بڑے بڑے ڈپلومیٹس کے اندر کے بھید باہر نکالا کرتی تھی۔

ساوتری اسے اپنے ساتھ لئے ملحقہ کمرے میں آئی تھی جہاں پہلے سے ایک شخص شاید اس کا منتظر بیٹھا تھا۔ اس کی شکل پر ایک نظر پڑتے ہی شیر عالم چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ یہ تو پاکستانی سفارتخانے کی ایک اہم شخصیت تھی۔

''کیسے ہو شمسی صاحب...... اچانک کیسے آنا ہوا''؟

ساوتری نے بے تکلفی سے اس کا نام لے کر مخاطب کیا تو شیر عالم کو اندازہ لگانے میں دیر نہ لگی کہ شمسی کا آنا جانا یہاں معمول کی بات ہے۔

''بس جی! سوامی جی کے درشن کرنے آیا ہوں ایک ضروری کام آن پڑا تھا'' شمسی نے انکساری سے لیکن آنکھوں ہی آنکھوں میں ساوتری کو کھا جانے والی ہوسناک نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''کوئی خاص کام ہی لگتا ہے......'' یہ کہتے ہوئے ساوتری نے اپنی ایک آنکھ بڑے زور سے دبائی تھی جسے شیر عالم نے اس طرح نوٹ کیا کہ اسے کانوں کان خبر نہ ہوسکی۔ ''اچھا میں آتی ہوں......''

یہ کہہ کر اس نے بے تکلفی سے شیر عالم کا ہاتھ تھاما اور اسے ملحقہ کمرے میں لے آئی۔ یہ بھی خاصا آرام دہ اور قیمتی ساز و سامان سے آراستہ کمرہ نظر آ رہا تھا۔ شاید اس کا ذاتی کمرہ تھا...... اب صورتحال یہ تھی کہ ایک کمرے میں شمسی موجود تھا درمیان والا کمرہ سوامی جی کے تصرف میں تھا اور اس سے ملحقہ ساوتری کے کمرے میں شیر عالم بیٹھا تھا۔

''میں آپ کے لئے چائے وغیرہ بھیجتی ہوں'' ...... یہ کہہ کر ساوتری باہر چلی گئی شاید وہ شمسی کو سوامی سے ملانے لے جا رہی تھی۔ شیر عالم صرف ان دونوں کی گفتگو سننا چاہتا تھا...... لیکن کس طرح سنے؟ اسے ابھی تک بظاہر اس کی کوئی صورتحال دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ پھر اچانک اس کی آنکھوں میں چمک جاگ اٹھی۔

اس کمرے سے گرم ہوا کا پائپ حال ہی میں دوسری طرف گزارا گیا تھا شاید ابھی کام

نامکمل تھا یا ابھی کچھ کام ہونا باقی تھا۔ شیر عالم کو یقین تھا کہ دوسرے کمرے کی دیوار میں پائپ کے لئے موجود بالکل چھوٹے سے سوراخ سے بھی اسے کچھ نہ کچھ ضرور سنائی دے گا۔

اچانک ہی دوبارہ دروازہ کھلا اور اس مرتبہ جو صورت اسے دکھائی دی اگر اس نے اس سے پہلے بھارت میں سوامی مہاراج کے آشرم میں چند روز نہ گزارے ہوتے تو شاید اختلاج قلب کا دورہ اسے پڑ چکا ہوتا۔

اپنے جسم سے قطعی بے نیاز اس سندری کی چال ڈھال اور اسے جسمانی نقوش کو جس انداز میں نمایاں کرنے والے لباس میں نیم عریاں کر کے اس کے پاس بھیجنے کا مطلب یہی تھا کہ اس کا تیر نشانے پر لگا ہے اور سوامی کی نظر التفات اس پر ٹھہر گئی ہے۔

آنے والی نے ہاتھ میں پکڑی ٹرے ایک طرف رکھ کر دونوں ہاتھ باندھتے ہوئے اتنا جھک کر اسے نمسکار کیا تھا کہ نہ چاہتے ہوئے بھی شیر عالم کی نظریں اس کے گریبان میں الجھ کر رہ گئیں لیکن وہ سنبھل گیا۔

''ساوتری دیدی نے آپ کے لئے چائے بھیجی ہے...... مجھے انوپما کہتے ہیں'' ...... اس نے چائے کی ٹرے دوبارہ سنبھالتے ہوئے اپنا تعارف کروادیا۔

''بہت خوشی ہوئی آپ کے درشن کر کے......'' اس نے انوپما کے ہاتھ سے چائے کا کپ پکڑتے ہوئے کہا۔

''میں لنگر سیوا کر رہی ہوں...... جب بھی کسی چیز کی ضرورت ہو تو آٹھ نمبر پش کر دیجئے''۔ اس نے ایک کونے میں رکھے انٹرنل ایکسچینج کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''آپ آیئے نا...... کچھ باتیں کریں گے'' ...... شیر عالم بھی خود کو اناڑی نہیں کہلانا چاہتا تھا۔

''میں لنگر سے فارغ ہو کر آتی ہوں'' ...... انوپما نے بظاہر اس کی آتش شوق بھڑکاتے ہوئے کہا اور نمسکار کر کے چلی گئی۔

شیر عالم نے چائے کا کپ ہاتھ میں پکڑا اور کمرے کے کونے میں اس طرح اپنا ایک کان اس سوراخ سے لگایا کہ اس کی آنکھیں دروازے پر لگی رہیں اور ذرا سی آہٹ پر بھی وہ فوراً اٹھ کر کھڑا ہو سکے۔

شاید ساوتری نے شمسی کو دوسرے کمرے میں سوامی کے پاس پہنچا دیا۔ ان دونوں میں گفتگو ہو رہی تھی اور سوامی خاصا غصے میں دکھائی دے رہا تھا۔ ''شمسی صاحب! ہم آپ کی سیوا میں کوئی کمی نہیں کرتے تو آپ کو بھی خیال کرنا ہوگا۔ ایک معمولی سا کام آپ کے ذمے لگا ہے اور ابھی تک وہ......''

''سوامی جی! وہ کام ہو چکا۔ اس لئے تو آیا ہوں''......دوسری آواز شمسی کی تھی جس نے سوامی کی بات کاٹتے ہوئے کہا......

''کیا پروگرام بنایا ہے؟''......سوامی نے بے چینی سے پوچھا۔

''سوامی جی......مزہ آجائے گا۔ 28 تاریخ کو فلائٹ نمبر 713 کے ذریعے انیس نامی ایک نوجوان جعلی کاغذات پر ''جے ایف کے'' آئے گا اس کے پاس ہمارے تھرڈ سیکرٹری کے نام کا ایک بیگ ہے جس میں بظاہر کچھ کپڑے رکھے ہیں لیکن بیگ کی تہہ میں ہیروئن چھپائی گئی ہے......سوامی جی......جب تھرڈ سیکرٹری صاحب کے لئے ہیروئن برآمد ہوگی تو ایک دہائی سی مچ جائے گی......آپ نے پریس کو سنبھالنا ہے......اور ایک کال ایف بی آئی والوں کو کرنی ہے اور بس......ہونہہ......سالا بڑا ایماندار بنا پھرتا ہے......مولوی کی اولاد دیکھ لوں گا اسے......''

شمسی نے اپنی بات مکمل کی تو شیر عالم سناٹے میں آگیا.........کتنا خطرناک منصوبہ تھا......اس آستین کے سانپ شمسی نے ''را'' کو خوش کرنے کا کتنا بھیانک طریقہ اختیار کیا تھا۔

''اف میرے خدایا......''

شیر عالم بڑبڑایا۔

اگر یہ اطلاع اس تک نہ پہنچی تو کیسی تباہی آجاتی۔ اس نے اپنے دماغ پر فلائٹ کا نمبر تاریخ اور مسافر کا نام نقش کر رہا تھا اور ان کی مزید بکواس سنے بغیر اپنی کرسی پر آکر بیٹھ گیا تھا۔ ابھی تک اس کے دماغ میں شمسی کی زہریلی آواز گونج رہی تھی کس طرح وہ کتے کا پلا کہہ رہا تھا کہ تباہی مچ جائے گی......اچانک ہی وہ چونکا، کار کا دروازہ کھلا اور ساوتری اندر آئی۔

''شما کیجئے......میں ذرا مصروف تھی......آپ نے اپنا پریچے (تعارف) تو کروایا نہیں......سوامی جی نے تو آپ کی خاص خدمت کا حکم دیا ہے''۔ اس نے بے ہودگی کا مظاہرہ کیا۔

شیر عالم کو فی الوقت یہ اطلاع جلد از جلد اپنے ملک تک پہنچانے کے علاوہ اور کچھ نہیں

سوجھ رہا تھا۔ بادل نخواستہ اس نے ساوتری کو بھی اپنا وہی تعارف دہرایا جو سوامی مہاراج کے سامنے دہرایا تھا اور اس سے اچانک ہی اس وقت کی اجازت طلب کی۔

''میرا جاب کا وقت ہو رہا ہے......کل ویک اینڈ پر آؤں گا......اور ہاں اس ویک اینڈ پر سوامی جی کے ساتھ بیٹھ کر ''رام نام'' کا جاپ کرنے والوں میں مجھے بھی شامل کر لیجئے......''

ٹھیک ہے لیکن اب آپ کو آشریم کی طرف زیادہ دھیان دینا ہوگا۔ سوامی مہاراج کا ''من آپ پر آگیا ہے۔ آپ کل اپنی جاب سے استعفیٰ ہی دے دیں''۔ ساوتری نے اس کی طرف دیکھ کر اپنے مخصوص انداز میں کہا۔

یہ تو اندھے ہاتھ بیڑا آنے والی بات تھی۔ شیر عالم کھل اٹھا ''ساوتری جی! میں ساری زندگی آپ کا احسان مند رہوں گا......بھگوان آپ کا بھلا کرے جو آپ نے داس (غلام) کے لئے سوامی جی کے چرنوں میں مستقل قیام کی گنجائش نکالی......'' یہ کہتے ہوئے اس نے انکساری سے واقعی ساوتری کے سامنے جھکتے ہوئے ہندوؤں کی طرح ہاتھ باندھ دیئے تھے۔

''ارے ورما جی یہ کیا کر رہے ہیں آپ''

ساوتری نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بظاہر اسے اس طرح اپنے جسم سے ٹکرایا تھا کہ شیر عالم اسے بالکل غیر ارادی فعل ہی سمجھے لیکن اس طرح اس نے شیر عالم کو اپنے جسم کا بھرپور تعارف کروا دیا تھا۔ ایک لمحے کے لئے تو شیر عالم کے سارے بدن میں سنسنی کی لہر ہی دوڑ گئی تھی لیکن وہ ان حربوں سے خاصی آشنائی رکھتا تھا۔

آشرم کے دروازے تک ساوتری اسے چھوڑنے آئی تھی۔ وہ تو شاید اس سے آگے بھی جاتی لیکن شیر عالم نے بڑے شاندار طریقے سے یہیں سے اپنی جان خلاصی کروا لی تھی۔ دروازے کے باہر بشیر گاڑی لئے اس کا منتظر تھا۔

دونوں فی الحال اپنے انٹرنیشنل ڈرائیونگ لائسنس سے ہی یہاں کام چلا رہے تھے۔ یہاں سے ان کا ٹھکانہ بھی کچھ زیادہ دور نہیں تھا۔ بمشکل چار پانچ کلو میٹر کا فاصلہ رہا تھا۔ اس طرح کم از کم ان میں اعتماد سا پیدا ہونے لگا تھا اور اس شہر کے گلی کوچوں سے قدرے آشنائی بھی حاصل ہو رہی تھی۔

پہلی کامیابی کی خبر اس نے بشیر کو سنائی تو وہ بھی حیران رہ گیا۔ ''کتنے خطرناک لوگ ہیں

یہ'' ......اس نے تبصرہ کیا۔

''لیکن ان کی ساری بدمعاشی اپنے گھر کے آستین کے سانپوں کے سر پر ہی قائم ہے اگر شمسی جیسے غدار انہیں ملتے رہیں گے تو کیسے ناکام رہیں گے یہ لوگ......'' شیر عالم نے کہا۔

''اب مجھے سمجھ آئی ہے کہ واقعی ان لوگوں نے ہمیں یہاں بھیجنے کا فیصلہ صحیح کیا تھا......'' بشیر نے کہا۔

دونوں باتیں کرتے اپنے ٹھکانے تک آ گئے تھے۔

طاہر اور سلیم بے چینی سے ان کے منتظر تھے کیونکہ آج وہ معمول سے کچھ زیادہ دیر سے آئے تھے۔ ''لگتا ہے سوامی آخر پھنس ہی گیا......''

طاہر نے انہیں دیکھتے ہی کہا۔

''کیسے نہ پھنستا......یونہی تو یہ روپ دھارن نہیں کیا'' ......شیر عالم نے اپنے حلیے کی طرف ان کو توجہ دلاتے ہوئے کہا۔

''سب سے پہلے ہمیں پیغام پہنچانا چاہئے''۔ بشیر نے کہا۔

''ہاں......میرے خیال سے اب یہ کام اپنے ذاتی فون کی بجائے دوسرے فون سے لینا چاہئے'' ......شیر عالم نے رائے پیش کی۔

''اگر آپ بطور احتیاط ایسا کر رہے ہیں تو ٹھیک ہے ویسے ابھی تک کوئی خطرے والی بات تو ہے نہیں'' ......سلیم نے کہا۔

''نہیں دوست......خطرہ سلامتی کے ساتھ ساتھ ہی چلا کرتا ہے اور اچانک ہی سر اٹھا لیتا ہے'' ......شیر عالم نے فلسفانہ انداز میں کہا۔

تھوڑی دیر بعد وہ طاہر کی طرف سے فراہم کردہ ایک کارڈ کے ذریعے نزدیک ہی موجود انٹرنیشنل بوتھ سے فون پر میجر کیانی سے بات کر رہے تھے۔ اس وقت پاکستان میں رات کے ڈھائی تین بج رہے تھے اور میجر کیانی اپنے گھر پر سو رہا تھا......لیکن یہ اطلاع اتنی ضروری تھی کہ شیر عالم کے لئے چند منٹ کا انتظار ہی مصیبت بن جاتا......وہ چاہتا تھا جتنی جلدی ممکن ہو یہ خبر اپنے ملک پہنچا دے۔

میجر کیانی کی بھرائی ہوئی ہیلو سے صاف ظاہر تھا کہ انہیں گہری نیند سے بیدار کیا گیا ہے۔

''سر......معافی چاہتا ہوں، اطلاع ہی اتنی اہم تھی۔''

اس نے وضاحت کرنا چاہی تو میجر کیانی نے اسے پیار سے ڈانٹ دیا اور کہا کہ دوبارہ کبھی وہ ایسی وضاحت نہ کیا کرے۔

شیر عالم کی طرف سے جو اطلاع میجر کیانی کو ملی تھی اس نے انہیں اس طرح چوکس کر دیا تھا جیسے وہ کبھی سوئے ہی نہیں تھے۔ انہوں نے ایک ایک لفظ نمایاں کر کے اپنی ڈائری پر لکھا اور اسے شاباش دے کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

فلائٹ نمبر 713 معمول کے مطابق روانگی کے لئے تیار تھی اور مسافر اپنی اپنی سیٹ سنبھال چکے تھے جب اچانک ہی ایک جیپ تیز رفتاری سے جہاز کی طرف آتی دکھائی دی......یہ انٹیلی جنس کی جیپ تھی۔

میجر کیانی اپنے تین ساتھیوں کے ساتھ جیپ میں بیٹھے تھے۔ ان کے دو ساتھی اکانومی کلاس والی سیڑھی سے اور میجر کیانی فرسٹ کلاس والے دروازے سے اندر داخل ہو گئے۔ ان کا تیسرا ساتھی جیپ پر بیٹھا رہا۔

اکانومی کلاس کی ایک سیٹ پر بیٹھے نوجوان کو میجر کیانی اور ان کے ساتھیوں نے گھیر لیا......''تمہارا نام کیا ہے؟'' انہوں نے گھبرائے ہوئے نوجوان سے پوچھا۔

''جی......میرا نام انیس ہے......'' نوجوان کے چہرے پر ایک رنگ آتا اور دوسرا جاتا تھا۔ اسے شاید سمجھ آ گئی تھی کہ وہ پھنس چکا ہے۔

''ہمارے ساتھ چلو'' ......ان کے ایک ماتحت نے اس کا بازو مضبوطی سے پکڑ کر اسے کھڑا کر دیا۔

نوجوان کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اس کے تو وہم وگمان میں بھی یہ بات نہیں آ سکتی تھی کہ اسے اس طرح اچانک انٹیلی جنس قابو کر لے گی کیونکہ جن لوگوں نے اسے امریکہ بھیجا تھا انہوں نے یقین دہانی کروائی تھی کہ کوئی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔

اس سے پہلے اس کا ایک ساتھی بھی انہی لوگوں کے ذریعے امریکہ پہنچ گیا تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اس کا کام دو لاکھ روپے میں ہوا تھا اور اس کا صرف پچاس ہزار میں......ان لوگوں نے اسے پاکستانی سفارتخانے میں اپنے دوست کے لئے ایک بیگ دے کر کہا تھا کہ ان کا یہ دوست اسے لینے

کے لئے خود ایئر پورٹ پر آئے گا اور وہاں امریکہ میں اس کے سارے کام اس شخص کے ذریعے ہو جائیں گے۔

انیس بے چارے کو صرف اس بات کا علم تھا کہ اس کے حالات پر ترس کھاتے ہوئے اور اس کی جنونی خواہش کے پیش نظر ٹریول کمپنی کے خواجہ صاحب کو اس کی حالت پر رحم آ گیا ہے اور انہوں نے بطور خاص صرف خدا ترسی سے کام لیتے ہوئے اس سے پچاس ہزار روپے لے کر اس کا وہ کام کر دیا جو پانچ لاکھ میں ہوتا تھا......

جب خواجہ صاحب نے اپنے سفارتکار دوست کا بیگ اسے تھمایا تو بھی اس نے سرسری طور پر اس کا جائزہ لیا تھا لیکن انیس کو پھر اپنی سوچ پر شرمندگی بھی ہوئی کہ اس نے کیوں خواجہ صاحب جیسے نیک انسان کے متعلق ایسا گمان کیا۔ جنہوں نے اسے امریکہ پہنچانے کے لئے لاکھوں روپے کا نقصان اٹھالیا تھا......اسے اس بات کا پتہ تھا کہ اس کے جعلی کاغذات پکڑے گئے ہوں گے اور ان لوگوں نے اسے گرفتار کر لیا۔ یہ بات تو اس نے کبھی نہیں سوچی تھی کہ یہاں کچھ دھماکہ بھی ہونے والا ہے اس کے سامنے اس کا بیگ پھاڑا جا رہا تھا اور اس ڈبل تہہ والے بیگ میں تقریباً ایک کلو ہیروئن موجود تھی......!

انیس کی تو جان ہی نکل گئی۔ اس نے بچوں کی طرح دھاڑیں مار مار کر رونا شروع کر دیا اور قسمیں اٹھا اٹھا کر کہنے لگا کہ اسے اس بات کا علم نہیں تھا کہ اس بیگ میں کیا ہے؟

تین روز تک اس کی ہر طرح تفتیش کرنے کے بعد میجر کیانی اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ یہ نوجوان واقعی بے گناہ ہے۔ اس کا گناہ صرف اتنا ہے کہ اس نے غیر قانونی جعلی کاغذات کے ذریعے امریکہ جانے کی کوشش کی تھی۔

ٹریول کمپنی والے خواجہ کو جب اس بات کا علم ہوا کہ اسے گرفتار کرنے والی عام پولیس یا کوئی سی۔ آئی۔ ڈی والے نہیں بلکہ ملٹری انٹیلی جنس کے لوگ ہیں تو اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اس نے پے در پے کئی وی آئی پی کے حوالے دے کر اپنی دانست میں ان لوگوں پر رعب ڈالنا چاہا تھا لیکن اس کے اندازوں کے بالکل برعکس یہ سارے نام ایک کاغذ پر نوٹ کرنے کے بعد وہ حوالدار جو اسے گرفتار بلکہ اغوا کر کے لے جا رہا تھا نے اس کے منہ پر ایک زوردار تھپڑ رسید کر دیا اور دوسرے نے اسے دھکا دے کر جیپ میں پھینکا اور جیپ چل دی۔

خواجہ نے دو چار جوتے کھا کر بتا دیا کہ مرزا نے اسے یہ بیگ دیا تھا اور پانچ لاکھ روپے دینے کی پیشکش کی تھی۔ دو لاکھ ایڈوانس دیئے تھے اور تین لاکھ مال پہنچنے کے بعد دینے کا وعدہ کیا تھا چونکہ اس نے بیگ ایک سفارتکار کے لئے دیا تھا اس سے خواجہ نے سمجھ لیا کہ یہ کوئی اونچے اور بڑے لوگ ہیں اور کوئی ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ انیس اس کی ٹریول ایجنسی کے چکر کاٹ رہا تھا۔ خواجہ نے اس کو پھانس لیا۔ خواجہ نے بتایا کہ وہ غیر قانونی کاغذات پر لوگوں کو یورپ اور امریکہ بھیجنے کا دھندہ کرتا آیا ہے۔ یہ حرکت اس نے پہلی مرتبہ کی تھی۔

میجر کیانی دل ہی دل میں ''را'' کی مکاری پر حیران ہو رہا تھا کہ ان لوگوں نے بظاہر کتنی سادگی سے یہ سارا چکر چلایا تھا اور اسے محض سمگلنگ کا ایک عام سا کیس بنا کر اس کے ذریعے پاکستان کی ساکھ کو تباہ کر دینے کی سازش کی تھی......''

O

مرزا کے پاکستان میں پھیلے درجنوں ایجنٹوں پر ان کی نظر تھی......

انٹیلی جنس ہیڈ کوارٹر میں طویل مشورے کے بعد آئی۔ ایس۔ آئی نے چند ایجنٹوں کو جن کے متعلق بھارتی انٹیلی جنس کو یقین تھا کہ مرزا انہیں نہیں جانتا چھوڑ کر باقی تمام غداروں کو راتوں رات مرزا سمیت گرفتار کر کے ''را'' کو اس کے گھناؤنے عزائم سمیت جہنم واصل کر دیا۔

جن ایجنٹوں کو چھوڑا گیا تھا ان میں ناصر کی طرح دو اور نوجوان بھی شامل تھے جنہوں نے ''را'' کی صفوں میں دور تک رسائی حاصل کر لی تھی اور ان کے ذریعے آئی ایس آئی کو ''را'' کے گھناؤنے منصوبے کا علم ہوتا رہتا تھا۔ ان میں پانچ چھ ایسے لوگ بھی تھے جو صرف غدار تھے اور انہیں صرف اس لئے چھوڑا گیا تھا کہ ان کے ذریعے دشمن کے عزائم کی خبر ہوتی رہے۔

انیس کی گرفتاری سے متعلق پاکستانی پریس میں صرف اتنی ہی خبر شائع ہوئی تھی کہ ایک نوجوان کو ایف آئی اے والوں نے جعلی دستاویزات پر سفر کرنے کے شک میں گرفتار کیا اور جب اس کے سامان کی تلاشی لی گئی تو اس کے بیگ سے ہیروئن برآمد ہوئی......

پولیس نے نوجوان کے بتانے پر ٹریول ایجنسی کے مالک کو بھی گرفتار کر لیا ہے۔ الزام ہے کہ وہ یورپ اور امریکہ کے جعلی ویزوں کا کام کرتا تھا......!

مرزا کی گرفتاری کی خبر اخبارات میں شائع نہیں ہوئی تھی لیکن ناصر کے ذریعے ''را'' کے

ذمہ داروں تک یہ خبر پہنچائی گئی تھی کہ سیالکوٹ کے نزدیک ایک نوجوان پر شک گزرنے پر پولیس نے اس سے دھماکہ خیز مواد برآمد کرلیا جس نے پولیس کے سامنے اعتراف کرلیا کہ اس کام پر اسے مرزا نے لگایا ہے...... باقی لوگوں کو مرزا نے ہی گرفتار کروایا ہے۔ اس کا نام شاید اس لئے نہیں لیا کہ اسے ''را'' کی طرف سے بھارت میں رہنے والی اپنی فیملی کی تباہی کا خوف تھا......

اس طرح اس نے شاید ''را'' پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس نے مرتے مرتے بھی ان کے کچھ لوگوں کو بچا لیا...... اور ''ذہین آفیسر'' ...... ''را'' کی اس کہانی سے مطمئن ہوگئے۔ انہوں نے اسی بات پر بھگوان کا شکر ادا کیا کہ کچھ ایجنٹ تو بچ گئے۔

O

مرزا جانے کس مٹی کا بنا ہوا تھا......

میجر کیانی کو تو یوں لگتا تھا کہ اگر انہوں نے پہلے ہی سے اس کے متعلق اتنی معلومات نہ جمع کی ہوتیں تو شاید کوئی ڈھنگ کی بات اس کے منہ سے نکلوانے میں کامیاب ہی نہ ہو پاتے...... کیا مجال جو اس نے ایک بھی کام کے ایجنٹ کا نام لیا ہو......

شمسی سے کوئی بھی تعلق جوڑنے پر وہ رضامند نظر نہیں آتا تھا۔ پندرہ بیس روز تک مسلسل ذہنی اور جسمانی اذیتیں برداشت کرنے کے بعد اس نے بالآخر اس بات کا اعتراف کیا کہ شمسی اس کا دوست ہے اور جس سفارتکار کے نام ہیروئن والا بیگ جارہا تھا شمسی کی اس سے مخالفت رہتی ہے چونکہ یہ شخص شمسی کو حیلوں بہانوں سے تنگ کرتا رہتا ہے اور شمسی کو یہ فکر بھی لاحق رہتی ہے کہ کہیں وہ اسے واپس پاکستان ہی نہ بھجوا دے۔ اس لئے اس نے مرزا سے مدد مانگی تھی اور مرزا نے اپنے دوست کے کہنے پر یہ سارا منصوبہ تیار کیا تھا۔

ان کا مقصد یہ تھا کہ جب یہ نوجوان نیویارک پہنچے گا اور ایف۔بی۔آئی کو پہلے سے اطلاع ہوگی تو گرفتاری پر یہ انکشاف ہوجائے گا کہ بیگ تو سفارتکار کے نام آرہا تھا۔ اس بات سے قطع نظر کہ اصل صورتحال کیا ہے اس سفارتکار کو فوراً امریکہ سے نکلنا پڑتا اور یہی اس کی منشا تھی......

مرزا نے بڑے اعتماد سے کہا تھا کہ اوّل تو امریکن خواجہ تک ہی نہ پہنچ پاتے اور خواجہ اس کا نام لینے کی جرأت نہیں کرسکتا تھا...... وہ اسے مذہبی معاملہ بنا دیتا اور اقلیتی لیڈر ہونے کے سبب واقعے کی نوعیت ہی تبدیل کردی جاتی...... جن لوگوں نے یہ منصوبہ بنایا تھا انہوں نے تمام مفروضے

پہلے سے ذہن میں رکھے ہوئے ہوں گے...... اپنی دانست میں انہوں نے اپنے منصوبے میں کوئی جھول نہیں چھوڑی تھی...... اس نوجوان کی امریکہ اور پاکستان میں گرفتاری کے یکساں نتائج برآمد نہیں ہوسکتے تھے۔

مرزا نے ایک مہینہ تک مسلسل تفتیش کے بعد بھی یہ ماننے سے انکار کردیا تھا کہ یہ منصوبہ ''را'' نے شمسی کے ذریعے تیار کیا تھا۔ پاکستان کو بین الاقوامی سطح پر بدنام کیا جائے اور اس راستے میں اگر مرزا یا شمسی جیسے دو تین بکرے ذبح بھی ہوجاتے تو بھی ''را'' کے لئے یہ مہنگا سودا نہیں تھا کیونکہ اپنے چند ایجنٹوں کی قربانی دے کر وہ اتنا کچھ حاصل کرلیتے جس کا کبھی اندازہ بھی نہیں کیا جاسکتا تھا...... یوں بھی مرزا یا شمسی ان کے رشتہ دار تو نہیں تھے ان کے زرخرید کتے تھے جن کو اس مقصد کے لئے بھرتی کیا جاتا تھا کہ ضرورت پڑنے پر انہیں کتے کی موت مروا دیا جائے......

میجر کیانی جانتا تھا مرزا کس مٹی کا بنا ہے......

وہ جسمانی طور پر اتنا مضبوط انسان نہیں تھا لیکن اگر دوران تفتیش مرجاتا تو ان کے لئے ایک مستقل عذاب کھڑا ہوجاتا کیونکہ اس کے فرقے کے لوگوں نے اسے ہیومن رائٹس کا مسئلہ بنا کر ساری دنیا میں طوفان کھڑا کردینا تھا...... ''را'' نے یقیناً معاملے کے اس پہلو پر بھی نظر رکھی ہو گی...... وہ ان لوگوں کی پشت پر کھڑے ہوجاتے اور پاکستانی حکومت کے لئے مسائل کا نیا انبار کھڑا کردیتے...... مرزا سے انہوں نے جو کچھ حاصل کرنا تھا، وہ حاصل کرچکے تھے......

میجر کیانی کو یقین تھا کہ عدالت میں جب یہ مقدمہ جائے گا تو مرزا کو کم از کم بیس سال قید ہوگی۔

اس نے اپنے ماتحتوں کو سارے ثبوت اکٹھے کرکے کیس پولیس کے حوالے کردینے کا حکم دے دیا تھا۔ اب مرزا ان کے کام کا نہیں رہا تھا، نہ ہی اس کے بچ نکلنے کے امکانات باقی رہے تھے۔

O

شمسی کو ان لوگوں نے جان بوجھ کر نظرانداز کئے رکھا......

ان گرفتاریوں اور ملزموں کے اعتراضات اور انکشافات سے متعلق جو کہانیاں اخبارات میں شائع ہوئی تھیں ان میں دور دور تک بھی ''را'' کی کسی سازش کا تذکرہ نہیں تھا نہ ہی اس سازش کے ڈانڈے کسی غیرملکی سفارتخانے سے ملائے گئے تھے۔

آئی۔ایس۔آئی نے سارا منصوبہ اتنی چالاکی سے ترتیب دیا تھا کہ ''را'' کا خیال بھولنے سے بھی اس طرف نہ جا سکے کہ شمسی بے نقاب ہوگیا ہے کیونکہ ابھی شمسی کے ذریعے انہیں اس جیسے اور غداروں کا بھی پتہ لگانا تھا۔

شیر عالم نے طاہر کے نام آنے والے ایک پاکستانی اخبار میں اس گروہ کی گرفتاری کی خبریں پڑھی تھیں اور دل ہی دل میں مسکرا دیا تھا۔اس سے پہلے اسے علم ہوگیا تھا کہ اس کی فراہم کردہ اطلاعات کی بنیاد پر ایک بڑا گروہ ''را'' کے ایجنٹوں کا گرفتار ہو چکا ہے۔اس خبر کے تاثرات اس نے یہاں آشرم میں بھی محسوس کر لئے تھے۔ان گرفتاریوں کے اگلے ہی روز جب وہ مہاراج سوامی کے درشن کو گیا تو ساوتری کو اس نے خاصا اداس پایا تھا۔

ساوتری سے اس درمیان اس نے خاصے مضبوط تعلقات استوار کر لئے تھے......مہاراج سوامی کی ہدایت پر ساوتری نے بھی اس کی برین واشنگ شروع کر دی تھی۔وہ کسی نہ کسی حوالے سے پاکستان کے خلاف ایک آدھا فقرہ اُچھال دیتی جس کے جواب میں شیر عالم پاکستان کے خلاف بھی خاصی تقریر جھاڑ دیتا۔

اس روز بھوپت رائے جب آشرم میں پہنچا تو اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ شیر عالم اور ساوتری کو سوامی جی مہاراج نے کمرے کی صفائی کی ذمہ داری سونپ دی تھی۔اس بہانے دراصل کیلاش ورما اپنے من کی زیادہ سے زیادہ شانتی چاہتا تھا۔اس نے ساوتری سے کہا تھا کہ جس قدر وہ سوامی مہاراج کے چرنوں کے نزدیک رہے گا اس قدر اس کا سوبھاگیہ (خوش قسمتی) ہوگا......اور ساوتری دیوی نے اسے سوامی مہاراج کے چرنوں کے نزدیک رکھنے کا بندوبست سوامی مہاراج کی مرضی سے کر دیا تھا۔

سوامی مہاراج آنکھیں بند کئے اپنے لکڑی کے تخت پوش پر التی پالتی مارے بیٹھے تھے جب اچانک دروازہ کھول کر بھوپت رائے اندر آ گیا۔وہ سوامی مہاراج کے قدموں میں اس طرح گرا تھا جیسے کسی نے اسے باہر سے دھکا دے کر اندر پھینکا ہو۔

''بہت ظلم ہوگیا مہاراج......'' وہ بہت گھبرایا نظر آتا تھا اور اس گھبراہٹ میں اس نے ساوتری دیوی کے ساتھ موجود اس نوجوان کو بھی نظر انداز کر دیا تھا جو بڑے انہماک سے کمرے میں رکھی ایک ایک چیز پر کپڑا پھیر کر اسے صاف کر رہا تھا لیکن جس کے کان اس کی طرف لگے

تھے۔بظاہر اس نے یہی تاثر دیا تھا جیسے اس نے ڈھنگ سے بھوپت رائے کی شکل بھی نہیں دیکھی۔

''بھوپت رائے، اگر میرے بس میں ہوتا تو تمہیں زمین میں زندہ گاڑ دیتا......تم نے جانے کیسے گدھے بھرتی کر رکھے ہیں......بھوپت رائے تم نے ہماری کمر توڑ کر رکھ دی ہے۔تم نے......تم نے''......

سوامی مہاراج غصے سے پاگل ہو رہا تھا۔

''تم جاؤ بالکے......آنند مانو......ہم تھوڑا بات کریں گے''......اسے اچانک ہی شیر عالم کی موجودگی کا خیال آ گیا تھا۔

''جو حکم سوامی......''

شیر عالم نے بھی اس کے حسب معمول قدم چھوئے اور الٹے قدموں کمرے سے باہر آ گیا۔ساوتری اس کے تعاقب میں اس کے پیچھے ہی آ گئی تھی۔شاید سوامی مہاراج نے اسے کوئی مخصوص اشارہ دے کر اس طرف بھیجا تھا۔

اچانک ہی شیر عالم اس طرح لڑکھڑا کر گرا تھا جیسے اس کے پاؤں کو موچ آ گئی ہو۔''کیا ہوا......کیا ہوا......؟''

''کچھ نہیں......پاؤں میں کچھ گڑ بڑ ہے۔صبح سے بہت تکلیف ہے''۔شیر عالم نے چہرے کو اس طرح بگاڑا ہوا تھا جیسے بڑی اذیت ناک حالت میں ہو۔

''آؤ......میرے کمرے میں آرام کرو''......ساوتری نے اس کا ایک ہاتھ اپنے کندھے پر رکھ کر بظاہر اسے سہارا دیا اور وہ اپنا آدھا بوجھ اس کے جسم پر ڈالے قریباً لڑکھڑاتا ہوا اس کے کمرے کی طرف چل دیا۔ساوتری نے اسے ایک آرام دہ کرسی پر بیٹھا دیا اور فوراً اس کے لئے چائے لینے چلی گئی۔

اس کے کمرے سے قدم باہر نکالتے ہی شیر عالم کے کان اس سوراخ کے نزدیک پہنچ گئے جہاں سے بھوپت رائے کی آواز آ رہی تھی۔

''سوامی مہاراج......یہ سب کچھ اچانک ہوگیا......آپ تو جانتے ہیں آج کل پاکستانی خاصے ایکٹو ہو رہے ہیں''......اس کی آواز سنائی دی۔

''آیئے آیئے شمسی صاحب......کوئی اور اچھی خبر تو نہیں لائے آپ'' اچانک ہی اسے

سوامی کی طنزیہ آواز سنائی دی جس سے شیر عالم نے اندازہ لگایا کہ شمسی ابھی وہاں آیا ہے۔

''سوامی جی مہاراج......بس یوں جانیئے کہ قسمت نے ہمارا ساتھ نہیں دیا......آج کل پاکستانی امیگریشن کے لوگ امریکہ جانے والوں کے کاغذات پر بہت گہری نظر رکھتے ہیں۔ میرے خیال سے اس نوجوان کے جعلی کاغذات نے سارا کھیل بگاڑ دیا......مرزا نے ہمیں مروایا ہے، میں جانتا ہوں اس کی عادت ہے کہ کبھی کسی کو پوری ادائیگی نہیں کرتا۔ میرا دل کہتا ہے کہ اس نے یقیناً ٹریول ایجنٹ کو بھی ہوشیاری دکھانے کی کوشش کی ہوگی اور اس نے بددلی سے کام کیا ہوگا......ورنہ اس شخص کی تو سارے پاکستان میں شہرت ہے کہ اس کا بھیجا بندہ کبھی واپس نہیں آتا......'' شمسی نے وضاحت پیش کی۔

''ٹھیک کہہ رہے ہیں شمسی صاحب مہاراج......ڈپٹی صاحب نے اسے بہت سر چڑھا رکھا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ مرزا رقم میں ہیرا پھیرا کرتا ہے۔ کئی ایجنٹوں نے شکایت کی تھی کہ مرزا انہیں مکمل ادائیگی نہیں کر رہا لیکن نجانے کیوں اسے نظر انداز کیا گیا......ظاہر ہے اس نے کبھی نہ کبھی تو مارے ہی جانا تھا۔ یہ سب کچھ اس کی بدنیتی کی وجہ سے ہوا، ہم نے تو بڑا شاندار منصوبہ بنایا تھا''......

''تم نے بھی تو اسے مروانے میں کسر نہیں چھوڑی تھی......اگر وہ لڑکا یہاں پکڑا جاتا تب بھی تو مرزا قابو آتا......اس نے تو ہر حال میں مارے جانا تھا''......سوامی مہاراج نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''یہ ہیڈکوارٹر کا فیصلہ تھا جناب ہمارا نہیں۔ شاید ان لوگوں نے اس مرتبہ مرزا کی چھٹی خود کروانے کا فیصلہ کر لیا تھا......یوں بھی اب وہ ہمارے لئے خطرہ بننے لگا تھا۔ اس کی گندی جنسی عادت کے سبب اس کی خاصی شہرت ہوگئی تھی اور گزشتہ تین چار ماہ سے اس نے کوئی خاص کام بھی نہیں کیا تھا......سوائے مال پہنچنے کے......شاید اس نے دلی والوں کے ساتھ کوئی ہاتھ کیا ہے۔ تب ہی تو ان لوگوں نے بطور خاص اسے اس کھیل میں پھنسایا۔ اگر وہ نہ کہتے تو متبادل راستے بھی تلاش کئے جا سکتے تھے۔ مجھے تو یقین ہے کہ ان لوگوں نے مرزا کو مروانے کا فیصلہ کر لیا تھا''......بھوپت رائے نے کہا۔

سوامی مہاراج سمجھ گیا کہ ضرور یہ دہلی والوں کا فیصلہ ہوگا یہ ضروری نہیں کہ انہوں نے ہر معاملے میں سوامی مہاراج کو اعتماد میں لینا ضروری سمجھا ہو......

''لعنت بھیجو اور آگے کی فکر کرو......ہاں شمسی کیا بنا فائل کا......'' سوامی مہاراج نے کام کی بات پر آتے ہوئے کہا۔

''مہاراج میں نے ریاض کی ڈیوٹی لگا دی ہے......یہ لڑکا چند ماہ پہلے ہی آیا تھا۔ بڑے کام کا لڑکا ہے اور دولت کمانے کا خاص شوقین......وہ ایک دو روز میں سارے فائل کے فوٹوسٹیٹ بنا دے گا۔ یہ فائل اس کی دسترس ہی میں رہتی ہے''......ابھی شمسی نے اتنا ہی کہا تھا جب شیر عالم کی چھٹی حس نے اچانک ہی اسے یہاں سے اٹھا کر دوبارہ صوفے تک پہنچا دیا۔ دوسرے ہی لمحے ساوتری دروازہ کھول کر اندر آئی تو وہ اپنا پاؤں ہاتھ میں پکڑے اسے دبا رہا تھا۔

''کوئی (Pain Killer) دوں......'' ساوتری نے چائے کا مگ اس کے سامنے میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

''میں نے لے لئے ہیں''......اس نے ساوتری کے پلنگ کے نزدیک رکھی ''ٹائلی نول'' کی شیشی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''کیسے چوٹ لگی......کیا ہو گیا تھا''......ساوتری نے اس کے پاؤں کو اب اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا تھا۔

''بس اپنی بے وقوفی سے......چھوڑو اس قصے کو......یہ بتاؤ آج شام میں کیا کر رہی ہو......چلو آج کہیں گھومنے جاتے ہیں۔ موتی لال بھی خوش ہو جائے گا''......اس نے ساوتری کی توجہ ہٹانے کے لئے کہا اور ساوتری نے فوراً ہاں کہہ دی۔

''ارے آپ کے لئے وقت نہیں نکالیں گے تو کس کے لئے نکالیں گے''......

''ٹھیک ہے میں شام کی سبھا میں آؤں گا یہاں سے فارغ ہو کر چلے جائیں گے''......شیر عالم نے اس وقت یہاں سے جانا ہی مناسب سمجھا قدرت نے اسے آج ایک اور کامیابی سے نوازا تھا۔

''جیسی آپ کی اچھیا (مرضی) مہاراج''......ساوتری نے اس کے گلے کا ہار بنتے ہوئے کہا۔

اس نے موتی لال کو جو آشرم کے دوسرے حصے میں ''خدمات'' انجام دے رہا تھا، ساوتری ہی کے ذریعے وہاں بلوایا جس نے خود جانے کی بجائے انٹرکام پر یہ ہدایت اپنے کسی ماتحت

کو دی تھی......موتی لال بھی چونکہ ورما جی کی طرح سوامی مہاراج کے قدموں ہی میں ساری زندگی بیتانا چاہتا تھا۔سوامی نے اس کی ڈیوٹی بھی آشرم میں لگائی تھی۔

ساوتری نے اسے ''لنگر'' میں فٹ کر دیا تھا جبکہ شیر عالم کے لئے تو اس نے یہاں مستقل ملازمت کی گنجائش نکال لی تھی اور اگلے ایک دو روز میں اسے یہاں باقاعدہ شفٹ ہو جانے کے لئے کہہ دیا تھا۔موتی لال ان کے کمرے میں تھوڑی دیر بعد ہی پہنچ گیا تھا......

ساوتری دونوں کے ساتھ اس کھٹارہ کار تک خود چل کر آئی تھی جس میں بیٹھ کر انہوں نے یہاں سے جانا تھا اور اب دونوں پارکنگ سے باہر آ رہے تھے۔

''عالمے! کوئی بڑا دھماکا ہونے والا ہے''......بشیر نے اسے فوراً ہی مطلع کیا۔''اچھا پہلے تم ہی سنالو''......شیر عالم نے اسے اپنی بات کہنے سے پہلے سننا مناسب جانا۔

میں نے آج یہاں رگھوناتھ سہائے کو دیکھا ہے اور تمہیں یاد ہے وہ جٹاؤں والا بابا......وہ جو اس کے شملہ والے آشرم میں باڈی گارڈ تھا......وہ بھی تھا اس کے ساتھ......شاید پاکستان میں ان کے ایجنٹوں کی گرفتاریوں کے بعد اب یہ لوگ یہاں کوئی ہنگامہ کروانے آئے ہیں......میرا خیال ہے یہ سکھوں کے درمیان کوئی فساد کروائیں گے اور اس کا الزام پاکستان کے سر پر تھوپ دیں گے کیونکہ آج سہائے سے کلونت سنگھ نے بڑی طویل ملاقات کی ہے......تم جانتے ہو نا......یار وہی نیو یارک گوردوارے والا کلونت سنگھ جس پر پچھلے دنوں خالصتان نواز سکھوں نے حملہ کر کے اسے زخمی بھی کر دیا تھا......جس کی گوردوارے میں سکھ عورتوں نے پٹائی کی تھی اور یہ وہاں سے بمشکل جان بچا کر نکلا تھا......سہائے نے بند کمرے میں اس کے ساتھ طویل میٹنگ کی ہے افسوس میں اس کی باتیں نہیں سن سکا۔آج کچھ امریکی بدمعاش قسم کے کالے بھی یہاں آئے تھے۔جٹاؤں والا ان کے ساتھ بہت دیر تک رہا ہے۔صبح سے ان لوگوں کی آپس میں میٹنگیں چل رہی ہیں......ضرور دال میں کچھ کالا ہوگا''......بشیر کی اطلاعات نے اسے مزید چونکا دیا تھا۔

اس کے بعد شیر عالم نے اسے اپنی کارروائی سے آگاہ کر کے ریاض نامی کسی نئے غدار سے متعلق بتایا اور دونوں فون بوتھ کی طرف چل دیئے۔قریباً دس منٹ بعد انہوں نے فون پر میجر کیانی سے رابطہ قائم کر لیا تھا اور اب باری باری اسے اطلاعات منتقل کر رہے تھے۔

''ویل ڈن......ویل ڈن......مائی بوائز......''میجر کیانی بے اختیار نعرہ تحسین بلند کرنے

لگا تھا۔اس نے دونوں کی باتیں توجہ سے سننے کے بعد انہیں اگلی ہدایات دے کر رابطہ منقطع کر دیا، دونوں اب اپنے عارضی ٹھکانے کی طرف جا رہے تھے۔

قدرت نے ان کے ذریعے پاکستان کو خاصی کامیابیوں سے ہمکنار کیا تھا اور اب انہیں زیادہ چوکس ہو جانا تھا۔رگھوناتھ سہائے کی اس آشرم میں آنے کا مطلب تھا کہ جلدی ہی کوئی بڑی ہنگامہ آرائی دیکھنے کو ملے گی۔

جٹاؤں والے کو وہ لوگ شملہ سے جانتے تھے جہاں وہ سوامی مہاراج کا خصوصی باڈی گارڈ ہوا کرتا تھا، یہاں آنے سے پہلے اس نے اپنی جٹائیں تو کٹوا لی تھیں لیکن اس کے چہرے کو دونوں کبھی نہیں بھلا سکتے تھے کیونکہ ہر روز وہ اسے سوامی کے ساتھ دیکھا کرتے تھے۔

سوامی مہاراج کے شملہ والے آشرم میں دیکھے ہوئے چہرے انہیں یہاں دکھائی دینے لگے تھے ان لوگوں کی آمد آج کل ہی شروع ہوئی تھی اور میجر کیانی نے انہیں ہدایت کی تھی کہ وہ جیسے بھی ممکن ہو ایسے تمام لوگوں کی تصاویر حاصل کرنے کی کوشش کریں......لیکن اس نے یہ واضح کر دیا تھا کہ اس کام میں معمولی سا خطرہ مول لینے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس مرحلے پر ان دونوں میں سے کسی ایک کی معمولی سی غلطی سے بھی کھیل بگڑ جائے۔

شام کو دونوں معمول کے مطابق آشرم گئے تھے......

یہاں روزانہ شام کو ''جاپ'' اور ''یوگا'' کی جو کلاسیں ہوا کرتی تھیں ان میں سوامی مہاراج غیر ملکی اور بھارتی چیلے اور چیلیاں بڑے جوش و خروش سے شرکت کرتے تھے۔

سوامی مہاراج کا بھاشن ہو رہا تھا......شیر عالم نے بڑے بڑے چرب زبان دیکھے تھے لیکن قدرت نے جو کمال سوامی مہاراج کو دیا تھا وہ اس کا حصہ تھا، وہ آواز کے تاثراتی انداز کو بار بار اس طرح بدلتا کہ سننے والے کے دل میں اترتا چلا جاتا......کبھی اس کی آواز بہت غمگین ہو جاتی اور کبھی یوں لگتا جیسے وہ کسی غار میں بیٹھا بول رہا ہو......اچانک ہی وہ اپنی آواز بلند کرتا اور سننے والا مسحور ہو کر رہ جاتا تا سوامی کا بھاشن ختم ہوا تو مجمع ''ہرے اوم''......''ہرے اوم......'' کے نعرے بلند کرنے لگا۔اچانک ہی سوامی مہاراج نے اپنا دائیاں ہاتھ بلند کیا اور شانتی......شانتی پکارتا سٹیج کے پہلو میں لگے دروازے کے ذریعے اندر چلا آیا۔

آج شیر عالم نے بھی اس کے تعاقب میں سہائے اور جٹاؤں والے کو جاتے دیکھا تھا۔

یقیناً یہ لوگ کسی شیطانی منصوبے پر بحث کرنے جا رہے تھے۔

O

نیو جرسی میں سکھوں کا یہ گوردوارہ بھارتی حکومت کے لئے مستقل دردِ سر بن کر رہ گیا تھا...... اس گوردوارے میں دن رات خالصتان کا پرچار ہوتا تھا اور بھارتی پنجاب میں پولیس مظالم سے جان بچا کر امریکہ پہنچنے والے سکھ نوجوان عموماً یہیں پناہ حاصل کیا کرتے تھے...... گریوال فیملی یہاں کی مشہور سکھ فیملی تھی۔

یہ لوگ گزشتہ بیس سال سے امریکہ میں آباد تھے۔ امریکی معاشرے میں اپنے وسیع اثر و رسوخ کی وجہ سے ان کی سینٹر اور کانگرس مینوں سے ملنا ملانا رہتا تھا جن کے ذریعے امریکی ایوانوں تک یہ لوگ قوم پر ہندو کی طرف سے ڈھائے جانے والے مظالم کی کہانیاں پہنچا دیتے تھے اور ان مظالم کی بازگشت امریکن پریس میں بھی سنائی دینے لگی تھی۔

''را'' کی ہر ممکن کوشش تھی کہ جس طرح بھی ممکن ہو اس گوردوارے سے گریوال خاندان کا قبضہ ختم کروا کر یہاں جسونت سنگھ گروپ کا قبضہ کروایا جائے۔ اس مرتبہ گوردوارے کی انتظامی کمیٹی کے لئے ہونے والے انتخابات میں ہندوؤں نے سب کچھ جھونک دیا تھا۔

صبح انتخابات تھے اور رات کو دیر گئے سوامی مہاراج کو بھوپت رائے نے رپورٹ پہنچائی تھی کہ اس مرتبہ پھر انہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا کیونکہ سکھوں کو ورغلانا اب ممکن نہیں رہا......

''یہ حرام خور جسونت سنگھ آخر کس مرض کی دوا ہے...... اور وہ جو لاکھوں ڈالر ہم اب تک اسے دے چکے ہیں کیا وہ اس دن کو دیکھنے کے لئے دیئے تھے......'' سوامی مہاراج کا پارہ آسمان کو چھونے لگا تھا۔

''اس کی طرف سے ہر ممکن کوشش کی گئی ہے سوامی مہاراج لیکن یہ سکھ عجیب قوم ہے ایک مرتبہ جو بات ان کے دماغوں میں بیٹھ جائے وہ پھر نکلنے کا نام ہی نہیں لیتی''...... بھوپت رائے نے صفائی پیش کرنا چاہی۔

''بھوپت رائے...... اس مرتبہ کچھ نہ کچھ ہونا چاہئے...... کچھ نہ کچھ...... میں ناکام واپس نہیں جانا چاہتا'' سوامی مہاراج نے فیصلہ کن لہجے میں کہا، اچانک ہی ایک شیطانی خیال اس کے دماغ میں سمایا۔

''بھوپت رائے...... جسونت سنگھ کی بلی دلا کر اس کو شہید کروا دو...... کالی ماتا کے چرنوں میں اگر اس کی بلی پروان چڑھ گئی تو ہمارے لئے بڑے اچھے نتائج لائے گی...... اسے مروا دو بھوپت رائے......''

سوامی مہاراج کا قہقہہ بلند ہوا......

''جو حکم مہاراج...... میں نے بہت پہلے یہی بات کہی تھی جب تک ان لوگوں کا آپس میں ٹکراؤ نہیں ہوتا۔ بات نہیں بنے گی۔ دھن ہو مہاراج...... آپ نے تو میرے منہ کی بات چرا لی...... میں آج ہی بندوبست کر دیتا ہوں''...... بھوپت رائے نے کہا۔

دونوں نے اس رات اپنی فتح کا جام ٹکرایا اور ساوتری اور سوامی مہاراج کی دیگر چیلیاں ساری رات ان کی سیوا میں رہیں۔ دوسرے روز علی الصبح ہی بھوپت رائے بھارتی سفارتخانے میں واپس پہنچ گیا...... اسے اب جو کچھ بھی کرنا تھا، فوراً کرنا تھا۔

آج ڈیوڈ اس کے کام آنے والا تھا...... ڈیوڈ کو وہ گزشتہ چھ ماہ سے پال پوس رہا تھا۔ اس کی جائز ناجائز ضروریات پوری کر رہا تھا آج اس سے کام لینے کا وقت آ گیا تھا۔

حسب روایت گوردوارے کے انتخابات ہوئے جن میں جسونت سنگھ کو بری طرح ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اس کے پینل میں سے کوئی بھی امیدوار قابل ضمانت ووٹ حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوا۔ اس نے ''را'' سے نئی ہدایات کے مطابق نتیجے کا اعلان ہونے سے پہلے ہی ہنگامہ شروع کر دیا اور دھاندلی کا الزام گریوال پر لگا دیا......

گریوال بھی کوئی گرا پڑا سکھ نہیں تھا۔ اس نے جسونت سنگھ کے الزامات کا جواب اس کی توقع سے بڑھ کر زوردار دیا تھا، نوبت ہاتھا پائی تک پہنچ گئی۔ یہی ''را'' کی منشا تھی۔ وہ کسی بھی طرح اس ڈرامے کا آغاز دونوں کی لڑائی اور گالی گلوچ سے کروانا چاہتے تھے۔ سکھی روایات کے مطابق گریوال نے اسے سبق کھانے کی دھمکی دے دی اور اس پر ساری سکھ سنگت کے سامنے بھارتی حکومت کا ایجنٹ ہونے کا الزام بھی لگا دیا۔ جواب میں جسونت سنگھ نے اسے پاکستانی ایجنٹ قرار دے دیا۔

سکھوں نے دونوں کا بیچ بچاؤ کروا دیا اور جسونت سنگھ اپنے گھر کی طرف چل دیا۔ اس کے بعد ڈرامے میں ''را'' کے زرخرید ''فیڈریشن'' کے لوگوں کا رول شروع ہوا۔ یہ لوگ

بظاہر خالصتانی سکھ بنے ہوئے تھے۔ لیکن ان کے ضمیر اپنی قیمت پا کر کبھی کے بھارتی انٹیلی جنس کے ہاتھوں بک چکے تھے۔ انہوں نے جسونت سنگھ کی حمایت نہیں کی تھی اور خود پر خالصتان نواز ہونے کا لیبل لگا رکھا تھا جیسے ہی معاملہ ختم ہوا انہوں نے گریوال کو کہنا شروع کر دیا کہ وہ اپنی امارات کے زعم میں مبتلا ہو کر خود کو کوئی بڑی چیز سمجھنے لگا ہے انہوں نے کہا کہ اس میں جسونت سنگھ کا قصور تھا لیکن آخر وہ ایک سکھ ہے اس کے ساتھ گویوال کو یہ سلوک نہیں کرنا چاہئے تھا۔ اس طرح ''را'' نے ان لوگوں کے بھی آپس میں دو گروپ بنا دیئے جنہوں نے اب ایک دوسرے پر بھارتی حکومت کے ایجنٹس کے الزامات لگانے شروع کر دیئے۔ دونوں گروپوں میں آپس میں تلخ کلامی شروع ہو گئی اور بمشکل ان کے بزرگوں نے دخل اندازی کر کے اس معاملے کو ختم کروایا۔

اب ''را'' نے اس ڈرامے کو کلائمکس تک لے جانا تھا جس کے لئے بھوپت رائے نے ڈیوڈ کو میدان میں اتارا۔ ڈیوڈ جرسی کا مانا ہوا غنڈہ تھا۔ اس کا گروہ منشیات کی فروخت، اغوا، چوری، اور ہنگامہ آرائی میں ملوث رہتا تھا۔ ڈیوڈ کو رقم بھی اتنی زیادہ ملی تھی جس کا اس نے کبھی تصور نہیں کیا تھا۔

رات کے دس بجے تھے جب جسونت سنگھ کو اپنے گھر کے ٹیلی فون پر بھوپت رائے کی طرف سے پیغام ملا کہ سوامی مہاراج نے اسے فوراً میٹنگ کے لئے بلایا ہے اور اسے لینے کے لئے سوامی مہاراج کی گاڑی آ رہی ہے۔ پندرہ بیس منٹ بعد ایک گاڑی وہاں پہنچ گئی جس پر جعلی نمبر پلیٹ لگی ہوئی تھی...... اس کار کی پچھلی سیٹ پر دو آدمی سکھوں کی طرح پگڑیاں باندھے بیٹھے تھے۔ ان کو اس انداز میں بٹھایا گیا تھا کہ ان کی پگڑیاں تو سب کو دکھائی دیں لیکن ان کے چہرے کسی کو نظر نہیں آ رہے تھے۔

ڈیوڈ کا ایک غنڈہ کار چلا رہا تھا...... اس نے جسونت سنگھ کے دروازے پر بیل دی۔
جسونت سنگھ نے یہی سمجھا تھا کہ یہ بھوپت رائے کے آدمی ہوں گے۔ اس نے احتیاط سے اپنے گھر کی کھڑکی میں سے باہر اندھیرے میں کھڑی کار پر نظر بھی ڈال لی جس پر بیٹھے سکھوں کی پگڑیاں اسے دکھائی دے رہی تھیں۔ جسونت سنگھ نے بہت مطمئن ہو کر دروازہ کھولا اور باہر آ گیا۔

جیسے ہی اس نے قدم باہر نکالا بیل دینے والے نے اپنے ہاتھ میں پکڑے سائیلنسر لگے پستول سے یکے بعد دیگرے چھ گولیاں اس کے جسم میں اتار دیں۔ جسونت سنگھ کو بمشکل آواز نکالنے

کی مہلت ہی مل سکی تھی۔ پھٹی پھٹی آنکھوں سے یہ نظارہ دیکھتا رہا اور وہیں ڈھیر ہو گیا۔

اس درمیان پچھلی سیٹ پر بیٹھے پگڑی والوں میں سے ایک نے پھرتی سے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی اور تیزی سے گاڑی کو موڑ کاٹ کر بھگانے کی پوزیشن میں لے آیا تھا...... قاتل غنڈہ بڑے اطمینان سے لیکن پھرتی سے کار کی اگلی سیٹ پر اس کے ساتھ بیٹھا اور کار رواں ہو گئی......

جسونت سنگھ کے گرنے کی آواز سن کر اس کی بیوی اور بیٹا بھاگتے ہوئے دروازے تک آئے اور یہ منظر دیکھ کر بوکھلا گئے۔ اس کی بیوی نے جھک کر اپنے خاوند کو اٹھانا چاہا...... یہ شاید جسونت کے آخری سانس تھی۔ اس کے منہ سے بمشکل ''گریوال'' کا لفظ نکلا اور اس کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی۔

اس درمیان تیزی سے بھاگتی کار کی پچھلی سیٹ پر جسونت کے بیٹے کو دو پگڑیوں والے دکھائی دیئے تھے اور اس کے بعد وہ کچھ نہ دیکھ سکا۔

جسونت سنگھ کی بیوی نے فوراً گریوال کا نام لے کر بین ڈالنے شروع کر دیئے۔ اس کے بیٹے نے ایمرجنسی پولیس کو فون کیا اور انہیں اطلاع دی کہ اس کے باپ کو گریوال نے قتل کر دیا ہے اور وہ لوگ بھاگ گئے ہیں۔

پولیس والے جسونت سنگھ کے گھر پہنچے تو وہاں کہرام مچ رہا تھا...... اس کے گھر والے اور ہمسائے وہاں جمع تھے۔ جسونت سنگھ کی بیوی نے پولیس کو بتاتے ہوئے کہا کہ اس کے خاوند نے مرنے سے پہلے گریوال کا نام لیا ہے۔

جسونت کے بیٹے نے جو امریکہ ہی میں پیدا ہوا اور وہاں کا ہی تعلیم یافتہ تھا پولیس کو بتایا کہ کار کی پچھلی سیٹ پر دو سکھ موجود تھے لیکن وہ انہیں پہچان نہیں سکا...... ان کی ایک ہمسائی نے بھی کار میں پگڑی والوں کی نشاندہی کی۔

پولیس ایمبولنس لاش لے کر روانہ ہو گئی...... پولیس والوں نے انکوائری کی تو ان کے علم میں تمام واقعات بھی آ گئے...... انہیں بتایا گیا کہ آج گریوال اور جسونت سنگھ کا جھگڑا ہوا تھا جس میں گریوال نے اسے سبق سکھانے کی دھمکی بھی دی تھی...... مرنے والے کی زبان سے آخری لفظ بھی یہی نکلا تھا۔ اس کے گھر والوں کی زبان پر بھی قاتل کا یہی نام تھا۔ اس کے بیٹے اور ایک ہمسائی نے پگڑی والوں کو فرار ہوتے دیکھا تھا۔

اتنے شواہد کے بعد پولیس کے لئے گریوال کی ابتدائی گرفتاری کا جواز موجود تھا۔ انہوں نے آدھی رات کو گریوال کو نیند سے اٹھایا اور اپنے وکیل کو بلانے کی استدعا کرتے ہوئے اسے کہا کہ پولیس اسے جسونت سنگھ کے قتل کے الزام میں گرفتار کر رہی ہے...... گریوال ہکا بکا پولیس کا منہ دیکھ رہا تھا۔

اس نے امریکہ میں حاصل اپنے حقوق کے تحت اپنے وکیل کو فون کیا جس نے اسے کوئی بھی بیان پولیس کو دینے کی سختی سے ممانعت کرتے ہوئے پولیس آفیسر کو فون پر قانونی پوزیشن سمجھاتے ہوئے کہا کہ وہ اس کے موکل کو شک میں گرفتار نہیں کر سکتے لیکن پولیس نے فی الوقت واقعاتی شہادتوں کی بنیاد پر اسے گرفتار کرنا مناسب سمجھا۔

یہ الگ بات ہے کہ اگلے روز شام تک اس کے وکیل نے ضمانت پر گریوال کو رہا کروالیا کیونکہ امریکہ جیسے ملک میں کسی شخص کو محض شک کی بنیاد پر گرفتار نہیں کیا جاسکتا۔ صبح ہونے تک ساری سکھ کمیونٹی میں جسونت سنگھ کے قتل کی خبر پھیل چکی تھی۔ ان لوگوں نے شام کو جھگڑا اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا۔

اس کے ساتھ ہی فیڈریشن میں موجود ''را'' کے ایجنٹ حرکت میں آ گئے اور انہوں نے اس قتل کا الزام گریوال کے سر تھوپ کر اس کی ملامت شروع کر دی۔

نیوجرسی کے سکھ اگلے روز تک دو واضح گروپوں میں تقسیم ہو چکے تھے اور کچھ لوگوں کو خواہ مخواہ جسونت سنگھ سے ہمدردی بھی پیدا ہونے لگی تھی۔

جسونت سنگھ کے بھائی کلونت سنگھ نے جو اس کی طرح ''را'' کا آلہ کار تھا...... سوامی مہاراج کی ہدایت اور حکم پر بھارتی سفارت خانے کے خرچ پر بلائی گئی ایک پریس کانفرنس میں اپنے بھائی کے قتل کا الزام گریوال پر لگاتے ہوئے اسے ایک سازش قرار دیا اور اس سازش کے ڈانڈے پاکستان سے ملا دیئے۔

کلونت سنگھ اور اس کے ساتھ موجود کچھ نام نہاد سکھوں نے پاکستانی سفارتکاروں پر بے بنیاد الزامات لگاتے ہوئے کہا کہ سکھوں میں پاکستانیوں کی بڑھتی ہوئی دلچسپی اس ملک میں سکھوں کو ذلیل کرنے کی سازش ہے۔ اس نے اپنے ان سکھ بہن بھائیوں سے جو پاکستانیوں کے بہکاوے میں آ کر آپس میں لڑائی جھگڑے کر رہے تھے، اپیل کی تھی کہ وہ اپنی قوم کی عزت بچانے کے لئے

اس سازش سے بچیں۔

پاکستانی سفارت خانے میں کام کرنے والے دو سفارت کاروں کے نام جوان لوگوں کے منہ میں ''را'' نے ڈالے تھے انہوں نے اس پریس کانفرنس میں لیتے ہوئے بتایا کہ یہ لوگ سکھوں میں اشتعال انگیز لٹریچر اور پیسے تقسیم کر کے انہیں بھارتی حکومت کے خلاف ورغلا رہے ہیں۔ اس پریس کانفرنس کی کوریج کرنے والوں میں ٹی وی کے دو مقامی چینل تو وہ تھے جنہیں ہندو چلا رہے تھے۔ دو چینل انہوں نے خرید لئے تھے...... جنہوں نے یہ ساری پریس کانفرنس جوں کی توں ریلیز کر دی۔

امریکن پریس پر یہودی قابض تھے، اپنے ہندو دوستوں کو خوش کرنے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے کب جانے دیتے۔ ان لوگوں نے بھی اس پریس کانفرنس کو جوں کا توں شائع کر دیا۔ کئی مقامی اخبارات نے کلونت سنگھ کی طرف سے دہرائے جانے والے پاکستانی سفارت کاروں کے نام بڑی بڑی سرخیوں کے ساتھ شائع کر دیئے تھے۔

''را'' کی سازش کامیاب رہی تھی......

انہوں نے ایک مرتبہ پھر پاکستانی سفارت خانے کو اس معاملے میں گھسیٹ کر پاکستان انٹیلی جنس کے ہاتھوں پہنچنے والی ہزیمت کا بدلہ چکانے کی بھونڈی کوشش کی تھی...... گو کہ ایسے بیانات کی یہاں کوئی اہمیت نہیں تھی لیکن ایک مرتبہ تو ان لوگوں نے سنسنی پھیلا کر رکھ دی تھی۔

O

سشمی اس وقت سوامی مہاراج کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں...... وہ اچانک ہی پہلی مرتبہ بغیر فون کئے یہاں آیا تھا۔ یہ خلاف معمول بات تھی...... اس کی آمد سے پہلے اس کی اطلاع ضرور آیا کرتی تھی تا کہ آشرم میں اگر کچھ لوگ ایسے موجود ہوں جن کے سامنے اس کا آنا مناسب نہ ہو انہیں وہاں سے ہٹا دیا جائے۔

''سوامی جی مہاراج......'' اس نے گھبرائی ہوئی آواز میں اپنی بپتا کا آغاز کیا۔

''یار تم مرے کیوں جا رہے ہو...... ابھی کیا قیامت گزر گئی ہے تم پر۔ کچھ ہمیں بتاؤ...... تم نے تو......''

''سوامی جی مہاراج پہلے میری بات سن لیجئے......'' سشمی نے چڑ کر سوامی کے طنزیہ

نقرے کو درمیان سے کاٹا تھا۔

''اچھا اچھا کہو......ساوتری تم جلد پانی کا بندوبست کرو......ہمارا یار کچھ گھبرایا لگتا ہے......'' سوامی نے وہاں موجود ساوتری کو باہر جانے کا اشارہ کیا۔

''آپ کے آشرم میں کوئی آستین کا سانپ پل رہا ہے''......شمسی کی بات نے سوامی کا دماغ گھما کر رکھ دیا۔

''ہوش کے ناخن لو شمسی......یہ بھارتی یا پاکستانی سفارت خانہ نہیں جہاں کوئی جاسوس رہے اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو......یہ سوامی مہاراج کا آشرم ہے۔ چڑیا پر نہیں مار سکتی یہاں''......سوامی نے بڑے اعتماد سے کہا۔

''چڑیا کی بات میں نہیں کرتا سوامی جی......لیکن یہاں کوئی انسان ضرور گھس آیا ہے۔ مجھے پہلے شک تھا اب یقین ہو گیا ہے......سوامی جی......ہوش کے ناخن لیں۔ آپ نہیں جانتے ان آئی۔ ایس۔ آئی والوں کو......حالانکہ آپ کو کئی دفعہ ان کے ہاتھ لگ چکے ہیں......میں نے اس لونڈے کی ایئرپورٹ سے گرفتاری کو پہلے اتفاق جانا تھا۔ لیکن اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ ان لوگوں کو پہلے ہی سے سارے منصوبے کی خبر ہو گئی تھی''......شمسی آج بدلے ہوئے اور سوامی مہاراج کے لئے اجنبی لہجے میں بات کر رہا تھا۔

وہ کیسے؟ سوامی کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

''جس روز میں نے آشرم میں ریاض والی بات کی تھی......اس سے اگلے دن اس کے تبادلے کے احکامات آ گئے اور تازہ ترین اطلاع یہ ہے کہ اس کا استقبال کراچی ایئرپورٹ پر انٹیلی جنس والوں نے کیا تھا وہی اسے اپنا مہمان بنا کر ساتھ لے گئے ہیں......اب میرے بچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا......وہ اتنا مضبوط آدمی نہیں ہے کہ میرا نام نہ لے......مرزا کی اور بات تھی......اور ہاں تم بھی یاد رکھنا اگر اگلے 48 گھنٹے کے اندر اندر میری بیوی اور بچے پاکستان سے نہ نکلے تو میں بھی تمہارے ساتھ کوئی رعایت نہیں کروں گا......دو سال سے تمہارے لئے کام کر رہا ہوں اگر میرے ساتھ بھی جسکانی والا سلوک ہوا تو پھر کوئی بھی نہیں بچ پائے گا......اور ہاں میں اب واپس ایمبیسی میں نہیں جاؤں گا......میں سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ جا رہا ہوں، یہاں سیاسی پناہ کی درخواست کروں گا......سوامی میرے لئے فوری طور پر پچاس ہزار ڈالر کا بندوبست کرو......مجھے کل شام تک رقم مل

جانی چاہئے''۔ شمسی نے اپنے عزائم سے اسے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔

سوامی جانتا تھا کہ شمسی کے پاس واقعی ''را'' کے اتنے راز محفوظ ہیں کہ اگر کبھی وہ گرفتار ہو گیا تو کم از کم یورپ اور امریکہ میں ان کے گینگ کا صفایا کروا دے گا۔ اس کے انکشافات سے ساری دنیا کے سفارتی علاقوں میں ہلچل مچ جائے گی اور ''را'' کی وہ مٹی پلید ہو گی کہ خدا کی پناہ......

وہ ''را'' کا اسسٹنٹ ڈائریکٹر تھا۔ اپنی آرگنائزیشن کی تباہی کے تصور نے اسے لرزا کر رکھ دیا......اس بات میں کوئی شک نہیں تھا مگر شمسی نے گزشتہ دو سالوں میں پاکستان اور اس کے باہر ان کے لئے درجنوں غدار پیدا کئے تھے۔ لیکن اب وہ پاکستان انٹیلی جنس کی نظروں میں آ چکا تھا اور ایک مرتبہ آئی ایس آئی کی نظروں میں آنے کا مطلب تھا تباہی کا آغاز......وہ جانتا تھا آئی ایس آئی والے اپنی تربیت کے مطابق لاتعلقی کا تاثر دیں گے اور بظاہر یہی دکھائی دے گا کہ انہیں شمسی کا کوئی سراغ نہیں مل سکا لیکن وہ لوگ شمسی کے ذریعے تمام چوہوں کو ایک ایک کر کے بل سے باہر نکالیں گے اور مار ڈالیں گے۔ باقی باتیں تو بعد میں ہوتی رہیں گی پہلے وہ شمسی سے نمٹ لے......

''چلا ہوا کارتوس''......اس نے دل ہی دل میں دہرایا اور ایک سفاک مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر پھیل گئی۔

''شمسی صاحب! ہم یاروں کے یار ہیں......ہم بھاگنے والے نہیں، آپ نے دو سال تک ہمارے لئے کام کیا ہے، اگر آج ہم مصیبت میں آپ کے کام نہ آئیں تو پھر لعنت ہے ہم پر......آپ بالکل مطمئن رہیں......آپ کو ابھی اپارٹمنٹ کی چابی مل جائے گی......نیوجرسی میں اپارٹمنٹ سنبھالئے۔ کل شام کو آپ کے پاس پچاس ہزار ڈالر کیش پہنچ جائے گا......اس وقت آپ کو جس چیز کی ضرورت ہے حکم کیجئے......جہاں تک آپ کی فیملی کا تعلق ہے ہمارے لوگ اپنی جان پر کھیل کر انہیں پاکستان سے نکال لیں گے......''

اس نے شمسی سے اس انداز میں کہا کہ خوف زدہ شمسی کا چہرہ پُرسکون ہونے لگا۔

شکریہ سوامی مہاراج......مجھے اپنے دوستوں سے یہی امید تھی......آپ فی الوقت میرے لئے کسی وکیل کا بندوبست کیجئے تاکہ ہم اس معاملے کو لمبا نہ کریں......میں چاہتا ہوں کل پرسوں تک اپیل کر کے میں پریس کانفرنس رکھوں لیکن اس سے پہلے میری فیملی کا نکلنا ضروری ہے......شمسی گدھا بن گیا تھا......

''شمسی صاحب گھبراہٹ اور جلدی بہت سے کام بگاڑ دیا کرتی ہے......آپ فی الوقت ہمارے اس ٹھکانے پر پہنچیں۔ وہاں وکیل آپ سے ملنے آئے گا۔ میں چاہتا ہوں فی الحال آپ کسی ضروری کام کا بہانہ کر کے اپنے سفارت خانے کو چھٹی کی درخواست بھیج دیں تا کہ ہم آپ کی فیملی کو نکال لیں جس کے فوراً بعد آپ کی اپیل دائر کر دی جائے اور فیملی کو امریکہ پہچانے کا قانونی جواز بن جائے''......

سوامی نے گدھے شمسی کو اگلا سبز باغ دکھایا اور وہ ساون کا اندھا بن کر رہ گیا۔

''ٹھیک ہے......ٹھیک ہے......اب آپ نے ہی سب کچھ کرنا ہے'' شمسی کا لہجہ اچانک چاپلوسی والا ہو گیا۔ اس کے سامنے ہی سوامی مہاراج نے فون پر کسی سے کہا تھا کہ نیو جرسی والے اپارٹمنٹ کا بندوبست کر دے......؟

پیغام موصول کرنے والے نے ایک گھنٹے کی مہلت مانگی تھی کیونکہ اس پیغام کا مطلب وہ بخوبی جان گیا تھا......؟ یہ ایک گھنٹہ شمسی نے ساوتری کے ساتھ گزارا......

اس درمیان اس نے شاید پوری بوتل ہی چڑھا لی تھی اور خود کو ابھی سے مہاراجہ اندر سمجھنے لگا تھا......قریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد سوامی کو فون آ گیا جس میں ایک ایڈریس لکھا دیا گیا تھا۔ اس نے شمسی کو نیو جرسی کا وہی ایڈریس لکھا دیا اور کہا کہ اب اس نے اس اپارٹمنٹ میں رہنا ہے شمسی کو شراب کچھ چڑھنے لگی تھی احتیاطاً اسے چھوڑنے کے لئے سوامی نے اپنا ایک خاص آدمی بطور ڈرائیور اس کے ساتھ روانہ کر دیا تھا۔

O

دونوں آشرم میں داخل ہو رہے تھے جب انہوں نے ڈگمگاتے قدموں سے شمسی کو برآمد ہوتے دیکھا جسے سوامی کا ایک چیلا جو شکل ہی سے حرام خور لگتا تھا، سنبھالتے باہر آتا دکھائی دیا۔ شیر عالم اپنی جگہ ٹھٹھک کر رہ گیا۔ اس نے چند لمحے کے لئے کچھ سوچا پھر تیزی سے بشیر کی طرف مڑا۔

''طاہر ابھی باہر ہی ہو گا بھاگ کر جاؤ اسے روکو''......اس نے بشیر سے کہا اور وہ انہی قدموں پر واپس لوٹ گیا۔

شیر عالم ایک کونے میں اس طرح چھپ کر کھڑا ہو گیا تھا کہ کسی کی نظر اس پر نہ پڑ سکے۔ اس نے دونوں کو کار پارکنگ کی طرف جاتے دیکھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ یہ شخص شمسی کے

ساتھ کہیں جائے گا۔ ظاہر ہے شمسی کم از کم ڈرائیونگ کے قابل دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

اسی اثناء میں اس نے بشیر کو ہاتھ سے اشارہ کرتے دیکھا شاید وہ طاہر کی وہاں موجودگی سے اسے آگاہ کر رہا تھا۔

شیر عالم تیز تیز قدموں سے اس طرف چل دیا۔ طاہر گاڑی کو سڑک کنارے کھڑا کئے شاید ان کے جواب کا منتظر تھا کیونکہ آج وہ گاڑی لے کر نہیں آئے تھے۔

''تم آشرم میں جاؤ......میں طاہر کے ساتھ ان کا تعاقب کرتا ہوں''......شیر عالم نے بشیر سے کہا۔

''ٹھیک ہے......''

''ان کی گاڑی کا ہوشیاری سے تعاقب کرنا ہے''......شیر عالم نے شمسی کی گاڑی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا جو کار پارکنگ سے اب اس سڑک کی طرف آ رہی تھی۔

طاہر بہت سلجھا ہوا ڈرائیور تھا۔ گو کہ ان لوگوں نے جلدی ہی ''ہائی وے'' پر گاڑی ڈال دی تھی لیکن اس نے اتنی ہوشیاری سے تعاقب کیا تھا کہ کار چلانے والے کو احساس ہی نہ ہو سکا۔ نیو جرسی پہنچنے سے پہلے اس راستے میں ایک سروس پر گاڑی رُکی بھی تھی شاید یہاں سے اس نے کسی کو فون کیا تھا۔

نیو جرسی کے پہلے ایگزٹ پر ہی وہ اندر داخل ہو گئے اور جلد ہی اس تعاقب کا خاتمہ ہو گیا وہ لوگ ایپل ٹری سٹریٹ پر آ گئے تھے۔ جس اپارٹمنٹ کے سامنے انہوں نے گاڑی روکی تھی اس کا نمبر ایک ہی نظر میں پڑھ کر شیر عالم نے طاہر کو گاڑی آگے لے جانے کا اشارہ کیا تھا......

ایک سٹریٹ مڑنے پر ہی انہیں اس آبادی کی چھوٹی سی مارکیٹ نظر آ گئی جس کے ایک کونے میں رُک کر شیر عالم نے فوراً ہی پاکستان کے لئے کال ملا دی تھی۔ چونکہ میجر کیانی نے اسے اپنے موبائل فون کا نمبر دیا ہوا تھا جو ہمیشہ اس کے ساتھ رہتا تھا اس لئے وہی فون پر مل گیا۔

شیر عالم نے جلدی جلدی اسے ساری صورت حال سے آگاہ کیا اور آئندہ کے لئے ہدایت چاہی۔ ''تم جہاں سے فون کر رہے ہو اس بوتھ کا نمبر بتا دو اور یہیں انتظار کرو۔ میں تمہیں دس منٹ کے اندر کال بیک کرتا ہوں'' میجر کیانی نے یہ کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

شیر عالم کی طرف سے اس فون بوتھ پر دہرائے جانے والا نمبر میجر کیانی نے نوٹ کر لیا

تھا۔ اگلے ہی لمحے اس کی انگلیاں حرکت میں آ گئیں۔ اس نے فوراً ہیڈ کوارٹر کے مرکزی سگنل روم کو الرٹ کر دیا تھا اور پانچ منٹ کے اندر اندر تازہ ترین صورتحال کی بریفنگ کے بعد اگلی ہدایت طلب کر لی تھی......

شیر عالم نے فون کریڈل میں لگا دیا۔ گو کہ یہاں کے فون بوتھ اتنے مصروف نہیں رہتے تھے کہ انہیں کسی قباحت کا سامنا کرنا پڑتا پھر بھی اس نے طاہر کو ہدایت کی تھی کہ وہ کم از کم اب سے آٹھ منٹ یہی فون مصروف رکھے تاکہ کوئی اس طرف نہ آ سکے۔

طاہر اس کا مطلب سمجھ گیا تھا اور اس نے اپنے مقامی دوستوں سے گپ شپ کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ پانچ چھ منٹ بعد وہ فارغ ہو گیا تو یہی ڈیوٹی شیر عالم نے سنبھال لی اور اس نے دو تین انکوائری نمبر گھما کر دو تین منٹ مزید ضائع کر دیئے اور خواہ مخواہ کے ٹیلی فون نمبر معلوم کرنے لگا۔

قریباً آٹھ نو منٹ مصروف رکھنے کے بعد انہوں نے فون کریڈل پر جما دیا۔ اسی اثناء میں بمشکل ایک بوڑھی خاتون نے اس قطار میں لگے آخری فون بوتھ کو استعمال کیا تھا۔ قریباً پندرہ منٹ کے جان لیوا انتظار کے بعد فون کی گھنٹی بجی تو شیر عالم نے پہلی ہی گھنٹی پر اس طرح اچانک لپک کر فون پکڑا تھا جیسے اگلی گھنٹی ہو گئی تو فون بند ہو جائے گا......! دوسری طرف حسب توقع میجر کیانی تھا...... اس نے دو منٹ کے اندر اندر اسے اگلی ہدایات دیں اور خدا حافظ کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

اس کے ساتھ ہی وہ طاہر کی طرف گھوما...... اس نے میجر کیانی کی ہدایت دہرا دی تھی۔

''ٹھیک ہے...... لیکن یہاں سے نہیں......'' طاہر نے کہا اور دونوں گاڑی کی طرف چل دیئے۔

ایک مرتبہ پھر ''ایپل ٹری سٹریٹ'' سے گزر رہے تھے...... انہوں نے دوبارہ غور سے وہی نمبر پڑھا اور یہاں سے پانچ چھ سڑکیں گزرنے کے بعد سڑک کنارے ایک ٹیلی فون بوتھ سے طاہر نے ایمرجنسی پولیس کا نمبر گھما دیا تھا۔

جب وہ امریکن لہجے کی انگریزی میں باتیں کر رہا تھا تو شیر عالم کے لئے یہ اندازہ لگانا ناممکن تھا کہ وہ کوئی غیر ملکی ہے یا مقامی نیگرو...... اس نے مقامی نیگروز کے انداز میں بالکل ان ہی کی طرح انگریزی میں بات کر کے اپنا مختصر سا پیغام ریکارڈ کروا دیا تھا۔

O

ایمرجنسی پولیس کے سکواڈ نمبر نائن نے یہ پیغام موصول کیا تھا۔

فون کرنے والے نے انہیں ''ایپل ٹری سٹریٹ'' کے ایک اپارٹمنٹ کا نمبر بتا کر کہا تھا کہ وہاں کوئی خطرناک کام ہو رہا ہے اگر وہ چاہیں تو ملزموں کو رنگے ہاتھوں پکڑ سکتے ہیں۔ اس نے اپارٹمنٹ کے باہر کھڑی کار کی نشانی خاص طور پر بتاتے ہوئے کہا تھا کہ اسے بہرصورت چیک کیا جائے۔ اس کے ساتھ ہی فون کٹ گیا تھا۔ پولیس والے ہیلو ہیلو ہی کرتے رہ گئے۔

سارجنٹ بیکر نے فوراً ہی گشتی کاروں کو گمنام کال اور اپارٹمنٹ نمبر بتا دیا تھا...... امریکی قوانین اور اپنی تربیت کے مطابق ان لوگوں کے لئے کسی بھی ہنگامی کال پر عمل کرنا ضروری تھا...... دوسرے ہی لمحے پولیس کی دو برق رفتار کاریں اس طرف روانہ ہو گئیں۔ عموماً ایسی کالوں کے نتائج ان کی توقع کے مطابق ہی برآمد ہوا کرتے تھے۔

O

سمشی کے ساتھ سوامی مہاراج کا چیلا جب اپارٹمنٹ میں داخل ہوا تو یہاں موجود لوگ ان کے استقبال کے لئے تیار تھے...... ایسے اپارٹمنٹ ''را'' کے لوگ اکثر جعلی ناموں اور جعلی شناخت محفوظ رکھتے تھے...... اور انہیں ہنگامی بنیادوں پر استعمال کیا کرتے تھے۔ جیسے ہی سمشی اندر داخل ہوا وہاں موجود ایک لمبے تڑنگے ایشیائی نوجوان نے اس کی کمر میں اتنے زور سے لات رسید کی کہ اس کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔ ایک ہی لات نے اس کا نشہ ہرن کر دیا تھا۔

کون لوگ ہو تم؟

''بتاؤ اس سالے، کتے کے پلے کو کہ ہم کون ہیں؟''

اس کے ساتھ آنے والے نے کہا اور سمشی کو سمجھ آ گئی کہ یہ کون لوگ ہیں۔

''اچھا تو تم ہمیں ننگا کرو گے دنیا میں...... سالے تیری کیا مجال کہ تو نے سوامی مہاراج کے سامنے زبان کھولنے کی ہمت بھی کی ہے...... پہنچاتے ہیں تجھے بھی تیری فیملی کے پاس...... سالے کو پچاس ہزار ڈالر چاہئیں''...... اتنا کہتے ہوئے اس شخص نے سمشی کے سامنے پستول پر سائیلنسر چڑھانا شروع کر دیا۔

''دیکھو تم غلطی کر رہے ہو...... میں تم سب کو کتے کی موت مروا دوں گا۔ تم مجھے نہیں جانتے۔ میرے دلی سے سیدھے رابطے ہیں...... سیدھے رابطے...... میں تمہیں......؟''

اس کی بات نامکمل ہی تھی جب وہاں موجود دونوں شیطانوں کے زوردار قہقہوں نے

اپارٹمنٹ کی چھت ہلا ڈالی۔ ''سالے کو موت کے خوف نے پاگل کر دیا ہے''......اس کے ساتھ آنے والے نے اپنے پہلے سے موجود ساتھی سے کہا۔

''ابھی اس کو نجات دلاتا ہوں موت کے خوف سے بھی اور زندگی سے بھی......جے بجرنگ بلی''......اس نے جیکارہ بلند کیا اور خوف زدہ شمسی کے بالکل نزدیک جا کر اس کے سر میں یکے بعد دیگرے تین گولیاں اتار دیں......مرنے سے پہلے ہی خوف سے شمسی کی زبان بند ہو گئی تھی اس کے حلق سے معمولی آواز بھی نہ نکل سکی اور وہ وہیں قالین پر ڈھیر ہو گیا۔

''اسی میں لپیٹ کر سالے کا سنسکار کر دو''......پستول والے نے اس کی لاش کو لات مارتے ہوئے اپنے ساتھی سے کہا اور دونوں نے دو تین منٹ ہی میں شمسی کی لاش کو اس قالین میں رول کر دیا جس میں اس کے سر سے بہنے والا خون جذب ہو رہا تھا۔

''جے بھولے ناتھ کی''......

دونوں نے قالین کو دونوں سروں سے پکڑ کر اٹھایا اور اسی طرح باہر لانے لگے۔ وہ اس قالین کو اس کار کی ڈگی میں بند کر کے ٹھکانے لگانے کے ارادے سے باہر آئے تھے جب اچانک ہی فضا پولیس کاروں کے سائرن سے گونجنے لگی......

دونوں نے قالین وہیں پھینکا اور چاہا کہ وہاں سے بھاگ جائیں۔ لیکن یہ حسرت ان کے دل ہی میں رہ گئی۔ امریکن پولیس کے پھرتیلے اور برق رفتار جوانوں نے چند سیکنڈ ہی میں انہیں آ لیا......

تھوڑی دیر بعد وہ لاش کو ایمبولینس میں ڈال کر ہسپتال روانہ کرنے کے بعد ان دونوں کو ہتھکڑیاں لگائے دو الگ الگ کاروں میں پولیس سٹیشن لے جا رہے تھے......لاش ابھی وہیں موجود تھی جب مقامی ٹی وی اور پریس کے نمائندے وہاں پہنچ گئے۔

پہلی خبر تو ابھی جاری ہوئی تھی کہ دو بھارتیوں نے اپنے تیسرے ساتھی کو قتل کر دیا لیکن مقتول کی لاش کی شناخت کے لئے جب اس کی تصاویر ٹی وی پر دکھائی اور اخبارات کو جاری کی گئیں تو پاکستانی سفارت خانے کے ایک ذمہ دار نے پولیس کو مطلع کیا کہ یہ تو ان کا سفارت کار تھا جو گزشتہ 48 گھنٹوں سے غائب ہے......اس نے غائب ہونے کے پانچ چھ گھنٹے بعد بذریعہ فیکس تین دن کی چھٹی کی درخواست بھیجی تھی جس میں بتایا تھا کہ اسے اچانک کسی کام سے لاس اینجلس جانا ہے......

قاتلوں کی شناخت ہو گئی ہے۔ دونوں بھارتی نژاد امریکن شہری تھے۔ انہوں نے پولیس کے سامنے قتل کا اعتراف کرتے ہوئے بتایا کہ شمسی کے ذریعے وہ پاکستانی سفارت خانے سے لوگوں کو ویزے لگوا کر دیا کرتے تھے۔ اس نے الٹا انہی کو بلیک میل کرنا شروع کر دیا تھا جس پر انہوں نے طیش میں آ کر اسے مار ڈالا اور اب اس کی لاش ٹھکانے لگانے جا رہے تھے۔

دو بہترین ایجنٹوں کی شمسی کی لاش کے ساتھ گرفتاری نے سوامی مہاراج کو چکرا کر رکھ دیا تھا......اس کا مطلب تھا کہ شمسی نے مرنے سے پہلے سچ بولا تھا۔ اس بات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ پولیس کو کسی نے پہلے سے آگاہ نہ کیا ہو......

سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ جس نے پولیس کو آگاہ کیا ہے اسے آخر اس بات کا کس طرح علم ہوا؟ کوئی آشرم میں نقب لگا چکا تھا......اور اس کے بہت قریب بھی......کون ہو سکتا ہے وہ؟

اس کے نزدیک تو کسی کو پھٹکنے کی اجازت نہیں تھی۔ سوائے ساوتری اور اس کی دو تین ساتھیوں کے کہیں ساوتری تو نہیں بک گئی؟

اچانک اسے خیال آیا لیکن اس نے اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیا۔ سورج مغرب سے طلوع ہو سکتا تھا لیکن ساوتری کی وفاداری مشکوک نہیں ہو سکتی تھی......کون آخر چھپ چھپ کر اس کی باتیں سنتا رہا ہے......کہیں اس کا خاص کمرہ تو ''بگ'' نہیں ہو گیا......

نواں باب

سوامی کا دماغ چکرا کر رہ گیا تھا۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ یہ آستین کا سانپ کون ہے؟ اس روز رات کو اسے ڈائریکٹر جنرل کی طرف سے فوراً امریکہ چھوڑنے کا پیغام مل گیا تھا۔ عین ممکن تھا کہ دونوں ایجنٹ پولیس کی تفتیش سے گھبرا کر سچ ہی نہ بول دیں...... پھر سب سے بڑھ کر خطرے کی بات تو یہ تھی کہ ابھی پاکستانی انٹیلی جنس نے جوابی حملہ کرنا تھا...... وہ لوگ سمشی کی موت کو کیش (Cash) کروائے بغیر پیچھے نہیں ہٹ سکتے تھے...... سوامی کے بھگتوں کے لئے اس کی اچانک بھارت واپسی بڑے اچنبے کی بات تھی...... وہ بڑے اداس دکھائی دے رہے تھے لیکن سوامی مہاراج نے صبح کے بھاشن میں بتایا تھا کہ رات ہی دیوی ماں نے پرگٹ ہو کر انہیں اپنے پاس حاضر ہونے کی چیتاونی دی ہے اور اب وہ ایک لمحے کے لئے بھی یہاں نہیں رک سکتے...... اب انہیں ایک لمبا سمے دیوی ماں کے قدموں میں بیتانا تھا۔

سوامی مہاراج کی روانگی کے بعد شیر عالم اور بشیر کے وہاں رہنے کا کوئی جواز باقی نہیں رہ گیا تھا۔ بشیر نے اسے یہی مشورہ دیا تھا کہ اب اس دیس میں بس جاتے ہیں لیکن کوئی مقناطیسی قوت یا پھر اس کی بدبختی اسے اپنے ملک کی طرف کھینچ رہی تھی......

وہ "اڑ" کر پاکستان پہنچ جانا چاہتا تھا......

اپنے نہاں خانہ دل میں بنی گیتا نجلی کی تصویر کو وہ لاکھ کھرچنے پر بھی نہیں مٹا پایا تھا...... ایک روز وہ آ گیا جب دونوں پی۔ آئی۔ اے کی ایک پرواز سے پاکستان واپس جا رہے تھے۔

O

انور خان کے لئے اس سوال کا جواب ہاں یا ناں میں دینا مشکل تھا......

وہ نہیں جانتا تھا کہ عذرا کے دل میں کیا ہے؟ وہ اس سے متعلق کس طرح کے جذبات رکھتی ہے جب سے میجر افراسیاب نے اسے شیر عالم کی شادی سے متعلق بتایا اور کہا تھا کہ وہ کسی دوسرے ملک میں جا رہا ہے تب سے وہ کچھ بجھ سی گئی تھی......

انور خان نے اس کی دل جوئی کی ہر ممکن کوشش کر ڈالی تھی۔ اس کا دل کئی مرتبہ چاہا کہ وہ عذرا پر اپنا حال دل بیان کر دے لیکن ایک حجاب سا آڑے آتا رہا۔

اس نے سوچا کہیں عذرا یہی نہ سمجھ لے کہ وہ شاید اس موقع کا منتظر تھا۔ یوں بھی انور خان انسانی احساسات کی گہرائی جاننے کا شعور رکھتا تھا۔ یہ وصف اسے ماں کی طرف سے ملا تھا۔

اس کے خاندانی اعلیٰ اقدار اور نفیس شرافت نے اسے سکھایا تھا کہ انسانی جذبات کتنے واجب الاحترام ہوتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ اب تک اس نے اپنی زبان سے یا اشارے سے بھی عذرا کو یہ احساس نہیں ہونے دیا تھا کہ شاید وہ اس کا محسن ہونے کے ناطے اب اس پر اپنا حق بھی جتانے لگا ہے......

بس یہ ضرور تھا کہ اب اسے ایک امید ہو چلی تھی کہ عذرا کے سوچنے کا انداز بدل جائے گا اور وہ عملی زندگی کے تقاضے جاننے لگے گی۔ اس روز جب عذرا نے اچانک شام کو چائے پیتے ہوئے کہا کہ وہ کچھ کرنا چاہتی ہے...... تو انور خان کو خوشی ہوئی کہ اس نے خود پر یاسیت کا غلبہ نہیں ہونے دیا اور زندگی کے تلخ حقائق کا ادراک کرتے ہوئے انہیں اپنی مجبوریوں کے ساتھ قبول کر لیا ہے۔

مسز خان کے لئے یہ خبر بڑی خوش آئند تھی کہ عذرا کو سلائی کٹائی کا فن آتا ہے۔ انہوں نے کچھ عرصہ کے لئے اسے اپنی ایک دوست کی گارمنٹس فیکٹری میں بھیجنا شروع کر دیا تھا۔ عذرا نے چند دنوں میں مقامی کپڑوں کی ڈیزائننگ سمجھ کر ان کی کٹائی پر عبور حاصل کر لیا تھا اور اب وہ اس قابل بھی ہو گئی تھی کہ اپنے پیروں پر خود کھڑی ہو سکے...... یہی مسز خان چاہتی تھیں۔

نفسیات کی استاد ہونے کے ناطے وہ عذرا کو یہ احساس نہیں دلانا چاہتی تھیں کہ وہ خدانخواستہ قابل رحم زندگی گزار رہی ہے۔ ان کی خواہش تھی کہ عذرا اپنے ساتھی کو ایک تلخ تجربے یا حادثے کی کسی صورت تو یاد رکھے لیکن اسے مرض جان نہ بنائے۔

عذرا نے بھی آہستہ آہستہ اپنا گمشدہ اعتماد حاصل کر لیا تھا اور اب اسے مقامی طور اطوار سے مکمل واقفیت ہو چکی تھی۔ اس روز جب مسز خان نے اس سے تنہائی میں شادی سے متعلق اس کی مرضی جاننا چاہی تو عذرا نے شرما کر سر جھکا دیا۔

''بیٹی میں جانتی ہوں کہ تم شیر عالم سے متعلق کیسے نظریات رکھتی ہو......لیکن ہمارے معاشرے میں مرد کی زندگی یکسر بدل جاتی ہے جب وہ شادی شدہ مرد کہلانے لگتا ہے......اس نے یقیناً تمہیں تلاش کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ہوگی جس کے بعد ہی اس نے یہ فیصلہ کیا ہوگا۔ اب اگر اسے یہ علم ہوا کہ تم نے محض اس لئے شادی نہیں کی تو اسے دکھ ہوگا......خوشی نہیں ہوگی۔ تمہیں اس کی خوشی کے لئے ہی خود کو خوش رکھنا چاہئے''۔

''آنٹی! میرے لئے اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے بعد جو کچھ بھی ہیں آپ ہیں......میں نے آپ کے گھر میں نیا جنم لیا ہے......میری زندگی کا آغاز اس روز سے ہوا جس روز میں نے ٹرین میں آپ سے ملاقات کی تھی......اب میری زندگی پر میرے ایک ایک سانس پر اگر کسی کا حق ہے تو وہ آپ ہیں......آپ جو بھی فیصلہ کریں گی میرے لئے دل و جان سے قابل قبول ہوگا''......

اس نے جواب دیا۔

''بیٹی اگر تم اجازت دو تو ہم تمہیں ہمیشہ کے لئے اپنے ساتھ ہی رکھ لیں...... پہلے تم بیٹی تھیں پھر ہماری بہو بھی بن جاؤ گی......''

مسز خان کے اس فقرے نے عذرا کے دل و جان کے تار جھنجھنا کر رکھ دیئے تھے۔

''آنٹی......میں نے خود کو کبھی اس قابل نہیں جانا......انور صاحب تو بہت بڑے آدمی ہیں۔ میرے تصورات سے بڑھ کر عظیم الشان انسان ہیں......آپ تو ٹاٹ میں مخمل کا پیوند لگانے جا رہی ہیں، مجھے سمجھ نہیں آ رہی میں کیا کہوں''......اس نے شرما کر اور قدرے گھبرا کر بھی اپنے ہاتھوں کی انگلیاں مروڑنا شروع کر دی تھیں۔

''بیٹی عظمت کی جن بلندیوں پر تم کھڑی ہو اس کا احساس شاید تمہیں نہیں ہے......بہر حال میں نے ایک ماں کی حیثیت سے بہترین فیصلہ کیا ہے اور مجھے امید ہے تم اسے قبول کرو گی''......

مسز خان اس کے دل و دماغ میں چل رہی کشمکش سے آگاہ تھیں اور اب اسے مزید امتحان میں نہیں ڈالنا چاہتی تھیں۔

''جو آپ کا حکم ہوگا۔ مجھے منظور ہے'' عذرا نے کہا اور اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔

''جیتی رہو......''مسز خان نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

اگلے روز ہی انہوں نے یہ سوال اپنے بیٹے سے بھی کر دیا تھا اور اس کی مرضی دریافت کی

تھی۔

''امی! آپ کو میری مرضی کا تو علم ہے......یقیناً اس کو جان کر ہی آپ نے عذرا سے بات کی ہوگی......لیکن مجھے صرف یہ اطمینان چاہئے کہ اس نے یہ فیصلہ کسی اخلاقی دباؤ کے تحت تو نہیں کیا......اس کی مکمل مرضی اس میں شامل ہے؟''

انور خان نے کہا۔

''بیٹا......میں تمہاری ماں ہی نہیں۔ نفسیات کی طالب علم بھی ہوں۔ یہ بات میرے ذہن میں بھی تھی اور میں نے اس اطمینان کے بعد ہی تم سے کہا ہے......''مسز خان نے کہا۔

انور خان کے لئے تو یہ اندھے کو ملنے والی دو آنکھوں کا تحفہ تھا اس نے فوراً ہاں کہہ دی......مسز خان نے اپنی رشتہ کی کچھ بھتیجیوں اور بھانجیوں کو اپنے ہاں بلانے کے بعد ہی بیاہ کی تیاریاں شروع کر دی تھیں اور شادی سے کچھ روز پہلے عذرا کو اپنے بھائی کے گھر منتقل کر دیا تھا جو پولیس کے بڑے افسر تھے۔

عذرا کی ڈولی ان کے ہی گھر سے اٹھی......

ان لوگوں نے کسی بھی مرحلے پر عذرا کو اپنی دانست میں کسی کمی کا احساس نہیں ہونے دیا اور ہر پل یہی تاثر دیا کہ جیسے وہ ان میں سے ہی تھی۔ ان کی اپنی بیٹی تھی......شادی کی وہ تمام رسوم جو شاید مسز خان اپنی سگی بیٹی کے لئے نہ کرتیں عذرا کے لئے ادا کی گئیں۔ اس شادی میں شہر کی چیدہ چیدہ شخصیات نے شرکت کی......شہر کے بہترین ہوٹل میں تقریب کا اہتمام ہوا......

اس سارے کھیل میں سب سے زیادہ خوش میجر افراسیاب تھا جس نے بہر حال ایک چھوٹا سا جھوٹ بول کر عذرا اور اپنے بچپن کے دوست انور خان کی زندگیوں کو خوشیوں کا گہوارہ بنا دیا تھا......

ایک خلش سی عذرا کے دل میں ہمیشہ رہی کہ اگر شیر عالم کو اس کا علم ہو گیا تھا تو اس نے اب تک رابطہ کیوں نہیں کیا؟ اس کی خواہش تھی کہ شیر عالم کو بھی ایک خوشحال اور پُر سکون زندگی بسر کرتے دیکھ سکے......

O

شیر عالم اور بشیر کو پاکستان آمد پر ایک مرتبہ پھر زندگی سے نبرد آزما ہونا پڑا......

میجر کیانی اور میجر درانی اپنی مدت ملازمت پوری کر کے فوج میں واپس جا چکے

تھے۔ ..... نئے لوگوں سے ان کی آشنائی نہیں ہو سکی تھی...... دونوں اب اس قابل نہیں رہ گئے تھے کہ بھارتی سرحد عبور کر سکیں......

ان کے ہاتھوں جتنی اذیتیں ''را'' نے برداشت کی تھیں اس کے بعد سے تو ان کی تصاویر بھارت کے کونے کونے میں پہنچا دی گئی تھیں۔ ان کے لئے بھارت کے کونے کونے میں جال بچھے تھے کہ کب یہ پنچھی آئیں اور اس میں پھنس جائیں۔

کمپیوٹروں نے ان کے چہروں پر تمام ممکنہ بناوٹوں کے ساتھ ان کی تصاویر تیار کر لی تھیں جو ''را'' کے ایجنٹوں کو دنیا بھر میں پہنچا دی گئی تھیں۔ دونوں کو اس بات کی امید ضرور تھی کہ ان کی سابقہ خدمات کے پیش نظر انہیں کامیاب زندگی گزارنے کے لئے ممکن امداد ضرور دی جائے گی...... لیکن یہاں تو عالم ہی کچھ اور تھا...... انہیں مہلت تو کیا، الٹا ان سے یوں ناطہ توڑا گیا جیسے کبھی ان کا کوئی تعلق ہی ان اداروں سے نہیں رہا تھا...... جمع پونجی اتنی نہیں تھی کہ وہ زندگی کی گاڑی کو آسانی سے کھینچ لیں......

اس روز جب دونوں نے اپنی سابقہ خدمات کے عوض نوکریوں کی درخواست کی تو انہیں یہ کہہ کر کورا جواب دے دیا گیا کہ اس محکمے میں ایسی کوئی روایت موجود نہیں، نہ ہی وہ لوگ قانونی طور پر اس کے پابند ہیں۔

گیتانجلی کے متعلق شیر عالم کو صرف اس بات کا علم تھا کہ وہ کراچی میں رہتی ہے...... اس نے کبھی اس سے متعلق اس سے زیادہ جاننا بھی نہیں چاہا......

امریکہ سے واپسی پر اسے اپنے ذرائع سے اس بات کا علم ضرور ہو گیا تھا کہ اس نے شادی کر لی ہے اور یہ شادی بھی ان لوگوں کی روانگی کے بعد ہوئی تھی...... شیر عالم نے اسے اپنی قسمت کا لکھا سمجھ کر قبول کر لیا...... لیکن ایک بات کا قلق اسے ضرور لگا تھا کہ ان لوگوں نے شیر عالم سے جھوٹ بولا۔ جو بات میجر افراسیاب نے گیتانجلی سے کی تھی وہی بات میجر کیانی نے شیر عالم سے کہی تھی۔ گو کہ دونوں نے یہ کام کسی نیک جذبے سے کیا تھا...... لیکن شیر عالم کے لئے اس بات کو ہضم کرنا مشکل ہو رہا تھا۔

بشیر نے اس کے ساتھ یاری نبھائی اور خوب نبھائی...... ان حالات میں جب دونوں بُری طرح ڈپریشن کا شکار تھے تو اس نے اپنے رشتہ داروں سے قرض پکڑ کر ایک مضافاتی علاقے میں دوکان کر لی۔

یہ دوکان تو کیا چلتی۔ الٹا ان کے گلے کا ہار بن گئی۔ جس علاقے میں انہوں نے دکانداری

کی تھی وہ سمگلروں کی گزرگاہ تھا۔ جہاں سے گزر کر سمگلر پھر شہر کی طرف آیا کرتے تھے۔ دکانداری کا دور دور تک اس دھندے سے کوئی تعلق نہیں تھا...... لیکن دونوں اس بات سے آگاہ نہیں تھے کہ اس مرتبہ تقدیر نے ان کے ساتھ ایک اور کھیل کھیلنے کا فیصلہ کر لیا تھا...... ایک مرتبہ پھر وہ حالات کے ہاتھوں خزاں زدہ پتے بنے جا رہے تھے۔

O

نور دین ان کا جیل کا ساتھی تھا......

نور دین نے زندگی میں کبھی بھول کر بھی سرحد عبور کرنے کا تصور نہیں کیا تھا۔ اس کی قسمت خراب کہ ایک مرتبہ وہ حساب کتاب کے چکر میں سرحد عبور کر ہی گیا اور پہلی غلطی پر ہی بی۔ ایس۔ ایف کے قابو آ گیا...... جیل میں اس کی ملاقات بشیر اور شیر عالم سے ہوئی تھی...... دونوں سے متعلق بڑی کہانیاں پہلے سے جیل میں گشت کر رہی تھیں۔ نور دین نے بھی محسوس کیا تھا کہ وہ دونوں دلیر آدمی ہیں۔

نور دین کے بڑے بھی یہی کام کرتے چلے آ رہے تھے۔

ان لوگوں کو عقلمند اور بہادر پانڈیوں کی ضرورت ہمیشہ سے رہی تھی۔ یہاں ان کی بدقسمتی یہ تھی کہ اگر کوئی عقل مند مل جاتا تو وہ بہادر نہیں ہوتا تھا اور بہادر ایسے ملتے کہ عقل کی جگہ ان کے دماغ میں بھس بھرا ہوا ہوتا تھا......

نور دین جیل ہی میں تھا کہ جب اسے دونوں کے دلیرانہ فرار کی داستان سننے کو ملی...... جیل کے در و دیوار ان کے فرار کے قصے کہانیوں سے نور دین کی رہائی تک گونجتے رہے...... ان کے فرار کی تفصیل اخبار نے شائع کی تھی...... لیکن جس طرح جیل میں اسے بڑھا چڑھا کر بیان کیا جاتا تھا اس کے بعد سے ان کی حیثیت ہیروز کی سی ہو کر رہ گئی تھی......

نور دین بھی پرانا پاپی تھا...... اسے علم تھا کہ بھارت کی قید سے رہا ہونے کے بعد انٹیلی جنس کے لئے ان میں کوئی دلچسپی باقی نہیں رہ جائے گی۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہو گا کہ انہیں مقامی ٹاؤٹ کی حیثیت میں قبول کر لیا جائے جبکہ نور دین ان دونوں کے ذریعے بہت کچھ کر سکتا تھا۔

ان کے پاس دماغ بھی تھا اور دلیری بھی...... بشیر کے متعلق تو وہ بخوبی جانتا تھا کہ وہ سرحد کا کیڑا ہے...... یوں بھی دونوں اس کے علاقے کے رہنے والے تھے اس لئے ان کے پولیس کی

نظروں میں آنے کے امکانات بھی بہت کم تھے......اس سے پہلے کہ نوردین ان سے تعلق بڑھاتا، وہ فرار ہوگئے......

ان کے فرار ہونے کے قریباً چھ سات ماہ بعد نوردین کو بھارتی جیل سے رہائی نصیب ہوئی اور وہ اپنے ملک واپس آ گیا تو یہاں پولیس نے اسے دھر لیا......لیکن وہاں کی پولیس سے نمٹنا اس کے لئے کوئی مشکل کام نہیں تھا...... پولیس نے نمٹنے کے بعد وہ ایک طرح سے تہی دست ہوکر رہ گیا تھا۔ اب نوبت زمین بیچنے پر آنے لگی تھی۔

نوردین جس گاؤں کا رہنے والا تھا۔ اس کے اردگرد بہت سے لوگ اس دھندے سے اپنا پیٹ پال رہے تھے۔ بھارت میں گرفتاری سے پہلے وہ یہاں کے سمگلروں میں ایک ممتاز حیثیت کا مالک رہا تھا......لیکن واپسی پر تو دنیا ہی بدل چکی تھی۔

اب وہاں کئی اور ''نورے'' پیدا ہو چکے تھے۔ اردگرد کے دیہاتوں کے وہ پانڈی جو کبھی اس کا مال اٹھا کر سرحد عبور کرنا باعث فخر سمجھتے تھے اب اس کی شکل پر نظر پڑتے ہی کھسک جایا کرتے تھے کیونکہ انہیں دوسرے گاہک میسر آ گئے تھے جن کے ذریعے وہ ہزاروں روپے مہینہ کما رہے تھے۔

نوردین بڑا کایاں اور مکار سمگلر تھا۔ اس نے اپنے دشمنوں کو کبھی اس بات کا احساس نہیں ہونے دیا کہ وہ ناکام ہو چکا ہے۔ اپنی روپوشی کا بھرم اس نے ہمیشہ قائم رکھا۔ آج بھی وہ جیپ لے کر دیہاتوں میں گھوما کرتا تھا......

نوردین نے بڑی سرگرمی سے بشیر کی تلاش شروع کر دی تھی۔ اس روز جب وہ اپنی گاڑی سے شہر کی طرف جا رہا تھا تو اس مضافاتی علاقے میں تھوڑی دیر کے لئے رُک کر اسے کوئی چیز خریدنا تھی اور اسی چکر میں اس نے ان دونوں کو دیکھ لیا......

نوردین کے لئے اپنے جذبات پر قابو رکھنا ممکن نہیں رہا تھا وہ اس طرح بیقراری سے ان دونوں سے بغل گیر ہوا تھا کہ دونوں ہی حیران رہ گئے......نوردین نے دکان کی حالت سے اندازہ لگا لیا تھا کہ ان کے معاشی حالات کیا ہوں گے......

''یار......کس چکر میں پڑ گئے ہو......تم جیسے جوان اور ذہین لوگوں کے لئے میدان خالی پڑا ہے......اور تم......'' نوردین نے بالآخر کہہ ہی دیا۔

''نورے! ہم نے تو اپنے ماضی کو فراموش کر دیا ہے۔ یہ زندگی جیسی بھی ہے ہمارے لئے

ٹھیک ہے......'' بشیر نے جواب دیا۔

نورے نے بھی زیادہ گفتگو اس مسئلے پر کرنا مناسب نہیں جانا اور انہیں اپنا ایڈریس بتا کر کبھی ضرورت کے وقت یاد کر لینے کی درخواست کر کے واپس آ گیا۔

O

نورا بڑا مکار اور شاطر آدمی تھا......

وہ اپنا کام نکالنے کے ہزاروں ڈھنگ جانتا تھا اس نے چند منٹوں ہی میں ایسا منصوبہ تیار کر لیا تھا کہ دونوں پکے ہوئے پھل کی طرح اس کی جھولی میں آ گریں اور اب اس پر عمل کرنے جا رہا تھا۔

اگلے ہی روز اس نے مقامی تھانے کے سب انسپکٹر کو اپنے ہاں بلا لیا......سب انسپکٹر کے لئے نوردین کی طرف سے بلاوا باعث مسرت تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس نورے کے گھر جا کر خالی ہاتھ واپس نہ لوٹے گا۔

ایسا ہی ہوا......دوپہر کا کھانا دونوں نے اکٹھے کھایا اور روانگی پر نہ صرف اس کی کار کی ڈگی مختلف اشیاء سے بھری ہوئی تھی بلکہ نوردین نے اس کی جیب بھی گرم کر دی تھی لیکن اس کے ساتھ ہی اسے ایک ''مشن'' بھی سونپا تھا جس پر سب انسپکٹر نے اگلے ہی دن سے کام شروع کر دیا۔

اس روز جب دونوں دکانداری میں مصروف تھے مقامی تھانے کے تین کانسٹیبل وہاں آ گئے......''چوہدری صاحب نے تمہیں تھانے بلایا ہے؟'' انہوں نے پولیس کے مخصوص لہجے میں انہیں مطلع کیا۔

''لیکن کیوں؟''......شیر عالم نے پوچھ ہی لیا۔

''اوئے دماغ خراب ہے تیرا......''

حوالدار نے جو شکل ہی سے پرلے درجے کا بدمعاش دکھائی دے رہا تھا اسے موٹی سی گالی دے کر جواب دیا۔

''زبان کو لگام دے اوئے......تو مجھے نہیں جانتا تیرے جیسے......''

شیر عالم کا خون جوش مارنے لگا کہ بشیر نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اسے روک دیا۔

''حوالدار صاحب ناراض نہ ہوں......آخر ہمیں وجہ جاننے کا حق تو ہے یا نہیں......'' بشیر نے اپنی دانست

میں بڑے نرم لہجے میں بات کی تھی لیکن اس کی بات کا جواب گالیوں کی صورت میں موصول ہوا۔

اب شیر عالم کے لئے خود پر قابو پانا ممکن نہیں تھا۔ وہ پولیس والوں سے ٹکرا گیا، اچھا خاصا تماشا لگ گیا تھا۔ مارکیٹ کے لوگ وہاں جمع ہو گئے۔ کسی مقامی ٹاؤٹ نے تھانے میں اطلاع پہنچا دی جہاں سے اپنے ''جوانوں'' کی مدد کے لئے مزید گارڈ بھیج دی گئی اور تھوڑی دیر بعد ہی دونوں کو سرِ بازار ڈنڈے مارتے ہوئے پولیس والے تھانے لے گئے۔ یہ تماشا سب کی آنکھوں کے سامنے ہوا لیکن کس کی مجال تھی کہ پولیس کے منہ لگتا......

''اوئے بدمعاش بنتے ہو......سالو! ایک منٹ میں بدمعاشی نکال دوں گا......سب انسپکٹر نے دونوں کو گالیاں دیتے ہوئے حوالات میں بند کر دیا۔

شیر عالم کے لئے یہ ذلت ناقابل برداشت ہو رہی تھی اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ سب انسپکٹر کا گلا اپنے ہاتھوں گھونٹ کر اسے مار ڈالے۔

بشیر اسے ٹھنڈا رکھنے کی ہر ممکن کوشش کر رہا تھا لیکن شیر عالم کے لئے خود پر قابو پانا ممکن ہی نہیں رہا تھا۔ حوالات میں پہلے سے دو ملزم بند تھے......

دونوں نے حوالات کی روایت کے مطابق ان کا خیر مقدم کیا اور پولیس والوں کو ان کے ساتھ مل کر گالیاں بھی دیں۔ تھوڑی دیر کے بعد جب دونوں کے گھر سے چائے کھانا وغیرہ آیا تو انہوں نے ضد کر کے شیر عالم اور بشیر کو اس میں شامل کیا......

''سالو! اب یہاں سمگلنگ کا دھندہ کر رہے ہو......میں سب جانتا ہوں تمہارے متعلق......ادھر قید کاٹ کر آئے ہو اور اب میرے علاقے میں غلط کام کر رہے ہو۔ تم نے میرا نام نہیں سنا۔ میں تو تمہاری رگوں سے خون نچوڑ لوں گا''......

سب انسپکٹر نے حوالات کے دروازے کے سامنے کھڑے ہو کر کہا۔

''دیکھئے انسپکٹر صاحب......آپ کو غلط فہمی ہو گئی ہے......ٹھیک ہے ہم نے بھارت میں قید کاٹی ہے لیکن وہ کوئی اور مسئلہ تھا......آپ کو......؟''

''تیری......''......انسپکٹر نے بشیر کی بات کاٹ کر اسے گالیاں دینا شروع کر دیں۔

''ہوش کر اوئے انسپکٹر......زبان کو لگام دے......جوان آدمی ہیں، جھوٹ نہیں بول رہے خبردار انہیں ایسے نہ سمجھ لینا......''ایک حوالاتی نے کہا۔

''چوہدری صاحب......آپ اس مسئلے میں نہ پڑیں......آپ نہیں جانتے یہ بڑے خطرناک لوگ ہیں'' دونوں نے محسوس کیا کہ حوالاتی کے سامنے انسپکٹر دب کر بات کر رہا تھا۔

''یہ کوئی بھی ہیں......اب گالی نہ دینا......ورنہ تھانے کو آگ لگوا دوں گا......تو جانتا ہے ہم مردوں کی قدر کرتے ہیں......''

حوالاتی نے دھمکی آمیز لہجے میں انسپکٹر سے کہا۔ ''دیکھ لوں گا تم سب کو......'' انسپکٹر یہ کہہ کر واپس چلا گیا۔

''سالا......ہمارے ٹکڑوں پر پلنے والا......ہمیں دیکھے گا''......حوالاتی نے کہا۔

دونوں اس سے خاصے متاثر ہوئے تھے اس نے اپنا نام معراج دین بتایا تھا، ابھی تعارف نامکمل تھا۔ ''شکریہ بھائی صاحب''......شیر عالم نے کہا۔

''کوئی بات نہیں یار......میں تمہیں نہیں جانتا لیکن ہم بھی جوانوں کو پہچانتے ہیں......چوہدری نور آج شام تک مجھے یہاں سے نکلوا لے گا......میں حاضر ہوں کوئی بھی ضرورت ہو تو حکم کرو......''اس نے کہا۔

چوہدری نورے کے نام پر دونوں چونکے اور جب معراج دین نے اس کا تعارف کروایا تو انہیں علم ہوا کہ یہ تو نورے کا خاص آدمی ہے جسے پولیس والے قتل کے شبہ میں لے آئے تھے لیکن چوہدری نورے نے دے دلا کر اسے پرچے سے خارج کروا دیا تھا اور آج اس کی ضمانت بھی ہو گئی تھی......

O

شام کو چوہدری نورا بھی آ گیا......

وہ سیدھا حوالات کے دروازے پر آیا تھا......شاید اپنے بندے کو کوئی خبر دینا چاہتا تھا۔ انہوں نے پولیس والوں کو اس شخص پر نظر پڑتے ہی اسے سلام کرتے دیکھا۔ یوں دکھائی دیا تھا جیسے اس تھانے میں اس کا خاصا رعب چلتا ہے۔

''بشیرے تم یہاں......شیر عالم تم......خیر تو ہے......''

ان کی شکل پر نظر پڑتے ہی نور دین حیران رہ گیا۔

''نورے یار......تیرے علاقے میں ہمارے ساتھ یہ سلوک ہونا تھا''......بشیر نے شکوے کے انداز میں کہا۔

''یار خدا کی قسم مجھے علم نہیں......کس کی جرأت ہے کہ تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھے۔کیا بات''۔نورے نے حیرانگی برقرار رکھی ہوئی تھی۔

''کسی نے ان لوگوں کو ہمارے خلاف غلط رپورٹ کر دی ہے''......شیر عالم نے کہا۔

''ارے بلا اوئے انسپکٹر کو......'' نورے نے وہاں ڈیوٹی پر موجود سنتری کو حکم دیا اور دوسرے ہی لمحے انسپکٹر وہاں موجود تھا۔

''حکم چوہدری صاحب......خیر ہے......''انسپکٹر خاصا سہا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔

''چوہدری نیاز......ان دونوں کو میری ضمانت پر اسی وقت رہا کر دے۔اس میں تیرا بھلا ہے......''نورے نے کہا۔

''چوہدری صاحب......بخدا میں مجبور ہوں......ان کے خلاف اوپر سے حکم آیا ہے......آپ جانتے ہیں کہ نیا ایس۔پی بڑا سخت آدمی ہے۔اس نے مشتبہ کے خلاف مہم شروع کر رکھی ہے۔میں مجبور ہوں''......انسپکٹر نے عاجزی سے جواب دیا۔

نورے نے جواب میں نئے ایس۔پی کو گالیاں دیتے ہوئے اسے حکماً کہا تھا کہ وہ دونوں کو رہا کر دے۔

''چوہدری صاحب میری پیٹی اتر جائے گی......میرے بچوں کا خیال کریں''......انسپکٹر نے پھر اپنی معذوری ظاہر کی۔

''بشیرے یار معاف کرنا......مجھے ابھی علم ہوا ہے......بہر حال تم صبح رہا ہو جاؤ گے۔میں دیکھوں گا ایس۔پی کو......معراج دین جوان میرے ہیں۔ان کی قدر کرنا''......اس نے اپنے آدمی سے کہا۔

''شکریہ نورے یار......تو جانتا ہے ہم کبھی اتنے بے بس نہیں تھے جتنے آج ہیں''......بشیر نے کہا۔

''یار کیوں گھبرا گئے ہو......تم نے تو انڈیا میں مردوں کی طرح جیل کاٹی ہے......یہ تو اپنا ملک ہے......اس نے بڑا نفسیاتی حملہ کیا تھا۔

''شاید ہمارے گھبرانے کی وجہ یہی ہے''......شیر عالم نے جواب دیا۔

نورے کے کہنے پر انسپکٹر نے انہیں حوالات سے نکال لیا تھا اور اب دونوں انسپکٹر کے

تھانے کی عمارت میں موجود کمرے میں بیٹھے تھے۔رات تک نورا ان کے ساتھ رہا......اس نے دونوں کے لئے گھر سے کھانا منگوایا تھا۔رات انہوں نے انسپکٹر کے کمرے میں گزاری اور دوسرے دن دوپہر تک نورے نے انہیں رہائی دلا دی۔

O

نورے کے ڈرامے کا پہلا ایکٹ مکمل ہو گیا تھا......

نتائج اس کی توقع سے بڑھ کر اچھے برآمد ہوئے تھے۔دونوں کے خیالات بدلنے میں اسے کافی کامیابی نصیب ہو گئی تھی۔

اب دوسرا مرحلہ شروع ہوا جب دونوں اگلے روز اپنی دوکان پر بیٹھے تھے تو مالک دکان نے ہاتھ باندھ کر ان سے درخواست کی کہ وہ دکان خالی کر دیں کیونکہ وہ تھانے والوں سے متھا نہیں لگا سکتا نہ ہی کسی جرائم پیشہ کو کرایہ دار رکھ سکتا ہے۔مالک دکان کی حمایت کے لئے مارکیٹ کے باقی لوگ بھی موجود تھے......

دونوں کو ایک ہفتے کے اندر اندر دکان خالی کرنے کی وارننگ دے دی گئی۔

دوسرے ہی دن معراج دین وہاں پہنچ گیا۔نورے نے اسے رہا کروایا تھا۔اس نے دونوں سے کہا اگر وہ چاہیں تو دنیا کی کوئی طاقت ان سے دکان خالی نہیں کروا سکتی کیونکہ اس علاقے میں کسی کی مجال نہیں کہ چوہدری نورے سے ماتھا لگا سکے......لیکن شیر عالم نے کچھ اور ہی فیصلہ کر لیا تھا۔

حالات کی ستم ظریفی نے اس کے اندر موجود انتقام کی آگ کو بھڑکا دیا تھا۔وہ شاید اپنے آپ سے ہی انتقام لینے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

''عالمے......نورا کوئی اچھا آدمی نہیں ہے''......اس کے فیصلے پر بشیر نے کہا۔

''اچھا......پھر تو ہی کوئی اچھا آدمی ڈھونڈ نکال......تھانیدار اچھا آدمی ہے یا مالک دکان......چلوان کے ساتھ مل کر کچھ کر لیں......'' عالمے نے طنزیہ کہا اور بشیر نے گردن جھکا لی......

معراج دین کے ذریعے انہوں نے دوکان اس مارکیٹ کے ایک دوکاندار کے ہاتھ اونے پونے داموں فروخت کر دی اور نور دین کے ڈیرے پر پہنچ گئے۔

O

انہیں اپنے پاس دیکھ کر نور دین کے تن مردہ میں جیسے جان پیدا ہو گئی......

”جی آیاں نوں......جی آیا نوں“......اس نے بانہیں پھیلا کر اس طرح دونوں کا استقبال کیا تھا جیسے ان کے بغیر مرا جا رہا ہو......آٹھ دس روز نوردین نے انہیں اپنا مہمان رکھا۔اس نے ان کی خاطر مدارت اپنے پیروں کی طرح کی......کوئی کسر ان کی خدمت میں نہ اٹھا رکھی۔

ایک روز......بالآخر شیر عالم نے خود ہی اس سے سیدھی بات کر لی۔

”عالمے! میں نے تمہیں شروع ہی میں کہا تھا کہ یہ کام تمہارے شایان شان نہیں......کاش تم نے اس وقت میری بات مان لی ہوتی......یار اگر یہ ممکن ہوتا تو میں بھی کوئی آڑھت کی دوکان کر لیتا......“نورے نے جواب دیا......

”نورے......ہم کام کریں گے تو پانڈی کی حیثیت سے نہیں......برابر کی حیثیت سے اگر تمہیں منظور ہو تو ہم تیار ہیں“......اس مرتبہ بشیر نے کہا تھا۔

نوردین کو غصہ تو بہت آیا لیکن اس کے لئے اس مسئلے سے نمٹنا بھی کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ فی الوقت اس نے ان کی ہاں کو ہی غنیمت جانا تھا اور باقی سب کچھ حالات پر چھوڑ دیا تھا۔

وہ دن بھی آ گیا جب ایک روز بشیر اور شیر عالم نورے کا مال لے کر سرحد کی طرف جا رہے تھے انہوں نے سرحد صرف ایک مرتبہ عبور کی تھی۔اس کے بعد کبھی سرحد عبور نہ کی۔

اسی ایک پھیرے میں دونوں نے اپنے پرانے رابطے بحال کر لئے تھے۔اس کے بعد انہوں نے جب بھی مال کا تبادلہ کیا سرحد پر ”اٹ“ لگا کر کیا۔اس کا طریقہ بہت سیدھا تھا۔سرحد پار والے اپنی سرحد کا ”ناکہ“ بھرتے تھے اور ادھر سے شیر عالم اور بشیرا ”ناکہ“ بھرتے تھے۔دونوں سرحدی لکیر پر ایک دوسرے کے ہاتھ اپنے اپنے مال کا تبادلہ کر لیا کرتے تھے۔

نورے نے ان کے متعلق غلط اندازہ نہیں لگایا تھا۔وہ دونوں سرحد کے کیڑے تھے۔ انہوں نے دنوں میں نورے کی قسمت بدل کر رکھ دی۔

نوردین نے ایک بات خاص طور پر محسوس کی تھی کہ شیر عالم بشیر کی بات کا بہت احترام کرتا ہے اور اس کے کہنے پر وہ آدھے حصے کا ”بھائی وال“ بنا ہوا ہے......نورے کو اب یہ غلط فہمی بھی ہو گئی تھی۔اب وہ ان کا محتاج نہیں رہا......ڈیڑھ سال تک انہوں نے اکٹھے کام کیا۔اس درمیان انہیں متعدد مرتبہ جیلوں کا منہ دیکھنا پڑا......

شیر عالم کو نورے نے بڑی ہوشیاری سے ہمیشہ ایک گینگ لیڈر کی حیثیت سے پیش کیا۔

اب تک ان لوگوں کی مخالفین کے ساتھ جتنی لڑائیاں ہوئی تھیں ان میں سے کسی میں بھی شیر عالم یا بشیر نے حصہ نہیں لیا تھا......لیکن ایک سازش کے تحت اس نے ہر پرچے میں انہیں شامل کروایا تھا......

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ وہ راتوں رات دونوں کی ضمانتیں کروا دیا کرتا تھا یہی وجہ تھی کہ انہوں نے کبھی ان مقدمات کی پرواہ نہیں کی تھی۔یوں بھی وہ جس دنیا کے باسی بن گئے تھے وہاں ایسی باتوں کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی......دونوں نے اپنے گھر اور رشتہ داروں کو زندگی کی تمام آسائشوں سے آشنا کر دیا تھا......

اس درمیان بشیر نے کئی مرتبہ شیر عالم سے کہا کہ اب وہ شادی کر لے اور اس دھندے سے علیحدہ ہو کر کسی گمنام مقام پر آرام کی زندگی بسر کرے......لیکن شیر عالم نے ہمیشہ اس کی بات کو ہنس کر ٹال دیا۔

وہ جانتا تھا کہ جس دلدل میں وہ اتر چکے ہیں وہ آگے جانے پر گہری ہوتی جاتی ہے اور یہاں سے واپسی کا راستہ بھی کوئی نہیں رہا۔جرم و سزا کی اس دنیا میں شیر عالم اتنا آگے نکل آیا تھا کہ اب اس کے نزدیک زندگی کا مفہوم ہی بدل کر رہ گیا تھا۔

گزشتہ کچھ دنوں سے بشیر کا تقاضا بڑھنے لگا تھا۔وہ موقعہ بے موقعہ شیر عالم کو سمجھانے لگتا تھا کہ نوردین سے علیحدگی اختیار کر لے......شاید اسے احساس ہو گیا تھا کہ نوردین دراصل انہیں استعمال کر کے اپنا اُلو سیدھا کر رہا ہے۔اس کی نصیحتوں کو شیر عالم نے ہمیشہ کی طرف کبھی سنجیدگی سے نہیں لیا تھا۔

ایک روز اس نے کہہ ہی دیا۔

”بشیرے......میں جانتا ہوں کہ گڈی اب بیاہنے لائق ہوئی ہے اور تمہارے جرائم کا اثر بچوں کی زندگیوں پر بھی پڑے گا......بشیرے میں دل سے خدا کو حاضر ناظر جان کر کہہ رہا ہوں کہ مجھے کوئی گلہ نہیں ہو گا تم اس دھندے سے علیحدہ ہو جاؤ......میں اب کہاں جاؤں گا......زندگی جس راستے پر چل نکلی ہے اس سے باہر بھی میرے لئے موت کے سوا اور کیا باقی رہ گیا ہے......“

بشیر نے اس کی بات سن کر گردن جھکالی تھی......

ایسا زندگی میں پہلی مرتبہ ہوا تھا کہ اس نے شیر عالم کی بات کا جواب ہاں یا نہ کے بجائے خاموشی سے دیا تھا۔شیر عالم کی خواہش تھی کہ بشیر اب اس بزنس سے علیحدگی اختیار کر لے۔اس نے

یہ زندگی محض شیر عالم کی دوستی میں اختیار کی تھی جس کے لئے وہ خود کو ہی ذمہ دار سمجھتا تھا......لیکن بشیر کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ شیر عالم اور اس نے جس مقصد یا انتقامی جذبے کے تحت اس میدان میں قدم رکھا تھا وہ مقاصد بھی حاصل ہو گئے اب وہ آرام سے باقی زندگی گزار سکتے تھے۔

اس روز بھی جب دونوں نے سونے کی جیکٹیں پہن رکھی تھیں اور شام ڈھلنے پر سرحد کی طرف روانگی کی تیاری کر رہے تھے تو بشیرے نے اچانک ہی اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے روک لیا۔

''عالمے! یار آج میرا دل قابو میں نہیں...... مجھے نورے کی نیت میں کھوٹ لگتا ہے۔''

''بشیرے! میں جانتا ہوں گڈی کی شادی کی تاریخ نزدیک آ گئی ہے۔ شاید احساس ذمہ داری نے تمہیں بزدل بنا دیا ہے...... میں تمہارے ساتھ وعدہ کرتا ہوں کہ نہ چاہتے ہوئے بھی آج کے بعد کبھی سمگلنگ نہیں کروں گا۔ اس پھیرے سے ہمیں اتنی رقم مل جائے گی کہ ساری زندگی اطمینان سے جی سکیں...... بشیرے اگر تم میری خاطر مجرمانہ زندگی اختیار کر سکتے ہو...... تو میں تمہارے لئے اس زندگی پر لعنت بھی بھیج سکتا ہوں......''

شیر عالم جانتا تھا کہ بشیر کی بیٹی کی شادی ہونے والی ہے۔ اس مرحلے پر کوئی بھی باپ خصوصاً جو اس دھندے میں لگا ہو اس کے جذبات کیا ہو سکتے ہیں......

''ٹھیک ہے عالمے...... لیکن مجھے اس کی آنکھ میں سور کا بال دکھائی دیا ہے۔'' بشیرے نے کہا اور شیر عالم ہنس دیا۔

دونوں معمول کے مطابق سرحد کی طرف اطمینان سے جا رہے تھے کیونکہ ''ناکہ بھرا'' ہوا تھا جب اچانک ہی یہ حادثہ پیش آیا۔

اچانک ہی ایک جگہ رینجرز نے انہیں ''ہینڈز اپ'' کروایا اور بشیر کو گولی ماردی۔ شیر عالم نے مرتے دم بشیر کے چہرے پر اذیت اور طنز کا جو تاثر دیکھا تھا اس نے ایک لمحے کے لئے بھی اسے چین سے نہیں بیٹھنے دیا۔

اسے گرفتار کر کے تھانے میں لایا گیا تو شیر عالم نے پولیس کا منہ بند کروا دیا...... اس کے اپنے بھائی سے کہہ دیا تھا کہ بشیر کی بیٹی کی شادی بالکل ایسے ہی ہو جیسے وہ اپنی بہن کو بیاہ سکتے تھے۔ اس کی گرفتاری پر اخبارات نے طوفان اٹھا دیا تھا۔ شیر عالم کے علم میں ساری سازش آ گئی تھی کہ کس طرح نورے نے بے ایمانی سے بشیرے کو مروا کر عالمے اور بشیرے کے درمیان پھوٹ

ڈالنے کی کوشش کی ہے۔

نورے نے جان لیا تھا کہ شیر عالم کو اس کی غداری کا احساس ہو گیا ہے اور اب وہ اسے کبھی معاف نہیں کرے گا، اس کی کوشش یہی تھی کہ جس طرح بھی ممکن ہو شیر عالم کو بھی سزا دلوائے......اتنی لمبی سزا کاٹ کر جب وہ جیل سے باہر آئے گا تو اس کا ''مچ'' ہی مر گیا ہو گا اور وہ انتقام لینے کے قابل ہی نہیں رہ جائے گا۔

اس نے اخباری رپورٹروں کے ذریعے شیر عالم کے خلاف طوفان کھڑا کر دیا تھا...... اس کی بھارت میں گرفتاری کے قصے بھی اخبارات کے ذریعے عوام تک پہنچ گئے تھے...... شیر عالم خاموشی سے حالات کا جائزہ لیتا رہا، بے بسی لیکن بڑی ہوشیاری سے اس نے اپنی جمع پونجی کا استعمال کیا...... اس نے ہر مرحلے پر تفتیش کرنے والوں کے منہ بند کرنے کا بندوبست کر رکھا تھا......

اس کی خواہش ایک ہی تھی کہ جس طرح بھی ممکن ہے چند دنوں کے لئے ہی سہی، یہاں سے باہر نکلے اور اپنے دوست کی بے چین روح کو پُرسکون کرنے کے لئے نورے کو اس کے انجام تک پہنچا دے۔

اس روز جب اسے علم ہوا کہ اس کا چالان حیدر آباد لے جایا جا رہا ہے اور گارڈ اسے لینے آ رہے ہیں تو اس نے یہ منصوبہ تیار کر لیا تھا اور اپنی جان پر کھیل کر اس پر عمل بھی کر لیا......

O

گیلی زمین نے شیر عالم کے وجود کو آغوش مادر کی طرح اپنی پناہ میں لیا تھا۔

وہ دیوانہ وار ایک طرف بھاگا اور بھاگتا چلا گیا...... اس کے لئے فاصلے سمٹ گئے تھے...... گرفتاری کا خوف دور دور تک اس کے ذہن میں نہیں تھا...... تمام جذبات پر ایک ہی جذبہ غالب تھا...... انتقام کا جذبہ......

اس نے زندگی میں پہلی مرتبہ زیادتی کی تھی جب راہ چلتے ایک غریب دیہاتی سے زبردستی اس کی چادر چھین لی تھی اس کی جیب سے اتنے پیسے نکال لئے تھے جن سے وہ ٹیلی فون کی سہولت حاصل کر سکتا......

ابھی اس ملک میں درجنوں ایسے لوگ موجود تھے جو اس کے لئے اپنی جان سے گزر سکتے تھے کیونکہ اس نے دوران تفتیش ان میں سے کسی کا نام نہیں لیا تھا...... اپنی جان پر سارا عذاب جھیل کر

اس نے اپنے کسی ہم پیشہ کو اس کیس میں ملوث ہونے سے بچایا تھا......اس نے تو نور دین کا نام بھی نہیں لیا تھا......لیکن نور دین بچہ نہیں تھا......

وہ جانتا تھا کہ اسے شیر عالم نے کس دن کے لئے چھوڑ دیا ہے۔ اس نے دنیا دیکھی تھی۔ زندگی میں پہلی مرتبہ وہ اندازے کی غلطی کا شکار ہوا تھا، اس نے سمجھا تھا بشیرے کو مروا کر عالمے سے ڈیل کر لے گا، اس طرح کم از کم ایک حصے دار تو کم ہوگا اور وہ منافع جو تین ہاتھوں میں تقسیم ہوتا تھا، دو ہاتھوں تک سمٹ جائے گا۔ یہ تو اس کے گمان ہی میں نہیں تھا کہ عالما جرم کی دنیا میں ضرور آ گیا تھا......لیکن ابھی وہ ذہنی طور پر مجرم نہیں بنا تھا......اس نے ابھی تک اپنے اندر موجود انسانیت کو زندہ رکھا تھا......یہ تو ایک حادثہ تھا جو اسے اس دنیا میں لے آیا اور بس......

اس کی ساری زندگی حادثات سے بھری پڑی تھی......پیدائش سے آج تک اس نے وہ کچھ دیکھ اور برداشت کر لیا تھا جو کوئی ہزار جنم لینے پر بھی نہ دیکھ سکے، نہ برداشت کر سکے......وہ تو حادثات کی بھٹی میں پک کر کندن ہو چکا تھا۔

اس چھوٹے سے قصبے کے ٹیلی فون آفس تک پہنچنے میں اسے کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی شاید ابھی تک کسی کو یہاں اس کے فرار کی اطلاع نہیں ملی تھی......

ہتھکڑی سے اس نے زمین پر گرنے کے چند منٹ بعد ہی نجات حاصل کر لی تھی۔ یہ اس کے لئے کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ اس نے اپنے شہر میں ٹیلی فون کر کے کسی کو اطلاع دی تھی اور وہ جگہ بتائی تھی جہاں وہ اگلے چند گھنٹوں تک قیام کر سکتا تھا......

O

شیر عالم کے فون کرنے کے بمشکل چار پانچ گھنٹے بعد ایک کار اس کے استقبال کے لئے پہنچ گئی تھی......اس کار کے ذریعے اس نے اپنی زندگی کا سب سے مختصر لیکن بہت طویل اور جان لیوا سفر کاٹا تھا......وہ ایک ایک لمحہ جو اس نے آزاد رہ کر گزارا تھا، اس کے خون میں انگارے بن کر دوڑتا رہا......وہ پر لگا کر بھیکوال پہنچ جانا چاہتا تھا......

ابھی تک نورے کو اس کے فرار کی خبر نہیں ہوئی تھی وہ اسے بے خبری میں پکڑنا چاہتا تھا۔ اگر نورا ہوشیار ہو جاتا تو شاید یہ کبھی اس کے ہاتھ نہ لگتا......اپنے فرار کے بمشکل پندرہ بیس گھنٹے بعد ہی شیر عالم نے اسے جالیا......!

یہ تمام عرصہ اس نے غنودگی کے عالم میں گزارا تھا......وہ کاریں بدل بدل کر سفر کرتا ہوا نورے کے شہر والے بنگلے تک پہنچا تھا، اس درمیان اگر اسے کار میں اونگھ آ گئی ہو تو اس کے اختیار میں نہیں تھا، ورنہ اس نے پلک جھپک کر نہیں دیکھا تھا۔

نور دین شہر کے پُر آسائش بنگلے کی خواب گاہ میں اپنی نوبیاہتا بیوی کے ساتھ خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہا تھا جب موت نے اس کے دروازے پر دستک دی......''تم......''

اس کی آنکھیں دہشت اور حیرانگی سے پھٹ رہی تھیں۔ ابھی تک اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ رہا ہے یا سچائی اس کے سامنے موت کا روپ دھارے کھڑی ہے......

''ہاں......میں......کیوں تم گھبرا کیوں گئے۔ کیا مجھے یہاں نہیں آنا چاہئے تھا''......

شیر عالم نے گن اس کی طرف سیدھی کرتے ہوئے کہا......

''مم میرا......

''موت کے خوف نے اس کی زبان لڑکھڑا رہی تھی۔ اس کی نوبیاہتا شاید چند روز پہلے ہی وہ کسی بازار حسن سے خرید کر لایا تھا۔ اس منظر کی تاب نہ لا کر اپنے حواس ہی کھو بیٹھی تھی۔

''نورے......تو نے کیسے سوچ لیا کہ تو بشیرے کو مروا کر زندہ بچ جائے گا......بزدل، ذلیل، کمینے تو جانتا تھا کہ میرے جیتے جی ایسا ممکن نہیں......مجھے مروا دیتا تو اور بات تھی......نورے میرا زندہ رہ جانا ہی اس بات کا ثبوت تھا کہ نورا زندہ نہیں بچے گا......'' شیر عالم کی آواز میں رعد کڑک رہی تھی۔

''مم......مجھے معاف کر دے عالمے......میرا دماغ خراب ہو گیا تھا......میں پاگل ہو گیا تھا''......

نورے نے چاہا کہ اس کے قدموں میں گر کر معافی مانگے......لیکن شیر عالم نے ایک قدم پیچھے ہو کر اس کی کمر میں اتنی زور سے لات ماری تھی کہ وہ سامنے دیوار سے جالگا۔

''کتا پاگل ہو جائے تو اسے زندہ چھوڑنے سے بڑی حماقت اور کیا ہو سکتی ہے نورے''

اس نے نورے کی اگلی بات سننے سے پہلے کلاشنکوف کی پوری میگزین اس کے جسم پر خالی کر دی......

بوڑھے نورے کی جوان بیوی بہت پہلے سے ہی بے ہوش ہو چکی تھی۔ اگر وہ یہ منظر دیکھ لیتی تو وہشت سے مرجاتی۔

شیر عالم کو یوں لگا جیسے اس کے سر پر پڑا منوں بوجھ اتر گیا ہے......" وہ اطمینان سے چلتا ہوا اس کار تک آیا جو اسے یہاں لائی تھی۔ اب اسے موت کی کوئی پرواہ نہیں تھی......

"کمالے...... مجھے حیدر آباد پہنچا دو......"

اس نے کار کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا اور پچھلی سیٹ پر لیٹ گیا......

"شیر عالم...... کسی بھی ملک میں فرار کا بندوبست موجود ہے...... تو حکم کر...... تیری ہوا کی طرف کوئی نہیں دیکھے گا"...... کمالے نے جو گاڑی چلا رہا تھا کہا......

"نہیں کمالے...... اب میں یہ جنگ جاری نہیں رکھ سکتا...... تمہاری مدد کا بہت شکریہ"...... اس نے سیٹ پر لیٹے ہوئے کہا۔

O

حوالدار اللہ وسایا سر جھکائے تھانے کے صحن میں چارپائی پر بیٹھا حقہ کے کش لگا رہا تھا جب اچانک اسے اس حیرت سے دوچار ہونا پڑا...... عالما ڈکیت اس کے سامنے کھڑا تھا......

"حوالدار صاحب! مجھے افسوس ہے کہ آپ کو ایک رات کے لئے مجھ سے الگ رہنا پڑا...... اگر آپ نے ابھی تک رپورٹ نہیں کی تو میری گنتی گزرے کل میں ڈال لیجئے یا جیسے آپ کی مرضی...... آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ میری آپ سے کوئی دشمنی نہیں...... مجھے چند گھنٹے کی مہلت ہر حال میں چاہئے تھی...... یہ رہی آپ کی سرکاری ہتھکڑی......"

اس نے ہتھکڑی اللہ وسایا کی طرف بڑھا دی۔ حوالدار اللہ وسایا کے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے......

ایسا فلموں میں ہوا کرتا ہے۔ عملی زندگی میں وہ یہ پہلی مرتبہ دیکھ رہا تھا۔ اس کے ذہن میں پہلا خیال یہ آیا کہ اس نے شیر عالم سے متعلق جو رائے قائم کی تھی وہ بالکل صحیح تھی...... وہ ڈکیت نہیں ہو سکتا۔ حالات کی ستم ظریفی کا شکار ضرور ہوا ہوگا......

شیر عالم کو اچانک وہاں دیکھ کر دو سپاہی اس کی طرف شاید مارنے کے ارادے سے بڑھے تھے جب اچانک حوالدار اللہ وسایا تن کر کھڑا ہو گیا......

"خبردار...... اگر کسی نے اسے چھو کر بھی دیکھا"...... اس نے سپاہیوں کو ڈانٹ دیا......

"عالمے میرے ساتھ آؤ"...... اس نے عالمے کا ہاتھ پکڑا اور سیدھا ایس۔ ایچ۔ او کے

کمرے میں چلا گیا...... "سر" اس نے ایڑیاں بجا کر سلوٹ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ شیر عالم ہے...... پولیس کے کاغذات کا عالما ڈکیت جو میری حراست سے پرسوں بھاگ نکلا تھا...... لیکن میں اس کے خلاف اپنے تمام الزامات واپس لیتا ہوں...... میں اس کی عظمت کو سلام کرتا ہوں...... آپ کا ملزم حاضر ہے...... خدا نے میری عزت رکھ لی...... ریٹائرمنٹ سے پہلے یہ صدمہ شاید میں برداشت نہ کر پاتا......"

تھانیدار نے حیرانگی سے یہ منظر دیکھا اور خاموشی سے گردن جھکا لی...... شیر عالم کو انہوں نے حوالات میں بند کر دیا......

تھانیدار اور حوالدار کے درمیان کیا طے پایا...... اسے کچھ خبر نہیں تھی...... شام کو تھانے کی عمارت فوٹو گرافروں اور اخباری رپورٹروں سے بھر گئی تھی...... حوالدار اللہ وسایا بیان دے رہا تھا کہ شدید بارش اور طوفانی رات میں جب وہ ملزم شیر عالم کے ساتھ گاڑی کے باتھ روم کی طرف جا رہا تھا تو کسی مسافر کی غلطی سے دروازہ کھل گیا اور شیر عالم جو دروازے کے نزدیک کھڑا تھا نیچے جا گرا...... اس کے ہاتھ میں پکڑا ہتھکڑی کا سرا جھٹکا لگنے سے چھوٹ گیا......

گاڑی رکنے میں تاخیر اور طوفانی رات کے سبب وہ شیر عالم کو تلاش نہ کر سکے۔ انہوں نے یہی سمجھا کہ ملزم فرار ہو گیا ہے لیکن ملزم فرار نہیں ہوا تھا...... یہ اس کی شرافت ہے کہ وہ آج صبح خود ہی تھانے میں پیش ہو گیا...... ملزم کا بیان تھا کہ اچانک گرنے سے اس کے سر میں چوٹ آئی اور وہ حواس باختہ ہو گیا...... رات اس نے وہیں بسر کی اور دوپہر کے بعد جب چلنے کے قابل ہوا تو کسی کی منت سماجت کر کے کرایہ لے کر بسوں کے ذریعے سفر کرتا یہاں پہنچ گیا ہے......

اخبار نویسوں کے لئے یہ کہانی "فرنٹ پیج سٹوری" تھی...... انہوں نے اسے حاشیے لگا لگا کر شائع کیا...... شیر عالم نے وہی کہانی دہرائی جو اسے اللہ وسایا نے سمجھائی تھی......

نورے کے قتل کا مقدمہ نامعلوم حملہ آور کے خلاف اس کے نوکروں نے درج کروا دیا جن کے منہ کمالے نے بند کر دیئے تھے......

O

عذرا نے معمول کے مطابق ہی اخبار اٹھایا تھا......

انور خان کی روانگی کے بعد وہ ننھے عاطف خان سے فارغ ہو کر اخبار پڑھا کرتی تھی،

پہلے صفحے پر ہی اس کی نظریں جم کر رہ گئیں......اخبار اس کے ہاتھ سے ایک مرتبہ تو گر ہی چکا تھا۔

''عالمے......نہیں عالمے......یہ تم نہیں ہو سکتے تم ایسا نہیں کر سکتے......تم ایسے نہیں ہو......'' جانے وہ کیا کیا بڑبڑاتی رہی یہ دیکھے بغیر کہ مسز خان اس کے سرہانے کھڑی حیرانگی سے اسے دیکھ رہی ہے۔

''کیا ہوا بیٹی......''

انہوں نے عذرا کے چہرے کی بدلتی رنگت کو پریشانی سے دیکھا......

''امی......یہ......یہ......'' اس سے آگے وہ کچھ نہ کہہ سکی۔

مسز خان نے اخبار اٹھایا تو انہیں ساری بات کی سمجھ آ گئی......انہوں نے اخبار ایک طرف رکھا اور اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر اسے مطمئن رہنے کی تلقین کر کے کالج چلی گئیں۔

O

شیر عالم جیوڈیشل ریمانڈ پر جیل میں آ گیا تھا......

یہ اس کا جیل میں دوسرا دن تھا جب ڈپٹی جیلر نے اسے اپنے کمرے میں طلب کیا جہاں اس شہر کا سب سے بڑا وکیل بیرسٹر انور خان اور اس کی بیوی عذرا انور خان اس سے ملنے آئے تھے......

''عالمے......تم......''

عذرا کے منہ سے اس سے آگے کچھ نہیں نکل سکا......اس کی آنکھوں نے شیر عالم کو بہت کچھ بتا اور سمجھا دیا تھا۔

''میرا نام انور خان ہے......میرا آپ سے غائبانہ تعارف بہت پہلے سے ہے......مجھے آپ سے صرف ایک گلہ ہے کہ آپ نے یہ جاننے کے باوجود عذرا کہاں ہے ہم سے کبھی رابطہ نہیں کیا......نہ ہی ہمیں اپنے ایڈریس سے آگاہ کیا......'' انور خان نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

''خان صاحب! میں اس قابل ہی کہاں ہوں کہ آپ کا سامنا کر سکتا......'' شیر عالم نے کہا اور گردن جھکا لی......

''عالمے......میں نے سرحد پر تمہارے ساتھ ایمان کا رشتہ قائم کیا تھا......تم نے مجھے کلمہ پڑھایا......میری حفاظت کی ہے نیا جنم دیا......تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ یہ رشتہ کبھی ٹوٹ سکتا ہے......کبھی نہیں......تم نے ہمارے ساتھ ظلم کیا......'' عذرا نے روہانسی آواز سے کہا۔

''ہاں عذرا اور اس ظلم کی سزا بھی تو میں ہی بھگت رہا ہوں''......شیر عالم نے زخمی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائی۔

''نہیں عالم بھائی......میں ہوں نا......میں لڑوں گا آپ کا کیس......آپ تو ہمارے ہیرو ہیں ہمارے گھر کے فرد......آپ عذرا کو عزیز ہیں اور ہر وہ حوالہ جس کی کوئی بھی نسبت عذرا سے بنتی ہو میرے لئے واجب الاحترام ہے، آپ کے بیوی بچے کیسے ہیں اور کہاں ہیں......؟''

انور خان نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''میرے بیوی بچے......میں نے تو شادی نہیں کی''......

شیر عالم نے جواب دیا انور خان کو یوں لگا جیسے کسی نے اچانک اس کے دل میں بھالا اتار دیا ہو......اسے سمجھ آ گئی کہ میجر افراسیاب نے جھوٹ بولا تھا۔ شاید اس کی خوشی کے لئے عذرا کی گردن بھی جھک گئی تھی......

''عالمے......میرے بھائی تم بے فکر رہنا......تمہاری بہن ابھی زندہ ہے......میں تمہارے لئے ساری دنیا سے ٹکرا جاؤں گی''......

عذرا نے اپنی آنکھوں میں ٹکے آنسوؤں کو بڑے جبر سے سنبھال رکھا تھا۔

''میں بھی......ہم دونوں......''

انور خان نے اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا......

''بشیرا بھائی کہاں ہے''؟

اچانک ہی عذرا نے پوچھ لیا۔

''عذرا وہ اب اس دنیا میں نہیں رہا......کاش! تم اس کی زندگی میں اس سے ملی ہوتیں......ہم دونوں میں سے کسی نے ایک دوسرے کے ساتھ غداری ضرور کی ہے......شاید اس لئے مجھے اکیلا چھوڑ گیا......میں نے تو یہ کبھی نہیں چاہا تھا''......

شیر عالم کے آنسو بے اختیار اس کے گالوں پر بہنے لگے تھے۔

عذرا کے لئے بھی خود پر ضبط کرنا مشکل ہو گیا تھا......اس نے بمشکل خود پر قابو پایا......بشیر کے لئے سب نے مل کر فاتحہ کہی اور کافی دیر بعد وہ بوجھل دل سے جیل سے باہر آ گئے......

دونوں گھر پہنچنے تک خاموش رہے......

''انور صاحب! میں جانتی ہوں آپ کے دل پر جو بوجھ اچانک آن پڑا ہے۔شاید آپ کو میجر افراسیاب کی بات نے پریشان کیا......لیکن میں آپ کو بتا دوں مجھے اسی روز علم تھا کہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں......آپ زندگی میں کبھی یہ بوجھ اپنے دل پر نہ رکھئے کہ میں نے آپ سے اس لئے شادی کی کہ شیر عالم شادی کر چکا تھا......مجھے اس سے زیادہ کچھ نہیں کہنا''......اس نے گھر پہنچنے پر کہا۔

''عذرا تم میرے تصورات سے بڑھ کر عظیم ہو......اور شیر عالم کے لئے میرے دل میں کتنا احترام ہے شاید تم اس کا اندازہ نہ کر پاؤ''......عذرا میں نے اسے دل سے اپنا بھائی تسلیم کیا ہے۔اس کا کیس ایک وکیل کی نہیں بھائی کی حیثیت سے لڑوں گا......اس نے پُرعزم لہجے میں کہا۔

وقت پر لگا کر اڑا......تین سال کیسے بیت گئے شیر عالم کو احساس ہی نہ ہو سکا......انور خان نے اس کا تبادلہ کراچی جیل میں کروالیا تھا۔ہر دوسرے تیسرے روز عذرا یا خان فیملی کا کوئی فرد اس کی ملاقات کو آتا رہا......

تین سال بعد جب وہ جیل سے رہا ہوا تو اس کے استقبال کے لئے بشیر کی بیٹی گڈی اس کا خاوند نذیر اور شیر عالم کی بہن بھائی ہی نہیں تھے خان فیملی بھی موجود تھی سب سے پہلے اس کے گلے کا ہار بننے والا ننھا عاطف خان تھا......!!

......☆☆......☆☆......☆☆......

(ختم شد)